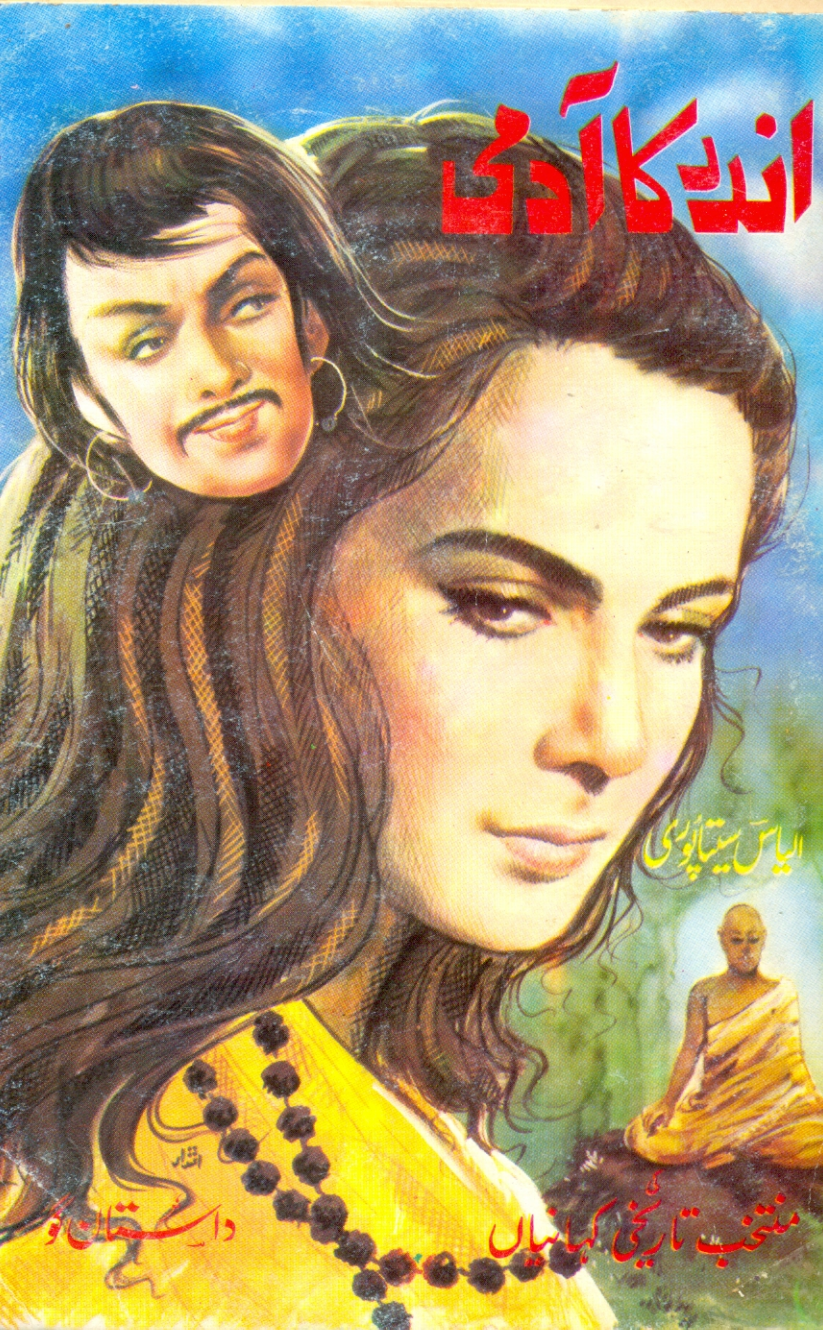

اندر کا آدمی
الیاس سیتاپوری
منتخب تاریخی کہانیاں
داستان گو

الیاس سیتاپوری

کی

منتخب تاریخی کہانیاں

انارکلی

کتابیات پبلی کیشنز۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۔ سعید منشن بلموریا اسٹریٹ، آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی

جُملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

پاکستان اور بھارت سے ایک ساتھ شائع ہونے والا مجموعہ

مصوّر: اقبال مہدی
ناشر: کاشف الیاس
بار دوم: ۱۹۸۸ء
قیمت: ۴۰ روپے
مطبوعہ: نیوسف پرنٹرز، فاضل فلیٹس
ناظم آباد نمبر ۴ کراچی نمبر ۱۸

واحد تقسیم کار:

کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۳ کراچی

سومنات کی قوال ۸

ماضی کے سومنات میں عشق کی کارفرمائیاں۔ وہ دیوی بھی تھی اور دو دیوتاؤں کی پرستار بھی۔ اس کا ایک دیوتا آبائی مذہب تھا اور دوسرا دیوتا اس کے مذہب کا دشمن۔ ان دونوں کی کشمکش سے اس پرسوز اور جاں گداز کہانی نے جنم لیا۔

سفید عورت ۵۳

سفید فام تاجروں کا ایک جوڑا لکھنؤ کی حسین اور رومان پرور فضا میں عشق اور کاروبار ایک ساتھ کرتا رہا سفید عورت نے ایرانی نژاد ہندوستانی نواب سے ٹوٹ کے محبت کی اور اپنے طرز عمل سے ایک زمانے پر یہ حقیقت ظاہر کردی کہ عشق اور تجارت ایک ساتھ نہیں چل سکتے ہیں۔ کہانی نہیں مشرق اور مغرب کا ایک معیار دونوں کے اخلاقی اقدار اور قدروقامت کا میزان۔

جاوداں روح ۱۰۱

مزدکیت نے پہلی بار نوشیرواں کے عہد میں ظہور کیا اور اس کے بعد وہ بار بار ظاہر ہوتی رہی۔ بابک خرمی بھی اسی کا ایک نام تھا بنو عباس کے معتصم باللہ کے عہد میں اس نے خروج کیا اور مسلمانوں کو ہلا کے رکھ دیا بابک خرمی کے وہ عجیب وغریب اور لطف ولذت کے حامل عقائد جنہیں وہ بھولے بھالے جذباتی نوجوانوں اور عورتوں کو غلام بنانے کے لئے بطور کمند استعمال کرتا تھا۔ دلچسپ کہانی۔ تاریخ کا ایک حیران کن کرشمہ۔

اندر کا آدمی ۱۵۸

ایک آدمی میں دوسرا آدمی بھی موجود تھا اور یہ دوسرا آدمی اس کے اندر یوں چھپا بیٹھا رہا کہ اسے ذہن اور عقلمند امیر کے قیاس اور گمان بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ انتہا کا بیچارہ تھا مگر اس کے اندر کا آدمی تشدد کا دیوتا۔ ایک ایسی داستان جو ہمیشہ یاد اور یادگار رہے گی۔

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

لوگ کہتے ہیں کہ الیاس سیتاپوری کی کہانیوں میں
ایک نشہ ہوتا ہے اور قاری اُس عہد اور ماحول میں پہنچ جاتا ہے
جس عہد سے متعلق مصنف کی کہانی ہوتی ہے۔ مجموعے کی ہر داستان
ان تاثرات کا زندہ ثبوت ہے۔ ان داستانوں میں تاریخ
اپنی خوبیوں اور خرابیوں کے ساتھ موجود ہے۔

دلکش اور تجسس آمیز لہراتی، بل کھاتی تاریخی کہانیاں

سومنات کی قتالہ

ماضی کے سومنات میں عشق کے شکار فرماشیاں ۔ وہ دیوی کے بھی تھے اور دو دیوتاؤں کے پرستار بھی۔ اس کا ایک دیوتا آبائی مذہب تھا اور دوسرا دیوتا اس کے مذہب کا دشمن۔ ان دونوں کی کشمکش سے اس پرسوز اور جاںگداز کہانی نے جنم لیا

تخت نشینی کے پچیس سال کے اندر ہی محمود غزنوی کی فتوحات کا سلسلہ ہندوستان کے مشرقی حصوں میں کالنجر، ایران کے مغرب میں ہمدان تک، ایشیائے کوچک میں سمرقند تک اور جنوبی حصوں میں کرمان، مکران اور منصورة تک پھیل چکا تھا۔ اس وقت تک محمود پہلا مسلمان حکمراں تھا جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ہندوستان کی متحدہ فوجی قوتوں کو اپنی قلیل فوج سے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ہندوستان میں کالنجر اور گوالیار کی تسخیر کے بعد جب وہ غزنی واپس پہنچا تو اسے اپنے مخبروں سے معلوم ہوا کہ سمندر کے قریب ہندوؤں کی مشہور تیرتھ یاترا سومنات ابھی تک اس کی منتظر ہے۔ ہندوستان کے جن مقدس شہروں اور عبادت گاہوں نے ضربِ محمودی کا مزہ چکھا تھا سومنات والوں کو اس پر کوئی افسوس نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے یہ کہتے تھے کہ اب تک محمود نے جن بتوں کو ڈرایا تھا، سومنات ان سے ناراض تھا اور اس خفگی کی وجہ سے سومنات نے تباہ و برباد ہونے والے ان بتوں کی کوئی مدد نہ کی تھی، ورنہ سومنات کے برہمنوں کے بقول، ان کے سومنات میں اتنی قدرت ضرور موجود تھی کہ وہ ایک پل میں محمود اور اس کے طاقتور لشکر کو تباہ و برباد کر دے۔ سومنات کے پجاری یہ بھی کہتے تھے کہ سومنات دنیا کے تمام بتوں کا بادشاہ ہے اور دوسرے تمام بت یا تو سومنات کے دربان ہیں یا اس کے حاجب اور خدمت گار۔

اس بت کے نام پر اس کے عقیدت مندوں اور پرستاروں نے شہر کا نام بھی سومنات رکھ دیا تھا۔ محمود سومنات کے برہمنوں کی شیخیاں اور تعلّیاں سنتا تو برہم ہو جاتا اور انہیں مزہ چکھانے کے منصوبے بنانے لگتا۔ وہ سومنات کے برہمنوں کا غرور خاک میں ملا دینا چاہتا تھا۔ جب اس نے غزنی اور کاٹھیاواڑ کی درمیانی راہوں کے مسافروں سے معلومات حاصل کیں تو سندھ اور راجپوتانے کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ریگستان کے علم نے کسی حد تک اسے مذبذب کر دیا۔ کیونکہ اسے عبور کیے بغیر سومنات تک پہنچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا لیکن فتح مندی کے نشے میں سرشار اور کامرانیوں کی بارگاہ میں بار بار باریاب ہونے والا محمود

ہمت ہارنا جانتا ہی نہ تھا۔ اس نے اس مہم کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور اپنی ابتدائی کارروائیوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بارہ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان درجن بھر آدمیوں میں مختلف پیشوں اور شعبوں کے ماہرین شامل تھے۔ ان میں کچھ انجنیئر تھے جو سومنات کے قلعے کا جائزہ لے کر کچھ خاص رازوں سے محمود کو مطلع کرتے، کچھ فوجی طاقت کا اندازہ لگانے والے ماہر تھے، کچھ عوام میں گھل مل کر انہیں ورغلانے اور پریشان کرنے کے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ انہی میں علی مردان بھی شامل تھا۔ یہ اٹھائیس تیس سالہ صحت مند نوجوان اپنے

مہرے سے خاص ہندوستانی لگتا تھا۔ متھرا میں بارہ تیرہ سال گزارنے کی وجہ سے یہ سنسکرت دو ہی مقامی زبانوں میں قابلِ رشک عبور رکھتا تھا۔ محمود نے اسے اہالیانِ سومنات مندر کے اندرونی حالات کی تفصیلات فراہم کرنے پر متعین کیا تھا۔ یہ پہلے تو متھرا پہنچا یاں کچھ دن رہ کر کاٹھیاواڑ روانہ ہو گیا۔

چند دنوں بعد وہ ایسے باغات اور کھیتوں کے درمیان سے گزرنے لگا جن کے تھوہر کی باڑیں لگی ہوئی تھیں اور جب وہ انہیں پیچھے چھوڑتا ہوا آبادی میں داخل ہوا نے، اینٹوں اور پتھروں کے مکانات اور کھپریل کی چھتوں کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ سومنات زیادہ دور نہیں ہے۔ مندروں کے سنہرے کلس سے ٹکرانے والی سورج کی شعاعیں ں میں خیرگی پیدا کر رہی تھیں اور مخروطی مندروں میں بے شمار نقش و نگار اور مختلف کی ابھرواں مورتیاں اپنے کاریگروں اور فن کاروں کی عظمت اور کمالِ فن کا دیکھنے کے دل پر نقش بٹھا رہی تھیں۔ علی مردان ان کے حسن میں گم ہو گیا۔ اس نواح میں کا اس کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

دریائے سرستی کے کنارے کھڑے ہوئے ایک عظیم الشان مندر نے اسے بطورِ خاص لیا۔ اس وقت وہ ہندو یاتری کے لباس میں تھا۔ وہ مندر کے دروازے پر رک گیا یک زرد رُو پروہت سے اس کی بابت معلوم کرنے لگا۔ پوچھا "مقدس پروہت! جگہ ہے اور اس مندر سے کیسی عظمتیں وابستہ ہیں؟"

پروہت نے علی مردان کو اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا، جواب دیا۔ "تم شمالی ہند سے آئے ہو۔" پھر اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ "اس جگہ کو تیرتھ کہا جاتا ہے۔ زمانہ گزرا کہ یہیں ایک پیپل کے نیچے سری کرشن جی آرام فرما رہے تھے کہ کسی شکاری نے ان کی ایڑی کو چھید دیا تھا۔ اور پھر تیر کا زہر جب کرشن جی کے پورے جسم میں گیا تو اسی سرستی کے کنارے جہاں آج یہ مندر کھڑا ہے کرشن جی بیکنٹھ کو سدھار گئے۔ یہ مندر ان کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔"

پروہت علی مردان کو دیر تک مندر کی زیارت کراتا رہا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سومنات کی زیارت کو جا رہا ہے تو پروہت نے بہ مزید مہربانی کی کہ سومنات کے بڑے کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ سومنات میں داخل ہوتے ہوتے وہ علی مردان پروہت کے پاس جا پہنچا تھا۔ سومنات کے مہان پروہت نے دلیو نے اس خوب صورت نوجوان کی پذیرائی کی اور مندر ہی کے احاطے میں بنے ہوئے ہزاروں میں سے ایک حجرہ دے

رہنے کے لئے دے دیا۔ سومنات کا مہان پروہت بھیم دیو، نووارد یاتری ست پال سے دیر
تک شمالی ہندوستان کی مقدس تیرتھ گاہوں کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ وہ قنوج اور متھرا
پر محمود غزنوی کی لائی ہوئی مصیبتوں اور بربادیوں کا تفصیلی حال سننا چاہتا تھا۔ علی مردان دل ہی دل میں
لطف لے لے کر لیکن بظاہر غم و اندوہ کے لہجے میں محمود کی تباہ کاریوں کی پُراثر داستانیں سناتا
رہا۔ پروہت بہت متاثر ہوا، بولا۔
"ٹھیک ہے۔ جو کچھ محمود نے کیا، وہ چھوٹے دیوتاؤں اور بتوں کے خلاف کیا ہے
لیکن اگر شامتِ اعمال سے وہ کبھی سومنات کی طرف آنکلا تو سومنات جی اسے اچھی طرح مزا
چکھا دیں گے۔"
علی مردان نے فکر مند لہجے میں جواب دیا۔ "پروہت جی! میرا یہ سفر محض یاترا کی غرض
سے ہرگز نہیں ہوا ہے۔ میں نے وہاں یہ سنا تھا کہ اب محمود کا رخ سومنات کی طرف ہونے
والا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی وہاں سے چل پڑا تاکہ اس خطرے سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے۔"
پروہت نے قہقہہ بلند کیا جس سے علی مردان نے صاف یہ اندازہ لگایا کہ پروہت
قہقہے کے پیچھے محمود کا خوف بھی کارفرما ہے۔ پروہت نے ایک خاص ادا سے کہا۔ "ست پال جی
تم گھبراؤ مت۔ اپنے سومنات جی تو محمود اور اس کی فوج کا انتظار ہی کر رہے ہیں۔ جیسے ہی وہ
قلعے کی فصیلوں کے نیچے آئے گا۔ سومنات جی اسے اپنی عظمت کا سبق سکھا دیں گے۔"
وسیع و عریض مندر کی حدود میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر پھیلی ہوئی تھی جس میں بے شمار
چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ صبح شام جب پوجا پاٹ کے لیے لوگوں کو بلانے کی خاطر
انہیں ہلایا جاتا تو گھنٹیوں کا بھاری بھرکم اور کانوں کو پھاڑ دینے والا شور بلند ہوتا۔ تمام پجاری
اور پروہت پوجا پاٹ کے لئے ایک ہی وقت میں مندر میں داخل ہوتے اور سومنات جی کی
پرستش شروع ہو جاتی۔
یہاں پانچ سو گانے والیاں اور تین سو مرد سازندے ہر وقت گانے بجانے
کے لئے تیار رہتے تھے۔ یاتریوں، پروہتوں اور دوسرے اعلیٰ جاتی ہندوؤں کے
داڑھیوں کو مونڈنے کے لئے ہر وقت تین سو حجام بھی موجود رہتے تھے۔ پروہت بھیم دیو
نے پہلے تو علی مردان کے سر اور داڑھی کے بال منڈوائے اور جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ
ست پال پوری طرح یاتری بن چکا ہے تو اس نے نووارد یاتری سے زیادہ قربت کا اظہار
کرنا شروع کر دیا۔
مندر کے انہی حجروں میں بہت سی دیوداسیاں بھی رہتی تھیں۔ ان میں بعض تو

تھیں جنہیں ان کے والدین نے سومنات جی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مستقلاً مندر کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ ناتمام اور ناقص لباسوں میں کچھ چھپے کچھ کھلے جسم اتنے سڈول، متناسب اور حسن کے شاہکار تھے کہ بڑے بڑے پجاری بھی انہیں حریص نظروں سے دیکھتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ساری دنیا کا حسن سومنات کی حدود میں یکجا ہو چکا ہے اور باقی دنیا کو اس سے محروم کر دیا گیا ہے۔

چھپن مرصّع ستونوں کی اس کشادہ عمارت کے جس حصے میں سومنات کا بُت نصب تھا وہ ایک تاریک حجرہ تھا۔ وہاں قندیلوں میں تیل یا موم کی شمعوں کی جگہ جواہر و الماس جڑ دیئے گئے تھے اور انہی کی جگمگاہٹ سے یہ تاریک حجرہ روشن رہتا تھا۔ جب پہلی بار علی مردان اس حجرے میں داخل ہُوا تو اس کا دل خوف و دہشت سے زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ بہت سے وسوسے اس کا خون خشک کئے دے رہے تھے۔ وہ ہندو نہ ہونے کے سبب، ان کی بہت ساری رسوم سے ناواقف ہو سکتا تھا اور ہر لمحے اس کا امکان تھا کہ وہ مشتبہ قرار پا جائے۔

اس نے دیکھا تقریباً ایک ہزار برہمن سومنات کی پوجا پاٹ میں مشغول ہیں۔ گانے والیاں نہایت سریلی آواز میں بھجن گا رہی ہیں اور سازندوں نے اپنے سازوں کے زیرو بم سے مندر کے ماحول کو طلسمی اور سحر زدہ سا بنا کے رکھ دیا ہے۔ اس نے اس مسحور کن ماحول میں ایک ایسی دوشیزہ کو سومنات کے آگے سربسجود گڑگڑاتے دیکھا جو وہاں کی دوسری عورتوں کے مقابلے میں زیادہ حسین، زیادہ سنجیدہ، زیادہ الگ تھلگ اور زیادہ غمگین نظر آتی تھی۔ وہ جب سومنات کے آگے گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑائی تو اس کی مناجات اور گریے میں بہت زیادہ سوز محسوس ہُوا۔ علی مردان نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے اس کے قریب پہنچ کر سومنات کے روبرو مؤدب کھڑا ہو گیا۔ اس وقت سوگوار اور غمزدہ دوشیزہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی اور ہذیانی انداز میں زور زور سے گڑگڑا رہی تھی۔

"اے میرے چاند کے آقا۔ اے عظیم سومنات! گناہ میرے تعاقب میں ہیں اور میں ان سے بھاگتی ہوں۔ اے سومنات! مجھے حوصلہ دے کہ میں چاندنی کی طرح پاک و صاف رہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ گزشتہ جنم میں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوئے ہیں لیکن میرے دیوتا! یہ جنم تو تیرے سپرد کر دیا گیا ہے۔ تجھے سب معلوم ہے۔ تو نے میرے گناہوں کے پنکھ کاٹ کر مجھے بے بس کر دیا ہے لیکن مجھ پر دیوانگی کا یہ کیسا دورہ پڑتا ہے۔ میرا شباب مجھ سے چھین لے۔ میرے خون میں سردی گھول دے اور میرے جسم کو بدنما بنا دے۔ شباب کا رس جو میرے جسم میں خون کے ساتھ دوڑ رہا ہے اسے زائل کر دے۔ جب میں تیری امیا پر اس کے لئے نہیں پیدا کی گئی

ہوں تو تو نے مجھے ان احساسات و جذبات سے کیوں نوازا ہے۔ تنہا رہنے کے لئے کیا گیا ہے تو تنہائی کا احساس بھی چھین لے۔ میرے بدن میں شامل وِش (زہر) میرے جذ... کا قاتل ہے۔ میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔ مجھ پر رحم کر سومنات! مجھے اتنی بڑی آزما... نہ ڈال۔ میرے وِش کو چوس کر مجھے بے ضرر عورت بنا دے یا پھر میرے دل و دماغ میں... پیدا کرنے والے محرکات فنا کر دے۔ میں صرف تیری رہنا چاہتی ہوں۔"

علی مردان نے دیکھا، لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ سر اٹھانے پر اس کی... علی مردان سے چار ہوئی۔ وہ اس کے قریب ہو گیا اور ہمت کر کے پوچھ لیا۔ "کیا میں تم... کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ کیا تم اپنے دکھ بتانا گوارا کرو گی؟"

لڑکی نے مغائرانہ، اجنبیوں کی طرح علی مردان کو دیکھا اور کوئی جواب دیے بغ... سے باہر جانے لگی۔

علی مردان ہمت کر کے آگے بڑھا اور تقریباً راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، پوچھا۔ "کی... میری بات نہیں سنی؟ میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔"

لڑکی نے لاپروائی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"

علی مردان نے جواب دیا۔ "میں کرشن جی کی جنم بھومی متھرا سے سومنات کی یا... ہوں۔ میرا نام ست پال ہے۔ تم بہت زیادہ دکھی نظر آتی ہو۔ اگر تمہارا دکھ میں کسی طرح... سکوں تو حاضر ہوں۔ کسی تکلف کے بغیر بتا دو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا اس میں کوتاہی نہیں کر...

لڑکی نے علی مردان کو ایسی نظروں سے دیکھا گویا وہ اس کی پیش کش اور ہمدردا... کو فضول سمجھ رہی ہے، بولی۔ "تم ابھی مجھ سے واقف نہیں ہو، میری راہ چھوڑ دو اور سو... جی کی یاترا کر کے گھر واپس جاؤ۔ میرے دکھ کا علاج تمہارے بس کا نہیں ہے۔"

علی مردان کچھ کہنے ہی کو تھا کہ سامنے، کچھ دور سے سومنات کا مہان پروہت... آتا دکھائی دیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا بے چینی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کی دھوتی کا کا... پر پڑا ہوا پلو تیز روی کی ہوا سے لہرا رہا تھا۔ اس نے قریب آتے آتے علی مردان کو آوا... دوست پال! چند لمحے ٹھہر نا تو!"

علی مردان نے بھیم دیو کو خوفزدہ نظروں سے دیکھا، اور اسے ایسا محسوس ہو... اس کی پنڈلیوں کی قوت رخصت ہو چکی ہے اور بے حس اور سن پیر حرکت کرنے کی قوت... محروم ہو چکے ہیں۔

بھیم دیو سے نظریں چرا کر اس نے ایک بار پھر لڑکی پر نظر ڈالی لیکن اب وہا...

بھی نہ تھا۔ لڑکی جا چکی تھی۔ اس کی جگہ خلا اور خلا کے اس پار مندر کی دیوار پر اُبھرواں مورتی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ برہما جس کے چار منہ تھے، جو نیلوفر کے پھول میں کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں گھڑا تھا۔

بھیم دیو نے اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔ "چندراوتی سے بات کر رہے تھے؟"

علی مردان لڑکی کے نام سے واقف نہیں تھا، بولا۔ "میں اس کا نام نہیں جانتا۔ شاید چندراوتی ہی ہو وہ لڑکی۔"

بھیم دیو نے نصیحت کی۔ "تم یاتری ہو۔ تمہیں یہاں کی ناریوں سے دل نہیں لگانا چاہیئے اور خاص کر چندراوتی سے تو بالکل نہیں۔ چندراوتی ناگن ہے جو اپنے چاہنے والوں کو ڈس لیا کرتی ہے۔ اس کے حسن پر مت جاؤ۔ اس کے قریب [illegible]نے والے وش (زہر) سے ڈرو۔"

علی مردان شرمندہ تھا اس لیے بھیم دیو کی پہیلیوں اور چیستانی باتوں کا مفہوم بھی دریافت نہ کر سکا لیکن جب وہ بھیم دیو سے الگ ہو کر مندر سے باہر نکلا تو اس نے کئی پجاریوں کو افسوس کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ پجاری بھی علی مردان اور چندراوتی کو باتیں کرتے دیکھ چکے تھے۔ وہ آپس میں جو باتیں کر رہے تھے ان کا مفہوم بھی وہی تھا جو بھیم دیو کی باتوں میں موجود تھا۔ حسین چندراوتی اس کے لئے معمہ بن گئی، اس کی متجسس طبیعت کو چین نہیں آیا۔

اس بات کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ وہ پراسرار اور حسین چندراوتی کی تلاش میں کئی بار سومنات کے روبرو حاضری دے چکا تھا، لیکن وہ دوبارہ نہیں دکھائی دی تھی۔ اس نے دیوداسیوں اور خوش الحان گانے والیوں کے آس پاس کے بھی چکر لگائے لیکن وہاں بھی چندراوتی کا چاند جیسا روشن اور بیوہ جیسا سوگوار چہرہ نظر نہ آیا۔

سونے کی زنجیر میں لٹکی ہوئی گھنٹیوں کے شور سے مندر اور اس کے آس پاس کی فضا میں بھونچال سا آیا ہوا تھا۔ علی مردان اپنے حجرے کے کھلے ہوئے دروازے میں سے پجاریوں کے سمندر کو مندر کی سمت جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ان پجاریوں میں مختصر ساریوں میں ملبوس دیوداسیوں اور رقص و موسیقی کے لباسوں میں ڈھنپی ہوئی رقاصائیں اور مغنیائیں بھی پریوں کی طرح اُڑی چلی جا رہی تھیں۔ اُسے حسن اور نزاکت کے ان مہ پاروں کو دیکھ کر کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس نور کی طرح بہتے ہوئے حسن کا جواب شاید کہیں اور نہ مل سکے۔ اور غزنی میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

اس ہجوم میں اس نے چندراوتی کو بھیم دیو کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ اسے دیکھ
ہی وہ حجرے سے باہر آگیا۔ اور گردن جھکا کے آہستہ آہستہ ان دونوں کے پیچھے چلنے لگا۔ بھی
کھڑاؤں پہنے کھٹ کھٹ کرتا چندراوتی سے باتیں کرتا چلا جا رہا تھا۔ چندراوتی ننگے پاؤں تھی۔ با
طرف دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا اور سبزے پر جگہ جگہ گیندے، گلاب، جوہی اور تواڑ کے پھو
کھلے ہوئے تھے۔ انہی میں مقدس تلسی بھی موجود تھی۔ چلتے چلتے یکایک چندراوتی "سی" کر
بیٹھ گئی اور پاؤں کی ایڑی ٹٹولنے لگی۔

بھیم دیو نے جھک کر پوچھا "کیا ہوا چندراوتی؟ کیا کانٹا چبھ گیا؟"

چندراوتی نے انگلیوں کے ناخونوں سے ایڑی میں چبھے ہوئے کانٹے کو کریدتے
ہوئے جواب دیا۔ "ہاں وشال (مقدس) پروہت جی!"

اچانک ان دونوں کی نظریں علی مردان پر پڑ گئیں۔ بھیم دیو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا
تو تم بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہے ہو؟" پھر اس نے حکم دیا "ذرا چندراوتی کا کانٹا تو نکالنا

علی مردان زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور ناخونوں کی مدد سے کانٹے کو باہر نکال لیا۔ ا
کے ننھے سے سوراخ سے خون نکل کر بوند کی شکل میں جمع ہو گیا تھا۔ چندراوتی نے اپنی ا
کئی بار زمین پر رگڑا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔

بھیم دیو نے دونوں کا تعارف کرایا۔ چندراوتی سے کہنے لگا "چندراوتی! یہ ست
ہے جو متھرا سے سومنات جی کی یاترا کو یہاں آیا ہوا ہے۔" پھر چندراوتی کی طرف اشارہ
ہوا علی مردان سے کہنے لگا۔ "اور یہ چندراوتی ہے۔ دیوتاؤں کی حفاظت کے لئے اس کا وج
اور دشمنوں کے لئے زہر ہلاہل ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو نئے دوستوں کی طرح دیکھا۔ چندراوتی کے ہونٹوں پر مسکرا
بکھر گئی لیکن اس مسکراہٹ میں بھی یاسیت کا سوز شامل تھا۔ جواب میں علی مردان بھی ہنس دیا
اس ہنسی میں اشتیاق اور کچھ جاننے کا جذبہ پایا جاتا تھا۔

سومنات کے سامنے پجاریوں کے اجتماع میں علی مردان اور چندراوتی کا وجود
قطرے کی طرح نظر آتا تھا۔ بھیم دیو انہیں چھوڑ کر سومنات کے قریب چلا گیا۔ وہاں زور زور
اشلوک پڑھے جا رہے تھے۔ کسی کسی لمحے گھنٹی کا شور بھی بلند ہو جاتا۔ چندراوتی اور علی مردان
قریب دوزانو بیٹھے اشلوک سن رہے تھے۔ کسی کسی لمحے دونوں کنکھیوں سے ایک دوسرے
لیتے۔ ایک بار جب چندراوتی سجدے میں جا رہی تھی، اس کا ہاتھ علی مردان سے ٹکرا گیا۔
نے معذرت کی تو علی مردان نے جواب دیا۔ "معذرت کی کوئی ضرورت نہیں چندراوتی! مجھ

دیر باتیں کرنے کا موقع دو۔"

چندراوتی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔" وشال پروہت نے تمہارا کیا نام بتایا تھا؟"

"ست پال!" علی مردان نے جواب دیا۔

"ست پال جی!" چندراوتی بولی۔" تم یاتری ہو، یاترا کر کے اپنے گھر واپس جاؤ۔ مجھ دکھیا کو مت کریدو۔ مجھ میں اگنی دبی ہوئی ہے۔ تم مجھ سے ہمدردی کرو گے تو میرے اندر کی اگنی تمہیں جلا کر بھسم کر دے گی۔ خود کو یہیں روک دو، آگے مت بڑھو۔"

علی مردان نے جواب دیا۔" اگر کسی غمزدہ عورت کی ہمدردی میں مجھے کچھ نقصان بھی اٹھانا پڑے گا تو مجھے اس کا کوئی دکھ نہ ہوگا۔ تم مجھے بہت دکھی دکھائی دیتی ہو۔ مجھے اپنے غم میں شریک کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہو۔ تم مجھ سے اتنی بیگانگی کی بات نہ کرو۔"

چندراوتی نے دکھ سے کہا۔" دل کا بوجھ کسی طرح بھی ہلکا نہیں ہو سکتا۔ یوں تم مجھ سے مل سکتے ہو۔"

چندراوتی کے مثبت رویے نے علی مردان کی ہمت افزائی کی۔ اس نے چندراوتی سے اس کا پتہ معلوم کیا۔ اسے حیرت تھی کہ چندراوتی تو اس کے قریب ہی رہتی تھی اور وہ اسے دور دور تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے چندراوتی سے وعدہ کیا کہ وہ رات کو اس سے ضرور ملے گا مگر وہ اس رات نہ جا سکا۔ پھر اگلی رات بھی۔ وہ یہ راتیں جاگ کر گزارتا رہا اور اس کے اعصاب پر چندراوتی مسلط ہوتی گئی۔ آخر تیسری رات اس نے ہمت کی اور اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا کر لیا کہ وہ کھل کر چندراوتی سے اپنے دل کی بنیا بیوں کا اظہار کر سکے۔

اسی رات حجرے کا دروازہ بند کر کے اس نے محمود غزنوی کے لئے تفصیلی روداد مرتب کی۔ یہ روداد بڑی دلچسپ تھی۔ اس نے لکھا تھا:

"سومنات کے لوگ اپنے حال میں مگن اور اپنے بت سومنات جی کی ماورائی طاقت پر گہرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ پوری دنیا کے بتوں میں سومنات سب کا آقا ہے اور تمام مذاہب ان کے مذہب سے کمتر ہیں۔ سومنات کے بتے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے ایک دلچسپ اور خیالی حکایت ترتیب پاتی ہے اور کچھ بے سروپا اور شرمناک کہانیوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ چاند کی شادی پرجاپتی (برہما) کی بیٹیوں سے ہوئی تھی۔ چاند ان میں سے روہنی نامی بیوی کو زیادہ چاہتا تھا۔ برہما کی خواہش تھی کہ چاند اپنی سبھی بیویوں سے یکساں محبت رکھے لیکن چاند، برہما کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ اس پر برہما نے چاند کو بددعا دی اور نتیجے میں

کوڑھی ہو گیا۔ چاند نے توبہ استغفار کا سہارا لیا لیکن مجبوری یہ تھی کہ برہما کی بددعا کا کوئی علاج ممکن ہی نہ تھا۔ برہما چاند کی توبہ سے متاثر ہوا اور اس سے وعدہ کر لیا کہ وہ چاند کو پندرہ دن تک روپوش کر دیا کریں گے۔ اس طرح چاند کی ذلت اور مکروہ چہرے پر مہینے میں پندرہ دن پردہ پڑا رہے گا۔ اس کے بعد برہما نے چاند کو حکم دیا کہ وہ اپنے گناہ کے کفارے میں مہادیو کے لنگ کی شبیہہ تیار کرے۔ چاند نے برہما کے حکم پر مہادیو کا لنگ تیار کر کے مندر میں نصب کرا دیا۔ مہادیو کے اسی لنگ کو لوگ سومنات کہتے ہیں۔ یہاں کی زبان میں سوم چاند کو اور ناتھ آقا یا مالک کو کہتے ہیں جس کا مطلب ہوا چاند کا آقا۔ مہادیو کا یہ لنگ تقریباً پانچ گز لمبا ہے۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز زمین کے اوپر۔ پورے مندر میں جواہر اور الماس کا ایک ذخیرہ ہے جو ادھر ادھر قندیلوں، دیواروں اور مورتیوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سونے کی زنجیر اتنی لمبی ہے کہ اس نے مندر کی پوری عمارت کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ اس کا وزن دو سو من بتایا جاتا ہے اور اس میں لٹکی ہوئی گھنٹیاں بھی سونے کی ہیں جن کے وزن کا کسی کو کوئی علم نہیں۔

سومنات کے علاوہ مندر میں بے شمار چھوٹے بڑے اور بت بھی ہیں اور یہ سبھی سونے چاندی کے ہیں۔

سومنات کے لوگ سلطان سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اگر سلطان سومنات تک تشریف لائیں گے تو سومنات جی انہیں ان کے لشکر سمیت تباہ و برباد کر دیں گے۔

علی مردان کو یہ تفصیلات کسی بھی ذریعے سے غزنی بھیجنا تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ اس جیسے کچھ اور لوگ بھی سومنات میں مختلف جگہ موجود ہیں۔ اب اسے اپنے ساتھیوں کی تلاش تھی۔

اس کے بعد وہ چندراوتی سے ملنے چلا گیا۔ مندر کے احاطے میں جگہ جگہ شمعیں روشن تھیں، چاند غائب تھا اور ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور مریخ کے محل وقوع سے اندازہ لگایا کہ شام کو رخصت اور رات کو آئے ہوئے چار ساعتیں گزر چکی ہیں۔ چندراوتی کے پاس رات کے اس حصے میں جاتے ہوئے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچتا کہ کہیں چندراوتی سو نہ گئی ہو۔ پھر یہ وسوسہ پیدا ہوتا کہ اتنی رات گئے آمد کہیں چندراوتی کے نازک دل پر گراں نہ گزرے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ چندراوتی کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے اور جو لوگ بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں وہ اس ناوقت آمد کو شاید پسند نہ کریں۔ ان الجھنوں اور فکروں میں گھرا ہوا جب وہ چندراوتی کے دروازے پر پہنچا تو تلسی کے درختوں سے پھوٹنے والی بھینی بھینی خوشبو نے دل و دماغ میں تازگی پیدا کر دی۔ اس خوشبو میں ہلکی سی صندل کی خوشبو بھی شامل تھی۔ شیشم کے دروازے کی جھری سے، اندر جلنے والے چراغ کی روشنی پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی تھی۔ اس نے چوروں کی

انداز میں اندر جھانک کر دیکھا، وہاں ننگے فرش پر کوئی لیٹا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی کوئی بیٹھا ہوا انہماک سے لیٹے ہوئے شخص کو دیکھ رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کا داہنا ہاتھ اٹھا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔ لیٹا ہوا شخص جب اٹھ کر بیٹھ گیا تو علی مردان نے پہچان لیا۔ یہ چندراوتی تھی۔ وہ دروازے پر نظریں جمائے مزید دستک کی منتظر تھی۔ علی مردان نے آہستہ سے پھر دستک دی۔ تو چندراوتی اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے علی مردان کو کھڑا دیکھ کر کچھ حیران سی رہ گئی۔ ذرا دیر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی، پھر اداس ہنسی ہنس کر بولی: "تم نہیں مانے، آخر تم آگئے۔ حالانکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آجاؤ گے۔"

علی مردان نے دھیرے سے جواب دیا۔ "چندراوتی! تم اگر مجھے نرکھ سے بھی آواز دو گی تو بھاگ کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔ تم یقیناً کوئی جادوگر ہو۔ تم نے ایک ہی وار میں میرا کام تمام کر دیا ہے۔"

چندراوتی کھلکھلا کر ہنس دی، بولی: "ابھی ملاقات کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا اور تم مجھے نرکھ بھیجنے لگے۔"

علی مردان شرمندہ سا ہو گیا۔ موضوع بدل کر بولا۔ "یہ اندر کون ہے؟"

چندراوتی نے مڑ کر اندر موجود شخص کی طرف دیکھا اور لاپروائی سے جواب دیا "تمہارا ہی جیسا میرا ایک ہمدرد جو خود کو میرا سیوک، پجاری اور معلوم نہیں کیا کیا کہتا ہے۔"

علی مردان کی جان میں جان آئی، بولا۔ "میں غلط وقت پر تو نہیں آیا؟"

چندراوتی نے شوخی سے جواب دیا۔ "یہاں وقت کو غلط اور صحیح میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ جب بھی میں اندر موجود ملوں، تم آجاؤ وہ صحیح وقت ہو گا۔" پھر واپس ہوتی ہوئی بولی، "اندر آجاؤ۔"

علی مردان حجرے میں داخل ہو گیا۔ حجرے میں موجود شخص ایک لمحے کے لئے علی مردان کی طرف مڑا اور علی مردان نے اسے رواروی میں اور اس نے علی مردان کو گہری نظروں سے دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں علی مردان نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کے سامنے کوئی زرد رو مردہ بیٹھا ہے۔ اجنبی نے اپنے چہرے کو دھوتی میں چھپا لیا۔ حجرے میں ایک ہی سیتل پاٹی تھی جس پر اجنبی بیٹھا تھا۔ چندراوتی نے علی مردان کو اسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ست پال جی! تم بھی اسی پر بیٹھ جاؤ۔"

ابھی علی مردان بیٹھا بھی نہ تھا کہ زرد رو اجنبی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی نحیف آواز میں بولا۔ "اچھا تو میں چلتا ہوں چندراوتی، پھر کبھی آؤں گا۔"

علی مردان کو ایسا لگا جیسے وہ اس آواز سے متعارف ہے۔ اس نے اجنبی کو غور سے دیکھنا چاہا لیکن دھوتی کی اوٹ اور دیے کی کمزور روشنی کی وجہ سے وہ اسے اچھی طرح دیکھ نہ سکا۔

چندراوتی اسے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ جب وہ چلا گیا تو چندراوتی نے حجرے کو اندر سے بند کر لیا اور علی مردان کے روبرو آ کر بیٹھ گئی۔ مسکراتی ہوئی بولی "ست پال جی! میرے انداز و اطوار سے تو تم یہی سمجھنے پر مجبور ہو گے کہ شاید میں کوئی ویشیا (طوائف) ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔" پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئی، بولی۔ "ویشیا بھی مجھ سے اچھی ہو گی، کم از کم اسے خود پر اختیار اور بے ضرر ہونے کا اعتبار تو ہو گا۔"

علی مردان ابھی تک اجنبی ہی کی بابت سوچ رہا تھا، بولا "یہ اجنبی کون تھا چندراوتی؟"

چندراوتی نے رکھائی سے جواب دیا۔ "تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔ تم تو وہ باتیں کرو جس کے لیے تم آئے ہو۔"

علی مردان خفیف ہو گیا اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس قسم کی باتیں کرے۔ پھر چندراوتی ہی نے گفتگو کا آغاز کیا۔ بولی "ست پال جی! تم سومنات جی کی یاترا کو آئے ہو، تمہارا ایک کنبہ ہو گا، ماں، ہو گی، بھائی بہن ہوں گے اور شاید بیوی بھی ——"

[illegible] نے [illegible]ت کاٹ دی، بولا "ابھی میں نے بیاہ نہیں کیا۔"

[illegible] نے کہا [illegible] [illegible]ہ نہ کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہو گے۔"

[illegible] نے کہا [illegible] ایسی بات جی نہیں، لیکن ابھی کچھ دن یاتراؤں میں گزارنے ہیں۔ اس کے بعد گرہست کی زندگی گزارنے پر غور کروں گا۔"

چندراوتی پلک جھپکائے بغیر اس کی صورت دیکھنے لگی۔ علی مردان نے بھی اسے اچھی طرح دیکھا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس مجسمۂ حسن و شباب کو اب تک کسی نے چھوا تک نہ ہو۔ چہرے پر سرخی ایسی جیسے تازہ دہکتے ہوئے دو انگارے، شباب میں زور آوری ایسی بلا کی جیسے سرکش منہ زور جانور خود اپنے قابو میں نہ ہو۔ سیاہ زلفوں میں چمکتا ہوا چہرہ مست و پرکیف کالے بادلوں میں سے جھانکتے ہوئے چاند کی طرح دہر دہر کر رہا تھا۔ ساری شانے سے سرک کر آگے ڈھیر ہو گئی تھی اور تنگ و چست چولی میں شکنیں سی پڑ گئی تھیں۔ ٹھوڑی کے نیچے شفاف گردن اور گردن کے نیچے ہنسلی کی ہڈیاں آنکڑے کی طرح نمودار ہو کر شانوں کے پیچھے کہیں روپوش ہو گئی تھیں۔ دونوں ہاتھ، انگلیوں سے بازوؤں تک اتنے سڈول اور خوبصورت تھے کہ بس انھیں دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ لمبوتری ہتھیلی میں سے لمبی لمبی مخروطی انگلیاں یوں نمودار ہوتی تھیں جیسے کسی شاداب اور چکنی ناگ پھنی میں سے پانچ ننھی منی خوبصورت شاخیں پھوٹ

نکلی ہوں۔ علی مردان اس سراپا کیف وسرور میں گم ہوگیا۔ شوخ اور چنچل چندراوتی اندر چھپی ہوئی یاسیت اور محرومیت کے باوجود علی مردان کے انہماک سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس نے علی مردان کا انہماک توڑ دیا۔ ”تم کہاں کھو گئے؟ تم تو کچھ باتیں کرنے آئے تھے۔ رات اور زیادہ بھیگ جائے گی۔ اور اگر ایسے میں وشال پروہت کا بلاوا آگیا تو میں خود ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

اس آواز سے علی مردان یکایک ہوش میں آگیا۔ بے اختیارانہ کہنے لگا۔ ”چندراوتی! تم کہو گی کہ یہ کیسا پاگل ہے جو دو ایک ملاقاتوں ہی میں اس قسم کی نازیبا باتیں کرنے لگا ہے، لیکن میں مجبور ہوں۔ سچ بات تو یہ ہے چندراوتی کہ جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے، ہوش و حواس گم ہوگئے ہیں، تمہارے حسن اور شباب کا نشہ رگ رگ میں اتر چکا ہے اور یہ جانے بغیر کہ تم کون ہو، کیا ہو، تمہیں چاہنے کا مجھے حق بھی پہنچتا ہے کہ نہیں، میں نے تم سے انتہائی توقعات وابستہ کرلی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اس والہانہ اظہار کے بعد میرے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہوگا۔ اگر عشق اسی کیفیت کا نام ہے کہ انسان اپنے مطلوب پر نفع نقصان سوچے بغیر سب کچھ نچھاور کردے تو میں اس بات کا برملا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تم سے وہ ہوگیا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چندراوتی، میں نے اس طوفان کو روکنے کی بہت کوشش کی، مگر۔۔۔۔۔۔“

چندراوتی بغور، انہماک سے علی مردان کی بات سنتی رہی۔ ان طویل مکالموں کا اس کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ اس نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔ ”تم مرد لوگ جب کسی سے قریب ہونا چاہتے ہو تو یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے کہ تم نے جسے پسند کیا ہے وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے کہ نہیں۔ تم لوگوں کے لیے تو شاید اتنی ہی بات کافی ہوتی ہے کہ تم خود اپنے مطلوب کو بے پناہ چاہنے لگے ہو۔“ پھر دھیرے سے بولی۔ ”تم لوگوں نے اگر مجھے زیادہ پریشان کیا تو میں خود کہیں روپوش ہوجاؤں گی اور پھر کسی کو اپنی منحوس صورت تک نہ دکھاؤں گی۔“

اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنکھیں پہلے ہی خشک ہو رہی تھیں، اب اور زیادہ ویران نظر آنے لگیں۔ علی مردان پشیمان ہوگیا کہ اس نے ناحق چندراوتی سے اس قسم کی باتیں کر ڈالیں۔ معذرت کرتا ہوا بولا۔ ”اگر میں واقعی غلطی اور بے احتیاطی سے کچھ زیادہ دور نکل گیا ہوں تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔“

پھر افسوس کی نظروں سے چندراوتی کو دیکھنے لگا۔

چندراوتی نے غضب کردیا۔ علی مردان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی ہتھیلی دیکھنے لگی۔ بولی۔ ”میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تمہارا دل دکھاؤں۔ میں تو ان لوگوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کررہی تھی

جو خواہ مخواہ مجھے چاہنے لگے ہیں، میں ان سب سے کیسے محبت کر سکتی ہوں۔" یہ کہتے کہتے وہ جیسے ایک بار پھر بہکنے لگی، وہ کہتی رہی "اور ان سب پر ہی کیا موقوف ہے میں کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتی، میں مجبور ہوں، بالکل مجبور، ست پال جی! میری طرف دیکھو، میں اتنی بدنصیب ہوں کہ میں جس سے محبت کروں گی اس کو آہستہ آہستہ ڈس کر ٹھکانے لگا دوں گی۔"

علی مردان نے عاجز آکر پوچھا۔ "تم یہ بار بار کیا کہتی رہتی ہو؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا!"

چندراوتی نے جواب دیا۔ "میں ایک ناگن ہوں۔ مجھ میں زہر بھرا ہوا ہے۔ تمہیں بس اتنی ہی بات یاد رکھنی چاہیے۔"

وہ برابر علی مردان کے ہاتھ سہلائے جا رہی تھی اور اُسے سچ مچ یہی محسوس ہونے لگا جیسے اس پر نشہ چڑھتا جا رہا ہو۔ وہ مدہوش ہونے لگا۔ اس نے بے اختیاری سے چندراوتی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی ہتھیلی، انگلیوں اور ہاتھ کی پشت کو والہانہ چومنے لگا۔ چندراوتی کسی تامل اور گریز کے بغیر ساکت و جامد بیٹھی رہی لیکن جب علی مردان نے اس کو آغوش میں گرا لینے اور اس کے لب و رخسار چومنے کی جسارت کرنا چاہی تو چندراوتی تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی، بولی۔ "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا تم مرنا چاہتے ہو؟ میرے ہونٹوں میں زہر ہے، میرے منہ کا لعاب زہر ہلاہل ہے۔ تم انہیں چومتے ہی زہر کی ہتھیلی اپنے ہونٹوں سے لگا لینے کی غلطی کر بیٹھو گے۔"

علی مردان سہم کر پیچھے ہٹ گیا اور چندراوتی ساری کا آنچل سر پر ڈال کر ذرا دور ہٹ گئی۔

اس رات کے بعد چندراوتی سے علی مردان کی کئی بار سنگ مرمر کے مندر میں سومنات کے روبرو، چلتے پھرتے، احاطے کی راہوں میں، دونوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتے۔ پھر علی مردان چندراوتی سے باقاعدہ ملاقاتیں کرنے لگا۔ لیکن چندراوتی ہمیشہ سرد مہری سے پیش آتی۔ یہاں علی مردان جس مقصد سے آیا تھا وہ پس پشت چلا گیا۔ اس کی جگہ چندراوتی لائق پرستش مورتی کی طرح خواب و خیال میں رچ بس گئی۔ سومنات کا جائزہ لکھا ہوا تیار تھا لیکن بھیجنے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کی تلاش میں سومنات کے قلعے کے اس حصے میں گیا۔ جہاں چند مہندسوں (انجینئروں) کی نگرانی میں کچھ تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ قلعے کے جنوبی حصے میں، بڑے پھاٹک کی اوپری فصیل کا متصل حصہ ہاتھیوں کو اوپر لے جانے کے لئے مٹی کے ڈھیر سے پاٹ کر بتدریج اونچا کیا جا رہا تھا۔ وہاں بہت سے مزدور کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ علی مردان ان کے قریب جا کر، ان میں اپنی شناسا شکلوں کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ دھوپ میں دو گھنٹے گزارنے کے بعد بھی اسے مایوس واپس آنا پڑا۔

واپسی پر کئی رتھ اس کے پاس سے لڑکھڑاتے ہوئے گزر گئے۔ ایک جگہ چھوٹے سے
...کے پہلو میں، ایک گھنیرے پیپل کے سائے تلے کچھ لوگ بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے، عام
سے ہٹ کر سبزے پر ایک خالی رتھ کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ رتھ کے قریب سے گز...را تھا
نے اسے آواز دی۔ اس نے مڑ کر پیپل تلے دیکھا تو چندراوتی ہاتھ ہلا ہلا کر اسے بلا رہی
۔ وہ چندراوتی کے پاس چلا گیا۔ چندراوتی کھڑی ہو گئی اور اپنے ساتھی مرد کا علی مردان سے
...رف کرایا، بولی۔

"رتن سین، ان سے ملو۔ یہ ست پال جی ہیں۔ متھرا سے سومنات کی یاترا کو آئے ہیں۔"
علی مردان سے کہنے لگی۔ "اور ست پال جی! یہ ہیں رتن سین، سومنات کی سینا (فوج) کے ایک افسر۔
انہیں بہت پسند کرتی ہوں، یہ بھی مجھے چاہتے ہیں اور میں ان کا کوئی حکم نہیں ٹال سکتی۔"

اس تعارف سے علی مردان کو دکھ پہنچا اور رتن سین سے رقابت محسوس کرنے لگا۔

تعارف کے بعد چندراوتی بیٹھ گئی، علی مردان بھی سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ
...لی رنگ کا رتن سین اسے گہری نظروں سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور تعارف کے علاوہ بھی
جاننے کا خواہشمند ہے۔

چندراوتی کچھ پس و پیش اور سکوت کے بعد بولی۔ "ست پال جی! تم متھرا سے آئے ہو۔
...ینا متھرا اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کے چہرے مہرے اور طور طریق سے اچھی طرح
...ت ہو گے۔ رتن سین جی کو معلوم ہوا ہے کہ سومنات میں کچھ لوگ غزنی کے محمود کے جاسوس کی
...بت سے کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کن حلیوں میں یہاں آئے ہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس سلسلے میں رتن سین
...سے کچھ کام لینا چاہتے ہیں۔ ہمیں محمود کے جاسوسوں کو پہچاننا ہے۔ کل سے اس مہم کا آغاز ہو گا۔
چاہتی ہوں کہ تم بھی میرا ساتھ دو۔"

علی مردان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے شبہ گزرا کہ شاید وہ خود بھی پہچانا جا چکا ہے۔
چندراوتی جو کچھ کہہ رہی ہے طنزاً اور چھیڑ کی خاطر کہہ رہی ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ چندراوتی
...جواب دے۔ پھر بھی ہمت سے کام لے کر جواب دیا، بولا "لیکن انہیں پہچانا کس طرح جائے
ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی زبان سے تو یہ کہنے سے رہا کہ میں محمود کا جاسوس ہوں۔"

چندراوتی ہنس دی، کہنے لگی۔ "پورے سومنات میں مسلمان جاسوسوں کو پہچاننا نہایت
...ن بات ہے، اتنی آسان کہ اس سے زیادہ دوسری کوئی بات بھی نہیں ہو سکتی۔"

"مثلاً؟ یعنی؟" علی مردان چندراوتی کی صورت دیکھنے لگا۔

جواب میں چندراوتی کے بجائے رتن سین بولا "وہ پہچان چندراوتی نہیں بتا سکتیں، میں

بتاتا ہوں۔" اس کے بعد اس نے چندراوتی کی طرف دیکھا جس نے غالباً شرم سے سر جھکا لیا تھا رتن سین کہتا رہا۔ "کسی بھی شخص کو نیچے سے برہنہ کرکے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان۔"

علی مردان چکرا گیا۔ اس نے یقین کر لیا کہ اب وہ گرفتار ہونے سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ پھر بھی سنبھلا اور جی کڑا کرکے چندراوتی سے کہنے لگا۔ "چندراوتی! میں متھرا سے آیا ہوں، تم نے ابھی جو کچھ کہا ہے اس کا ذرا سا بھی اشارہ میری طرف ہے تو میں خود کو پچھوانے کے لیے آمادہ ہوں۔ رتن سین بشوق میرا لباس اتار کر اپنے شبہے کی تصدیق کر سکتے ہیں۔"

چندراوتی نے دردمند آواز میں کہا۔ "تم بھی بڑے نازک مزاج ہو دوست پال جی! ہم لوگ اعتماد کرتے ہیں، اور یہ اعتماد ہی تو تھا جس کی وجہ سے تمہیں اتنی بڑی راز کی بات بتا دی گئی۔"

رتن سین بولا۔ "دوست! چندراوتی تمہیں بے حد شریف اور معقول آدمی سمجھتی ہے بس تم پر شبہ بھی کروں تو چندراوتی ناراض ہو جائے گی اور ہم میں سے کوئی بھی شخص کم از کم چند کو ناراض نہیں کر سکتا۔"

یہیں باتوں باتوں میں رتن سین نے یہ بتایا کہ غزنی کا محمود عنقریب اپنے خونخوار لشکر کے ساتھ سومنات آنے والا ہے۔ رتن سین نے شیخی میں یہ بھی کہا کہ غزنی کے بادشاہ کو آنے دو۔ سومنات جی اسے ایسا مزہ چکھائیں گے کہ مسلمان رہتی دنیا تک نہ بھولیں گے۔" پھر چندر سے کہنے لگا۔ "چندراوتی دیوی! سلطان کو اصل مزا تو تم چکھاؤ گی۔"

"ہاں، بالکل!" چندراوتی نے جواب دیا "مسلمانوں کا بادشاہ مجھ سے بچ کر نہ جا سکتا۔" پھر وہ ایک دم اداس ہو گئی، ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "اور شاید میری زندگی کا آخری دن بھی وہی ہوگا۔ ایک طرف مسلمانوں کا بادشاہ دم توڑ رہا ہوگا، دوسری طرف میں۔ میرے ... کا پنچھی اڑنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔"

یہ ساری باتیں سن سن کر علی مردان پریشان ہو رہا تھا۔ آخر یہ چندراوتی ہے کیا؟ کا راز کیا ہے؟ یہ سلطان کو کس طرح ہلاک کرے گی؟ چندراوتی کی ایک ایک بات اسے پریشان کر رہی تھی۔

رتن سین، علی مردان سے محمود کی ان تباہ کاریوں کی داستان سنتا رہا جو متھرا اور اس کے نواح میں پیش آئی تھیں۔ جب علی مردان نے رتن سین کو بتایا کہ اب وہ عنقریب متھرا جانے والا ہے تو رتن سین نے اس سے خواہش کی کہ وہ ابھی یہیں رہے کیونکہ غزنی کا بادشاہ سومنات آنے والا ہے۔ سومنات کے عتاب اور چندراوتی کے انتقام سے اس کا کام تمام ہو

دیکھ کر وہ متھرا واپس جاتے!

علی مردان نے ٹھہرنے کا وعدہ کر لیا۔

اسی رات چندراوتی تنہا اس کے حجرے میں آئی اور اس سے گداز کی باتیں کرنے لگی۔ اس نے علی مردان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور شدید جذباتی انداز میں اس کے سینے سے لگ کر سسکیاں لینے لگی۔ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ست پال جی! تم اپنے ساتھ مجھے متھرا لے چلو، میں یہاں تنگ آ چکی ہوں۔"

علی مردان نے اس کے سیاہ بال چوم لیے اور سینے میں بھینچتا ہوا بولا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ متھرا نکل چلو۔ تمہارے بغیر میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔"

چندراوتی نے علی مردان کے سینے کے سیاہ بالوں پر اپنے نتھنے رکھ دیئے اور ان سے نکلنے والی بو سے لطف اندوز ہونے لگی، بولی۔ "لیکن تم ایک وعدہ اسی وقت کر لو۔"

"کہو، میں تیار ہوں۔"

"ہم رہیں گے تو ایک ساتھ ہی لیکن شادی نہیں کریں گے۔ میاں بیوی نہیں بنیں گے۔"

"یہ کیوں؟" علی مردان نے حیرت سے پوچھا "جب ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کریں گے تو شادی کیوں نہیں کریں گے؟"

چندراوتی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "شادی نہ کر سکنے کی ایک خاص وجہ ہے، جب میں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گی تو تم خود ہی مجھ سے دور دور رہنے لگو گے، بالکل اسی طرح جس طرح لوگ ناگ یا ناگن سے بچتے ہیں!"

علی مردان نے پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "چندراوتی! تم مجھ سے کچھ چھپاتی ہو۔ ایک طرف تو محبت کا دم بھرتی ہو اور دوسری طرف اپنی زندگی کا اہم ترین راز چھپا کر مغائرت برتتی ہو۔"

چندراوتی اس کی ٹھوڑی اور سینے کے بوسے لے لے کر اپنی پیاس بجھاتی رہی لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کوئی برسوں کا پیاسا محض چند قطروں سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

کچھ دیر بعد چڑھی ندی اتر گئی اور چونکہ پورا دور کھانے بغیر ہی اتر گئی تھی اس لیے دونوں ہی کے سر درد کرنے لگے۔

دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ لکڑی کے ہتھے پر کئی بتیوں والا چراغ روشن تھا۔ چندراوتی کی نظریں جھلملاتی بتیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ علی مردان اس کی اندرونی کشمکش کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس محویت اور خاموشی کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ علی مردان کچھ پریشان ہوا لیکن چندراوتی نے ہمت نہ ہاری، بولی "ست پال جی!

تم میری موجودگی سے ہرگز نہ گھبرانا۔ میری شخصیت شک اور شبہے اور لوگوں کی نکتہ چینی سے بالا ہے اور اسی لیئے میں عام عورتوں سے زیادہ بیباک ہو کر گفتگو کر لیتی ہوں۔"

علی مردان تھکے تھکے قدموں سے دروازے تک پہنچا اور زنجیر کھول دی۔ باہر کوئی شخص دھوتی میں منہ چھپائے اس سے پوچھ رہا تھا: "کیا چندراوتی یہاں موجود ہے؟"

علی مردان نے آواز سے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جو چندراوتی کے حجرے میں ایک بار پہلے بھی مل چکا ہے۔ چندراوتی نے بھی اس کی آواز سن لی تھی اور اسے پہچان بھی لیا تھا، بولی "ست پال جی! انہیں بھی اندر ہی بلا لو۔"

اور پھر یہ اجنبی بھی اندر آ گیا۔ اس نے پھر ایک بار اپنا زندہ چہرہ دھوتی میں چھپا لیا اور چندراوتی سے کہنے لگا۔ "چندراوتی! میں صبح واپس جا رہا ہوں۔ تم سے آخری بار ملنے آیا ہوں۔"

چندراوتی نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "شاید تم ابھی نہ جا سکو۔ میں رتن سین کے ساتھ تمہارے پاس گئی تھی لیکن تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ رتن سین کسی خاص غرض سے تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

اجنبی نے جواب دیا۔ "تب پھر میں ایک دن اور رہ جاؤں گا۔" پھر ہارے ہوئے جواری کی طرح بولا۔ "میں چاہتا تھا کہ تم بھی میرے ساتھ ہی چلو لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ہمیشہ کی طرح میری یہ درخواست ایک بار پھر رد کر دو گی۔"

چندراوتی نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی، بولی: "میں محبت کی اہل نہیں ہوں۔ یہ بات میں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔"

اجنبی ٹھہرا نہیں، چندراوتی سے صبح ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

اجنبی کی آمد و روانگی نے دونوں ہی کو مکدر کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد کھوئی کھوئی چندراوتی بھی چلی گئی۔

آدھی رات کے بعد ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو ایک بار پھر وہی اجنبی پھرتی سے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اس بار اپنا چہرہ دھوتی میں نہیں چھپایا تھا۔ علی مردان نے اندر کی زنجیر چڑھا لی اور سوالیہ نظروں سے اجنبی کو گھورنے لگا۔

"ادھر آؤ چراغ کے پاس!" اجنبی نے علی مردان کو شانے سے پکڑ لیا اور چراغ کی طرف لے جانے لگا۔ علی مردان معمول کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔

چراغ کے پاس پہنچ کر اجنبی نے کہا: "علی مردان! تمہارے حافظے اور ذہانت کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے تو تمہیں پہلی ملاقات ہی میں پہچان لیا تھا اور اس خیال سے کہ تم خود بھی مجھے پہچان کر کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھو، اپنا چہرہ دھوتی کی اوٹ میں چھپا لیا تھا۔" پھر اپنا چہرہ چراغ کے روبرو کر دیا۔ بولا "لو اب پہچانو۔ تو مجھے! میں اسمٰعیل بہری ہوں، سلطان کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے ایک، جو

ہندس بھی ہے، میں تم سے پہلے ہی یہاں آ گیا تھا۔"

علی مردان نے اسے پہچان لیا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔"لیکن تم تو نہایت صحتمند انسان تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے اسماعیل! تمہاری آواز میں بھی ضعف اور نقاہت کی لہر پیدا ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنس دیا۔"کبھی میں واقعی صحت مند تھا۔ لیکن جب سے ندراوتی کا ساتھ ہوا اور میں اس کی محبت میں مبتلا ہوا اپنی جوانی اور صحت کو گھن لگ گیا۔"

علی مردان نے تشویش سے پوچھا۔"کیا چندراوتی بھی تمہیں چاہتی ہے؟"

"نہیں!" اسماعیل نے جواب دیا۔"اسے تم سے محبت ہو تو ہو لیکن مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔"اور یہ بات بھی کسے معلوم کہ وہ تم سے واقعی محبت کرتی ہے یا بے وقوف رہی ہے۔"

علی مردان نے بے چینی سے کہا۔"تم چندراوتی کے بارے میں جتنا کچھ بھی جانتے ہو مجھے صاف صاف بتا دو، اس میں اسرار کیا ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔"

اسماعیل نے جواب دیا۔"مجھے اپنی صحت اور جوانی گنوا دینے کے بعد اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ چندراوتی ناگن ہے۔ ہر کسی بھی مرد کو اپنی عنایات اور نوازشوں کے جال میں پھانس کر ڈس سکتی ہے۔ اس کی سانس، اس کے لعاب اور اس کے وجود میں زہر گھلا ہوا ہے۔ اس سے انتہائی قریب رہنے والا کوئی بھی شخص میری ہی طرح گھل گھل کر زرد پڑ سکتا ہے۔ میں نے اس کا قرب حاصل کیا، اس سے محبت کی، ہم آغوشی کا لطف اٹھایا، بوس و کنار کی لذتیں حاصل کیں، اکثر راتیں اس کی آغوش میں سو کر گزاریں۔ اگر مسلمان ہونے کا راز مجھے محتاط رہنے پر مجبور نہ کر دیتا تو شاید میں چندراوتی کی آخری نوازشیں بھی حاصل کر لیتا۔ اس اختلاط اور قربت نے مجھے کھلا کر رکھ دیا ہے اور میں روز بروز خود کو گھلتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ جسم میں زہر، خون میں شامل ہو کر مجھے گھلا کے دے رہا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر چندراوتی راضی ہو گئی تو اسے اپنے ساتھ غزنی لے جاؤں گا۔ ممکن ہے وہاں وہ بدل جائے لیکن چندراوتی ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہے۔"

علی مردان کا دل ہول گیا۔

اسماعیل نے کہا"میرے پاس وقت کم ہے۔ میں صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ حسین میری تلاش میں ہے۔ غالباً وہ یہ معلوم کر چکا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنے سلطان کی طرف سے جاسوسی کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ صبح مجھے حراست میں لے کر برہنہ کر دیا جائے گا اور میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا۔ تو مجھے کسی بت کے سامنے لٹا کر کتے کی موت مار دیا جائے گا۔ سلطان کے نام جو پیغام دینا ہے مجھے اسی وقت دے دو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔

بت خانے کے کتے ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں، کسی وقت بھی پکڑے جا سکتے ہو!"

علی مردان نے کئی دن پہلے کی مرتبہ معلومات اسماعیل کے حوالے کیں، خوفزدہ اسماعیل اسی وقت وہاں سے چلا گیا اور علی مردان اپنی فکروں میں کھو گیا۔

صبح مندر میں چندراوتی سے ملاقات ہوئی تو اس نے علی مردان سے پہلا سوال یہ کیا "رات اجنبی دوبارہ تو نہیں آیا تھا؟"

علی مردان نے نفی میں جواب دیا تو چندراوتی کہنے لگی "وہ ... یقیناً مسلمانوں کا جاسوس تھا۔ وہ کہیں بھی جائے پکڑا جائے گا۔"

پروہت بھیم دیو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دونوں کے قریب آ گیا اور علی مردان سے مخاطب ہوا۔ "ست پال جی! کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ چندراوتی کا پیچھا مت لو۔ تم متھرا کے یاتری معلوم نہیں کیوں اتنے نادان بنتے ہو، کیا تم اب بھی نہیں سمجھے کہ چندراوتی کے رگ و پے میں خون کے ساتھ زہر کیوں دوڑ رہا ہے؟"

علی مردان نے سادہ لوحی سے انکار میں گردن ہلا دی اور بولا "وشال پروہت! میں شکر گزار ہوں گا، اگر تم اس راز سے پردہ اٹھا دو گے!"

بھیم دیو نے شک اور شبہے سے علی مردان کو گھورا اور چندراوتی سے کہنے لگا "چندراوتی! معلوم نہیں یہ یاتری جھوٹ بول رہا ہے یا واقعی کچھ نہیں جانتا۔ اگر یہ واقعی کچھ سے لاعلم ہے تو خود ہم سب کے لیے ایک راز ہے اور اس راز کی نقاب کشائی خود تجھے کرنی ہو گی۔"

چندراوتی ادب سے خم ہو گئی اور کہنے لگی۔ "وشال پروہت! تمہارے حکم کی تعمیل کب تک؟"

"آج ہی شام تک!"

"ضرور!" پروہت جاتا ہوا بولا: "اگر سومنات جی کے یاتری کی بے حرمتی اور عذاب کا خوف نہ ہوتا تو میں اس شخص کو یہیں برہنہ کر کے اپنے شبہے کی تصدیق کر لیتا لیکن یہ سوچ کر ڈرتا ہوں کہ اگر میرا شبہ غلط نکلا تو مجھ پر سومنات جی کوئی عذاب نہ نازل کر دیں۔"

چندراوتی نے جواب دیا۔" پروہت جی! تم سومنات جی کے عتاب کا خطرہ ہرگز نہ لو۔ میں شام تک اس کی اصل حقیقت سے تمہیں آگاہ کر دوں گی۔"

پروہت نے قہر کی نظروں سے علی مردان کو گھورا اور چندراوتی سے کہنے لگا۔ "اور ہاں اس کا خیال رکھنا کہیں یہ ادھر ادھر نہ ہو جائے۔"

علی مردان نے نجات اسی میں دیکھی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق، ذرا گرمی کا
ہار کرے۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال لیے اور ترش لہجے میں بولا: "افسوس کہ تم لوگ سومنات
کے ایک مخلص یاتری کو شک اور شبہے کی نظر سے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم لوگ واقعی مجھے
نوں کا جاسوس سمجھتے ہو تو میں اسی وقت دھوتی الگ کر کے اپنے غیر مسلم ہونے کا ثبوت
ینے کو تیار ہوں۔"

پروہت کچھ متاثر ہوا اور اپنے شبہے پر کچھ پشیمان سا ہو گیا لیکن چندراوتی کو بھی منع
ں کیا کہ اب تم اسے جانچنے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرنا۔

مندر سے دونوں ساتھ ساتھ نکلے تو باہر ایک جگہ کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ چندراوتی
کہا: "پروہت جی کو تم پر شک ہو گیا ہے ورنہ وہ اس طرح ہرگز بات نہ کرتے۔ خیر اب تم اپنی
ی دینے پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس سلسلے میں میں تمہیں کچھ رعایتیں تو دے سکتی ہوں لیکن معاف نہیں
لتی۔"

علی مردان نے بناوٹی بے نیازی سے کہا: "مجھے کوئی رعایت درکار نہیں۔ تم جس طرح
و، میری طرف سے اطمینان کر لو۔ میں مطمئن ہوں، میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

چندراوتی مسکراتی ہوئی بولی: "اب ہم تم بہت قریب آ گئے ہیں۔ میں تم پر بہت اعتماد کرتی ہوں۔
ے جیون کی سوگند! تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، تم یاتری ہو تو، اور اگر وہ ہو جس کا تم پر لوگوں کو شک
ے تو، مجھے کوئی پروا نہیں۔ میں تمہارے لیے ڈھال بنی رہوں گی۔ میں بہتوں کی جانیں لے چکی ہوں
ن میں تمہیں نہیں مار سکتی۔ نہ جانے ایسا کیوں ہو گیا ہے۔"

علی مردان نے مایوسی سے کہا: "نہیں چندراوتی! تم میری جانچ کر لو۔ اور میں جو کچھ بھی نکلوں
، سے پروہت جی کو مطلع کر دو۔ میں تم سے کوئی رعایت نہیں چاہتا۔"

ور "پاگل کہیں کے۔" وہ خوشی سے بولی۔ "تمہیں خوش کرنے کے لئے میں آج ناچ کی محفل
وں گی۔ اچھے اچھے گیت سناؤں گی۔ شام کی پوجا کے بعد تم ایک جگہ میرے ساتھ چلنا۔ وہاں
ی قربت سے تمہیں بہت لطف آئے گا۔"

علی مردان اپنے خوف اور اندیشے چھپائے چندراوتی کے والہانہ پن سے لطف و
ت حاصل کر رہا تھا۔

دیر بھر کو وہ علی مردان کو رتن سین کے پاس لے گئی۔ رتن سین انہیں دیکھتے ہی کھڑا
یا۔ چندراوتی سے پوچھا: "کوئی پکڑا گیا؟"

رتن سین نے خوشی اور کچھ اداسی سے جواب دیا: "صرف ایک شخص۔ دوسرا نکل گیا۔

ہمارے آدمی اب بھی اس کا پیچھا کر رہے ہیں یہ خیال ہے کہ وہ ایک دن میں وہ بھی پکڑا جائے گا۔"
چندراوتی نے پوچھا۔" وہ پکڑا جانے والا شخص کہاں ہے؟"
رتن سین اسے ایک تہ خانے میں لیے چلا گیا، جہاں دن میں بھی چراغ کی روشنی درکار تھی۔ چندراوتی اور علی مردان دونوں نے اس قیدی کو پہچان لیا۔ یہ وہی زرد رد اسماعیل تھا۔ علی مردان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اسماعیل نے علی مردان کو اجنبیوں کی طرح دیکھا۔ رتن سین نے علی مردان پر ایک اچٹتی نظر ڈالی، پھر کہنے لگا۔" اس کے پاس کسی کی کوئی تحریر تھی، جسے اس نے گرفتاری سے پہلے ہی اپنے کسی ساتھی کو دے کر چلتا کیا۔"
چندراوتی نے پوچھا۔" اب تم اسے کیا سزا دو گے؟"
رتن سین نے جواب دیا۔" بہت ہی عبرت ناک، جس سے ہمیں کئی فائدے پہنچیں گے۔"
" یعنی؟"
" یعنی یہ کہ ہم اسے سومنات کے چرنوں میں قربان کر دیں گے۔ ہم سے دو ایسی غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں جن کا اس قربانی سے بہتر علاج ہو ہی نہیں سکتا۔"
چندراوتی سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔
رتن سین نے چندراوتی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کہنے لگا" میں تم سے محبت کرتا ہوں چندراوتی لیکن تمہارے وحشی پن سے ڈرتا ہوں۔ میں نے سوریہ دیوتا کے قدموں میں گھٹنوں اپنا سر رکھ کر پرارتھنا کی ہے کہ وہ تمہارا زہر زائل کر دیں لیکن میری یہ دعائیں ہمیشہ بے اثر رہیں۔ پھر مجھے کسی نے بتایا کہ اگر میں سوریہ دیوتا کی مورتی اپنے ہاتھ سے پتھر تراش کر بناؤں تو دل میں جو منت بھی مانوں گا پوری ہو گی۔ میں نے اس مقصد سے سنگ تراشی اور بت سازی کا ہنر سیکھا جب مجھے اپنے سیکھے ہوئے پر اعتماد ہو گیا تو ایک دن میں نے یہ منت مانی کہ اگر سوریہ دیوتا تمہارے جسم کا وحشی پن زائل کر دیں تو میں ان کا ایک شاندار بت بناؤں گا۔ اس منت کے بعد اپنی دعا کا اثر دیکھے بغیر ہی میں نے دیوتا کی بت سازی کا کام شروع کر دیا اور جب یہ بت بن کر تیار ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت ملال ہوا کہ بت بہت برا بن گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بت حاکمِ وقت کو بہت پریشان اور تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔" پھر وہ باتیں کرتا ہوا اپنے لرزا دینے والے کمرے میں داخل ہو گیا۔
علی مردان کو غصہ بھی آ رہا تھا اور وہ کڑھ بھی رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو جب رتن سین چندراوتی سے اظہارِ عشق کیا تھا اسی وقت اس کا منہ توڑ دیتا۔ ابھی اس کا جوش کم نہ ہوا تھا کہ رتن نے ایک نئی حرکت کی۔ علی مردان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے باہر لے جاتا ہوا بولا۔" ست بال ح

ذرا دیر کے لیے باہر ہی رہو، مجھے چندراوتی سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں!"

لیکن چندراوتی نے رتن سین کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ بولی، "نہیں، ست پال جی ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔ ہر بات ان کے سامنے ہی ہوگی۔"

رتن سین نے رشک و رقابت سے علی مردان کو دیکھا اور چندراوتی سے پوچھا "چندراوتی! کیا ست پال جی مجھ سے زیادہ تمہاری نوازشوں کے مستحق قرار پا گئے ہیں؟"

چندراوتی نے کہا: "بات یہ نہیں ہے۔" پھر ذرا تامل سے بولی "میں ست پال جی کو حد سے زیادہ بھی پسند کروں تو میری یہ چاہت فضول ہے۔ میں چاہوں تو ست پال جی سے لطف اندوز ہو کر انہیں ہلاک ہو جانے دوں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی اور جب میں ایسا نہیں کر سکتی تو تمہیں ست پال جی سے خواہ مخواہ کا رشک و حسد بھی نہیں رکھنا چاہیے۔"

رتن سین شرمندہ ہو گیا، علی مردان کے کاندھے سے ہاتھ ہٹا لیا اور چندراوتی سے بولا۔

"دیوی! جیسی تمہاری مرضی! پر یہ دل رقابت پر اکساتا ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ غلط ہے۔"

پھر وہ دونوں کو ایک ایسے بُت کے سامنے لے گیا جس کا گول چہرہ کنول کے مغز جیسا سرخ در جواہر کی طرح چمکتا ہوا تھا۔ اعضاء کشادہ اور دونوں کانوں میں آویزے پڑے ہوئے تھے۔ گلے یں موتیوں کی لڑیاں تھیں جو سینے پر لٹکی ہوئی تھیں۔ سر پر تاج، دونوں ہاتھوں میں کنول کے پھول تھے اور لباس گھٹنوں تک پہنچا تھا۔ یہ سوریہ دیوتا کا بت تھا جو بہت بڑا تھا۔

رتن سین آہستہ آہستہ کہنے لگا: "جب سوریہ دیوتا کا یہ بت بن کر تیار ہو گیا تو بھیم دیو جی نے اس کی نقاب کشائی کی اور اس کا بڑا حجم دیکھ کر اسی وقت یہ بتا دیا تھا کہ سوریہ دیوتا کا تناسب سے ایت بنا دینے سے ملک اور قوم پر تباہی نازل ہو گی۔ اتفاق کی بات کہ سوریہ دیوتا کے اس بت کا پیٹ بھی ذرا پچکا ہوا ہے۔ اس پر پروہت جی نے بتایا کہ اس سے اطراف میں قحط سالی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔"

علی مردان رتن سین کی باتوں سے اکتا رہا تھا۔ اچانک چندراوتی کی آواز سنائی دی۔ وہ تن سین سے کہہ رہی تھی۔ "رتن سین! تم کچھ بھی کر د، میرا دل مجھ سے جُدا نہ کر سکو گے۔ تم میرا خیال چھوڑ دو، اگر نہ مانے تو اسی طرح الجھنوں میں پھنسے رہو گے۔"

"ایک کوشش اور کروں گا۔" رتن سین کہنے لگا۔ "منت ہی تو ہے۔ میں سوریہ دیوتا کا ایک بت بنا رہا ہوں۔ اگر اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تو ممکن ہے سوریہ دیوتا مجھ پر مہربانی کریں اور تمہیں ن سے پاک کر دیں۔"

چندراوتی نے مایوسی سے کہا: "یہ کوشش بھی کر کے دیکھ لو۔ لیکن اب میں کچھ اور سوچنے لگی ہوں۔ ی دیوتاؤں پر سے میرا اعتقاد اٹھتا جا رہا ہے۔ ہمارے دکھوں کا علاج نہ سوریہ دیوتا کے پاس

ہے نہ کوئی پہروں والے برہما کے پاس۔"

رتن سین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، خوفزدہ لہجے میں بولا: "چندراوتی! تم تو ناسمجھ ہوتی جا رہی ہو۔ تمہارے غلط خیالات اور جھوٹے وشواش تمہیں کہیں کا بھی نہ رکھیں گے۔ مایوس مت ہو۔"

چندراوتی نے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دست پال جی! تم ہمیں متھرا لے چلو۔ وہاں کچھ دن رہ کر میں بدری ناتھ چلی جاؤں گی اور بقیہ زندگی گمنامی میں گزار دوں گی۔"

رتن سین نے چونک کر کہا۔ "کیا پاگل ہو گئی ہو؟ تم اپنی بابت اتنا بڑا فیصلہ چپ چاپ کیسے کر سکتی ہو؟ کیا وشال پروہت تمہیں یہاں سے بآسانی چلا جانے دیں گے؟ تمہیں تو ابھی مسلمانوں کے بادشاہ غزنی کے محمود کے لیے کچھ کرنا ہے۔ سنتا ہوں کہ صبح شام میں آنے ہی والا ہے۔"

چندراوتی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مجبوری اور بے بسی سے اس کا دل بھر آیا۔

اسی تین نفری ماحول میں علی مردان خود کو تنہا تنہا اور اجنبی اجنبی محسوس کرتا رہا۔

مہادیو کے بت کے سامنے عقیدتمندوں اور پرستاروں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ تین آنکھوں والا مہادیو، جس کی تیسری آنکھ دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر کھڑی ہوئی بنی تھی۔ ایک ہاتھ میں ترشول اور تلوار، دوسرے سے اپنی بیٹی گوری کو تھامے ہوئے، جو اس کے سینے سے چمٹی ہوئی تھی، سر پر چاند بنا تھا۔

مہادیو کے نندی، دیوداسیوں اور ناچنے والیوں کے پرے آ موجود ہوئے۔ اوپر چھت میں دیواروں میں بے شمار دیے روشن تھے۔ جن کی روشنی سے مندر کی فضا دن بن گئی تھی۔ علی مردان اور چندراوتی اگلی صف میں کھڑے اس سیل رنگ و نور سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ رقاصائیں اور گانے والیاں پیلے، سرخ اور کسی دوسرے رنگوں کے کپڑوں میں ملبوس بھیم دیو کے اشارے کی منتظر کھڑی تھیں۔ بھیم دیو، مہادیو کے پیچھے سے نمودار ہوا اور تمکنت سے چلتا ہوا مہادیو کے قدموں میں کھڑا ہو گیا۔ باری باری کچھ لوگوں نے چڑھاوے چڑھائے۔ پھر بھیم دیو نے ایک نوعمر اور نازک اندام رقاصہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ رقاصہ گھنگرو کھنکاتی آگے بڑھی اور مہادیو کے قدموں میں گر گئی۔ بھیم دیو نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور بھیم دیو کی آنکھوں میں عقیدت و احترام سے کچھ دیکھا۔ پھر یکایک رقص شروع کر دیا۔ یہ تتلی کی طرح پرواز کرتی ہوئی کبھی مہادیو کے قدموں میں چلی جاتی اور کبھی الٹے قدموں تھرک کر واپس آتی اور مہادیو کے پرستاروں کے سامنے جھوم جھوم کر ناچنے لگتی۔ علی مردان کبھی اس نوعمر رقاصہ کو دیکھتا اور کبھی

چندراوتی کو دیکھنے لگتا۔
ایک کے بعد ایک رقاصہ آگے بڑھی اور اپنے کمال کا مظاہرہ کرکے چلی گئی۔ پھر
نے والیوں کی باری آئی اور انھوں نے نہایت لطیف سروں میں مہادیو کی شان میں بھجن سنانے
روع کردیے۔ چندراوتی کبھی شرکائے محفل کو دیکھتی کبھی علی مردان کو دیکھنے لگتی۔ رات کے
پچھلے پہر جب یہ لوگ مندر سے باہر نکلے تو علی مردان کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی، اس نے
ندراوتی سے کہا۔ "تم مجھے اپنی کٹیا میں لے چلو اور کھانا کھلواؤ۔"
چندراوتی نے کہا۔ "کیا تم دوسروں کے گھر کھانا کھانا پسند کروگے؟ اور چھوت چھات
حسوس نہیں کروگے؟"
علی مردان نے جواب دیا۔ "صبح تم نے رتن سین سے جیسی باتیں کیں، ان سے رتن سین
پر شبہ گزرا تھا کر تم ناشک ہوگئی ہو۔ اب جو بھوک نے مجھے ستا رکھا ہے تو میں یہ محسوس کرتا ہوں
بھوک میں سب کچھ جائز ہے۔ ویسے چار باتیں تو یوں بھی بہت مشہور ہیں۔"
چندراوتی نے پلک جھپکائے بغیر علی مردان کو دیکھا اور پوچھنے لگی۔ "کون سی چار
تیں؟ ذرا مجھے بھی تو بتانا؟"
علی مردان نے جواب دیا۔ "مثل مشہور ہے بھوک نہ دیکھے جھوٹا بھات، عشق نہ دیکھے
ت بذات، نیند نہ دیکھے ٹوٹی کھاٹ اور پیاس نہ دیکھے دھوبی گھاٹ۔"
چندراوتی نے شوخی سے علی مردان کو دیکھا اور کہنے لگی۔ "پھر بھی میں اپنے گھر کا کھانا نہیں
ملاؤں گی۔ میرا کھانا میرے لیے ہے، جسے تم ہضم نہیں کرسکوگے۔"
علی مردان طنز کرتا ہوا بولا۔ "نہ کھلانے کے ہزار بہانے۔ شاید تم بھول گئیں کہ تم اپنی قربت
کے باوجود اتنی دور کی باتیں کر رہی ہو۔ کیا ہمارے درمیان اب بھی کوئی دوری رہ گئی ہے؟"
چندراوتی ایک دم سنجیدہ ہوگئی، پوچھا۔ "کیا ناراض ہوگئے؟"
"نہیں تو؟"
"پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟"
"میں ایسی باتیں نہیں کرتا، تم مجبور کرتی ہو تو کرنے لگتا ہوں۔"
چندراوتی بے بسی سے بولی۔ "تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے ست پال جی! میرے کھانے
ں زہر ملا ہے۔ تم اسے کھاکر زندہ نہیں رہ سکتے۔"
علی مردان نے آزردگی سے کہا۔ "تم اپنی بابت کھل کر سب کچھ کیوں نہیں بتادیتیں چندراوتی،
یں وش بھرا ہے، تمہارے کھانے میں زہر شامل ہے۔ تم یہ کیسی باتیں کرتی ہو؟"

چندراوتی شدتِ جذبات سے رونے لگی۔ اس کا چہرہ تمتما گیا۔ "بھگوان! میں کتنی مجبو
اپنے محبوب کو کسی طرح بھی خوش نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے گھر کا کچھ کھلا بھی نہیں سکتی۔ تم مجھے
کیوں نہیں دیتے۔"

علی مردان اس عجیب و غریب دوشیزہ کو بس دیکھتا رہ گیا۔

چاند گرہن پڑ رہا تھا۔ اس بری ساعت میں سارے پجاری پریشان اور مضطرب
پھر رہے تھے۔ سومنات جی کے سامنے انسانوں کا ایک ٹھٹھ لگا رہتا تھا۔ وشال پروہت بھیم
سومنات جی کے قدموں میں گھی کے دیئے جلا رہا تھا۔ سومنات جی کے سامنے کی جگہ خالی پڑی
تھی۔ اور تقریباً دو بالشت دور پتھر کی ایک سل رکھی ہوئی تھی۔ سل کے پاس زرد رو اسماعیل
کھڑا تھا۔ مجمع کے لوگ اس طرح آ آ کر اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق
اسماعیل کا زیریں لباس اتار دیا گیا تھا تاکہ دیکھنے والے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیں کہ وہ مسلم
چندراوتی اور علی مردان بھی اس کے قریب گئے۔ اسماعیل نے انہیں دور ہی سے
دیکھ کر بڑبڑانا شروع کر دیا، اس طرح جیسے رسیوں کی بندش کے کرب میں تلملا رہا ہو۔ اس وقت
اپنی مادری زبان میں بڑبڑا رہا ہو۔ اس کی بڑبڑاہٹ میں علی مردان کے لئے پیغام تھا۔ وہ علی مر
سے کہہ رہا تھا۔

"سلطان ملتان تک آچکا ہے۔ اسے میرے انجام سے مطلع کر دینا۔ میرا خون رائیگاں نہ
جائے گا۔ جب وہ سومنات کا قلعہ محاصرے میں لے لے تو تیروں کی نوک میں پیغامات باندھ
سلطان کو مطلع کر دینا کہ قلعے کے صدر پھاٹک کے بائیں طرف قلعے پر چڑھنے کی کوشش کی جا
وہاں ہاتھیوں کو اوپر لے جانے کی غرض سے قلعے کی فصیل بہت چوڑی کر دی گئی ہے جس کی
سے سلطان کے ہزاروں آدمی اوپر اپنے قدم جما سکتے ہیں اور سلطان کو یہ بھی بتا دینا کہ سومن
کے لوگ جوش اور عمل کے بجائے سومنات کی کرامت پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور ہاں ایک
بات اور، زہریلی ناگن (چندراوتی) سے ہوشیار رہنا اور سلطان کو بھی اس کے زہر سے
بچانے کی کوشش کرنا۔ پروہت جی اس کی مدد سے معلوم نہیں کس طرح سلطان کو ہلاک کر دینے
کوشش کریں گے۔ یہ خطرناک ناگن سلطان کو ڈس کر ہلاک کر دینا چاہے گی۔ سلطان کو اس کی ز
محفوظ رکھنا۔"

ایک وحشی اور جلاد پنڈت آگے بڑھا اور اسماعیل کا منہ بند کر دیا۔

علی مردان سے یہ منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا لیکن دیکھنے پر مجبور تھا۔

پھر ایک کرخت مزاج اور سخت خدوخال کا نگ دھڑنگ سیاہ فام، دیو قامت شخص گنڈاسا لے کر آگے بڑھا اور اسماعیل کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وشال پروہت بھیم دیو نے گردن اٹھائی اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا:

"سومنات جی کے پجاریو اور خدمت گزارو! یہ ناپاک شخص جو سومنات جی کے روبرو بندھا پڑا ہے، مسلمانوں کے بادشاہ کا جاسوس تھا۔ اس نے غزنی کے بادشاہ محمود کو سومنات کے راز بھیج دیے ہیں اور اب اس کی حریص نظریں سومنات کی طرف اٹھ چکی ہیں۔ اس شخص کا جاسوسی کے علاوہ ایک دوسرا سنگین جرم بھی ہے۔ یہ مسلمان تھا اور دھوکے سے ہمارے مندروں میں داخل ہو کر ہماری وشال دھرتی اور پوتر بھومی کو ناپاک کرتا رہا ہے۔ شاید اسی وجہ سے مہا دیو نے ہم پر عتاب نازل کیا ہے کہ سوم جی گرہن کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ سوم جی کو اس مصیبت سے نجات دلانے اور اس مسلمان کے ناپاک قدموں کی گندگی کے پرائسچت کے لیے ہمیں اسے بھینٹ چڑھانے پڑے گا۔ سومنات جی اس کی بھانٹ چاہتے ہیں۔ جب اس کا گرم گرم خون سومنات کے چرنوں میں جائے گا۔

تو انہیں سکون پہنچے گا اور ان کے غصے اور عتاب میں کمی آ جائے گی۔"

پھر اچانک ان سب پر جنون کا دورہ پڑ گیا۔ سبھی اسماعیل پر ٹوٹ پڑے اور اسے زدوکوب کرنے لگے۔ لیکن بھیم دیو نے انہیں ہٹا دیا اور چندراوتی کو اشارے سے قریب بلایا۔ چندراوتی کو بھیم دیو کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

بھیم دیو نے علی مردان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "چندراوتی! کیا تو نے متھرا کے اس اتری کی بابت اپنا اطمینان کر لیا ہے؟"

چندراوتی نے جواب دیا۔ "ہاں وشال پروہت جی!"

بھیم دیو نے دل میں اتر جانے والی نظروں سے چندراوتی کو گھورا اور کہنے لگا۔ "اس یاتری سے کہو کہ سومنات جی نے اسے اپنی خدمت کا بہترین موقع عطا کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ دو قدم آگے بڑھے اور جلاد کے ہاتھ سے گنڈاسا لے کر اس ملکش کا سر اپنے ہاتھ کے ایک وار سے الگ کر دے۔"

چندراوتی اس حکم سے گھبرا گئی۔ وشال پروہت سے بحث کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ چپ چاپ علی مردان کے پاس واپس گئی اور بجھی بجھی آواز میں بھیم دیو کا حکم سنایا۔ علی مردان کو ایسا لگا جیسے چندراوتی کی آواز لوہے کی سلاخ دماغ سے اتر کر دل میں ڈوب گئی ہے۔ انکار یا تامل کا کوئی موقع نہ تھا۔ وہ کچھ سوچے بغیر آگے بڑھا اور سیاہ قامت دیو سے گنڈاسا لے لیا۔ اسماعیل

نے سہم کر علی مردان کو دیکھا اور بین کرنے کے انداز میں غیر ہندی زبان میں پوچھا۔ "تو مجھے تم قتل کر دگے لیکن میری زندگی کے دن اس عورت کے زہر کی وجہ سے پہلے ہی کم ہو گئے تھے۔"
علی مردان نے کوئی جواب نہ دیا۔ گنڈاسے والا ہاتھ اوپر اٹھا اور پوری قوت سے نیچے گر کر اسمٰعیل کا سر جسم سے الگ کر دیا۔ اسماعیل کا جسم پھڑکنے لگا۔ خون کی دھار فوارے کی طرح اچھلی اور سومنات جی کے چرن تر کرنے لگی۔ کچھ چھینٹے علی مردان کی دھوتی پر بھی گر گئے۔ چاروں طرف سے عجیب قسم کا شور و غل بلند ہوا اور بعض پنڈت زور زور سے اشلوک پڑھنے لگے۔ علی مردان کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات چھپائے اور چندراوتی کو ساتھ لیے یہ خونیں منظر چھوڑ کر چلا آیا۔

اسماعیل کی موت کے بعد متھرا کے یاتری پر شبہ نہیں کیا گیا۔ چندراوتی اس سے اور زیادہ قریب ہو گئی۔ دوسری طرف رتن سین کے لیے علی مردان ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ وہ سوریہ دیوتا کا ایک دوسرا بت بنانے میں مصروف تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر وہ سوریہ دیوتا کا بت بنانے میں کامیاب ہو گیا تو یقیناً دیوتا اس پر مہربانی کرے گا اور چندراوتی کا رس چوس کر اسے عام اور بے حس عورت بنا دے گا۔
بحیرۂ عرب کی ہوائیں جسم کو چیر رہی تھیں جس سے طبیعتوں میں کسلمندی اور سستی پیدا ہو گئی تھی۔ چاروں طرف افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ مسلمان سومنات کے قریب آ چکے ہیں۔ قلعے کے دروازے بند کیے جا چکے تھے اور اونچی اونچی برجیوں اور فصیلوں سے اہل سومنات محمودی لشکر کا انتظار کر رہے تھے۔ پورے شہر میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور سومنات کے فدائیوں کے دلوں میں جوش اور ہیجان کے ساتھ ہی غزنوی کی ہیبت اور خوف بھی کار فرما تھا۔
چندراوتی مختلف قسم کے ابٹنوں اور مسالوں سے اپنے جسم میں اور زیادہ نکھار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اب وہ علی مردان سے بھی بہت کم ملتی تھی۔ ہاں رتن سین کی آمد و رفت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان کی آمد سے پہلے ہی علی مردان موقع پا کر سومنات سے نکل جانا چاہتا تھا اور جانے سے پہلے چندراوتی سے ایک طویل ملاقات کا خواہشمند تھا۔
ایک دن صبح ہی صبح رتن سین چندراوتی کو تلاش کرتا ہوا علی مردان کے حجرے میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد چندراوتی بھی وہاں پہنچ گئی۔ چندراوتی نے دونوں کو مخاطب کیا۔ "رتن سین! میں ست پال جی کے سامنے تم سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ پتہ نہیں کل کیا ہو جاتے۔ اسی لئے میں ایک اہم بات کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔"

رتن سین کے ساتھ ہی علی مردان بھی ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔

چندراوتی کچھ دیر خاموش رہ کر بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں کو اپنے آئندہ منصوبے سے مطلع کر دوں اور یہ بتا دوں کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک مجھ اچھائی کو کس طرح اور کس شرط پر حاصل کر سکتا ہے۔" پھر علی مردان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں رتن سین کی تڑپ اور لگن بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

علی مردان کا دل ڈوبنے لگا، بولا "چندراوتی! میں متھرا واپس جانا چاہتا ہوں۔ اگر اس سفر میں تم میرا ساتھ دو گی تو میں تمہارا شکر گزار رہوں گا ورنہ کوئی شکایت بھی نہ کروں گا۔"

رتن سین سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ علی مردان کی آواز پر اس نے اپنا سر اٹھایا اور غمزدہ آواز میں بولا۔ "ست پال جی! تم ابھی متھرا واپس نہ جاؤ۔ یہیں رہو۔ غزنی کا بادشاہ آج یا کل میں آنے والا ہے۔ وہ سومنات پر لشکر کشی کرے گا اور اس جنگ کا وہی نتیجہ نکلے گا جو اب تک مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نکلتا رہا ہے۔ سوریہ دیوتا کا غلطی سے بڑا بن جانے والا بت ہمیں بتا چکا ہے کہ ہمیں شکست ہو گی۔ اگر ہمیں شکست ہو گئی تو میں خود میدانِ جنگ میں سپاہی کی موت مر چکا ہوں گا۔ اس وقت چندراوتی کو تمہاری ضرورت شدت سے محسوس ہو گی۔"

چندراوتی رتن سین کی باتوں سے بہت متاثر ہوئی، بولی "تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اگر جنگ میں ہمیں شکست ہو گئی تو تم میدانِ جنگ ہی میں مارے جاؤ گے۔"

رتن سین نے التماس نظروں سے چندراوتی کو دیکھا اور کہنے لگا۔ "چندراوتی تمہیں معلوم ہے کہ میں سوریہ دیوتا کا ایک دوسرا بت بنا رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کا تناسب قائم رکھوں لیکن ناکام رہا اور سوریہ دیوتا بہت چھوٹے بن گئے اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اگر سوریہ دیوتا تناسب سے چھوٹے بن جائیں تو بنانے والے پر ان کا عتاب ضرور نازل ہوتا ہے اور وہ شخص تباہ و برباد ہو کر اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہو چکا ہے۔ اس لئے میرا اب کوئی مستقبل نہیں۔ نہ مستقبل نہ زندگی، کچھ بھی نہیں۔"

"پھر بھی میری ایک خواہش ہے۔" چندراوتی کہنے لگی: "میں عنقریب سومنات سے باہر چلی جاؤں گی۔ اور غزنی کے بادشاہ تک کسی بھی طرح رسائی حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ محمود میرے حسن کا گرویدہ ہو کر مجھے اپنے حرم میں ڈال لے گا۔ بس میرا اس کے ساتھ چند راتیں گزار لینا ہی کافی ہو گا۔ پھر سلطان کو دنیا کی کوئی طاقت بھی مرنے سے نہیں بچا سکے گی۔

علی مردان نے کہا: "تم اپنی خواہش بیان کرو۔"

چندراوتی نے کہا: "مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ایک مرد کی ضرورت ہے۔ مجھے اپنی بیوی بنا کے مسلمانوں کے لشکر کے سامنے سے گزرے۔ مسلمان میرے حسن سے متاثر ہوکر گرفتار کرلیں گے اور مجھے اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ رتن سین میرے ساتھ رہے اور گرفتاری پر پہلے تو وہ شور وغل مچائے۔ اس کے بعد سلطان سے مرعوب ہوکر مجھے سلطان کے حوالے کردے اور پھر جب میں سلطان کا کام تمام کر کے چوری سے فرار ہونے کی کوشش کروں تو رتن سین میرے ساتھ فرار ہونے میں میری مدد کرے۔"

رتن سین نے مایوسی سے مسکراتے ہوئے کہا: "تم نے سوچ سمجھ کر ایسی خواہش ظاہر کی ہے جسے پورا کرنا کم از کم میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں سپاہی ہوں اور میں اس وقت میدان جنگ میں ہوں گا تمہارے ساتھ نہیں۔ تمہارا ساتھ متھرا کا یاتری دے سکتا ہے۔"

چندراوتی نے تکلیف دہ لہجے میں کہا: "شرط جیت کر مجھے حاصل کرلینا کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔ میں جس کے حصے میں آؤں گی وہ مجھے ساتھ رکھ کر اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے گا۔ میں کسی کے لئے بھی کارآمد نہیں ہوں لیکن چونکہ تم دونوں مجھ سے محبت کرتے ہو اور میرے طلبگار ہو۔ اس لیے میرا فرض ہے کہ تم دونوں کا دل نہ توڑوں اور ظاہر ہے مجھے تم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ویسے ست پال جی آدمی بہت اچھے ہیں۔ میں انہیں بہت زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

وہیں وشال پروہت بھیم دیو بھی پہنچ گیا۔ اور یہ بد خبر سنائی کہ غزنی کا بادشاہ اپنی افواج سمیت دریائے سرستی کے کنارے فصیل کے نیچے خیمہ زن ہو چکا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی رتن سین اٹھ کھڑا ہوا، بولا: "اچھا چندراوتی! ہتھیار مجھے آواز دے رہے ہیں، میں چلا۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔ نہ رہی تو تمہاری یاد لیے موت کا سواگت کروں گا۔"

چندراوتی بھی کھڑی ہوگئی اور علی مردان یا بھیم دیو کا ادب لحاظ کیے بغیر ہی رتن سین سے ہم آغوش ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پیار کیا اور پھر جدا ہوگئے۔

اب رتن سین دونوں کے درمیان سے ہٹ چکا تھا مسلمانوں کی فوجیں قلعے کی فصیل کے قریب خیمہ زن تھیں اور دریائے سرستی کے کنارے دور دور تک لمبے کرتوں، عماموں

ر لوہے کے خود پہنے یہ اجنبی سپاہ حوصلہ مندانہ شان سے سومنات کے قلعے کا جائزہ لے
ہی تھی۔ ان حالات میں چندراوتی کو ایک نہایت اہم کام انجام دینا تھا۔

اس وقت تقریباً سناٹا تھا۔ علی مردان سومنات جی کے روبرو کھڑا چندراوتی کا انتظار
رہا تھا۔ سومنات جی کے قدموں میں چڑھائی جانے والی سونے کی وافر مقدار ڈھیر تھی۔
ں مردان عقیدت مندوں کے اندھے اعتقاد پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اچانک
س کی نظریں سومنات جی کے پچھلے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے ایک مست اور
کھڑاتی حسینہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ ذرا قریب آگئی تو علی مردان نے پہچان
ا کہ یہ چندراوتی ہے۔

لیکن اس وقت چندراوتی کی شان ہی کچھ اور تھی۔ گلے میں کالا ناگ لپٹا ہوا تھا۔
ں کا پھن چندراوتی کی گردن پر تھا۔ بار بار شعلے جیسی زبان لپکتی اور گردن میں لہو کا سا لگا کر
ہن میں غائب ہو جاتی۔ علی مردان سمجھا، اب چندراوتی بس کچھ ہی دیر کی مہمان ہے۔ لیکن
رابیوں کی طرح، نشے میں چور وہ علی مردان کے سامنے پہنچ گئی۔ اور بہکے بہکے لہجے میں
۔ دوست پال جی! تمہیں میری چاہت کا دعویٰ ہے نا۔"

علی مردان نے جواب دیا۔" ہاں بالکل۔ کیا تمہیں اب بھی شبہ ہے چندراوتی؟"

چندراوتی نے شرابیوں کی طرح کہا۔" آج تمہیں سومنات جی کے روبرو اپنی چاہت
سوگند کھانی پڑے گی۔ یہاں ہم دونوں عہد کریں گے کہ زندگی بھر ایک دوسرے کے ہوتے
یے کسی اور سے شادی نہیں کریں گے۔"

علی مردان نے گلے کے سانپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" لیکن گلے سے اسے
دور کرو۔ مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے چندراوتی!"

چندراوتی لڑکھڑائی لیکن پھر سنبھل گئی۔ علی مردان نے کہا۔" تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے؟
راوتی! کیا کسی وید کو بلواؤں؟ تمہیں تو سانپ نے ڈس لیا ہے۔"

چندراوتی نے مست و مخمور نظروں سے علی مردان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی" تم میری
کرو۔ یہ سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بلکہ اگر میں چاہوں تو اس سانپ کو ہلاک کر سکتی ہوں۔"

" وہ کس طرح؟"

چندراوتی نے سانپ کو گردن سے نکالا، کر ہاتھ میں لے لیا اور اسے کسی جگہ سے دانتوں
کاٹ لیا۔ سانپ تڑپا، اچھلا اور کئی مرتبہ چندراوتی پر منہ بھی مارا مگر بے سود۔ آخر
پ جھومنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سانپ مر گیا۔ چندراوتی نے ناگ دیو کو

ایک کونے میں بچھی ہوئی سیتل پاٹی کے نیچے چھپا دیا اور پھر اپنی جگہ واپس آگئی۔ علی مردا
دیکھ کر دہل گیا لیکن کچھ دیر بعد چندراوتی اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ ایک خوبصورت اور مل
دوشیزہ کے روپ میں۔

چندراوتی اور علی مردان سومنات جی کے روبرو گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور د
ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے شادی نہ کرنے کا عہد کیا۔ علی مردان کے پاس اس کے سو
چارہ نہ تھا کہ وہ چندراوتی کے احکام کی تعمیل کرے۔

علی مردان نے سرگوشی میں کہا: "سومنات جی! میں نے چندراوتی کو دل وجان سے
ہے اور تمہارے سامنے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ تازیست، چندراوتی کے ہوتے ہو
کسی اور عورت سے شادی نہ کروں گا۔"

چندراوتی نے اٹھلا کر لڑکھڑائی آواز میں کہا۔ "سومنات جی! تمہاری یہ دا
اس بات کا عہد کرتی ہے کہ میں متھرا کے یاتری ست پال جی کے سوا کسی اور کو نہ چاہوں گی
ان کے ہوتے ہوئے کسی اور مرد کی طرف آنکھ تک نہ اٹھاؤں گی۔"

پھر چندراوتی تو سجدے میں چلی گئی لیکن علی مردان گلوخلاصی کی تدبیریں سوچنے لگا
جب یہ دونوں ایک دوسرے سے موت اور زندگی کا عہد وپیمان کرکے باہ
تو دونوں کے چہرے مسرت سے دمک رہے تھے۔ چندراوتی کا تو انگ انگ مست وسرش
راستے میں علی مردان نے اس سے پوچھا۔ "چندراوتی تمہاری ہر بات عجیب سے
کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ ناگ والا واقعہ کیا اور کیوں ہے؟"

چندراوتی پھیکی ہنسی ہنس دی، بولی۔ "ناگ تو میری غذا ہیں ست پال جی! جب
ٹوٹنے لگتا ہے اور اعضاء میں ایک قسم کا کھنچاؤ اور سستی پیدا ہونے لگتی ہے تو میں ناگ
ڈسوا کر چاق وچوبند ہو جاتی ہوں۔"

پھر علی مردان کو خوف سا محسوس ہوا لیکن چندراوتی کے حسن کا سحر ہر خوف پر حاو

علی مردان کے لیے قلعے سے باہر نکلنا آسان کام نہ تھا لیکن بھیم دیو اور چندرا
نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا اور یہ مشکل آسان ہو گئی۔ اس رات چن
اور علی مردان قلعے کے مغربی دروازے سے باہر نکلے اور چوری سے بھاگنے کے انداز میں

بجا۔ تھے محمود کے لشکر کے قریب سے گزرے۔ یہ ۶ جنوری ۱۰۲۶ء جمعرات کا دن تھا۔ گرد آلود فضا میں محمودی سپاہ دریائے سرستی کے کنارے خیمہ زن تھی۔ مسلمانوں نے چندراوتی اور علی مردان کو پکڑ لیا۔ انھیں شبہ تھا کہ یہ جوڑا اپنے ساتھ کوئی خاص پیغام یا راز لے کر کسی ہندو راجہ کے پاس جا رہا ہے۔ چندراوتی کے حسن و جمال نے سبھی کو متاثر کیا۔ جہاں یہ لوگ پکڑے گئے تھے، وہاں سے محمود تقریباً ایک میل دور تھا۔ سپاہیوں نے ان دونوں کو الگ الگ قید کر دیا۔ اور ان سے راز اگلوانے کی کوششیں کرنے لگے۔ علی مردان نے جو کچھ بتایا، کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

چندراوتی یہ کہتی تھی کہ "مجھے اپنے بادشاہ کے روبرو لے چلو۔ مجھے جو کچھ بتانا ہے اسی کو بتاؤں گی۔"

اور علی مردان بے چین ہو ہو کر اپنے نگران سپاہیوں سے یہ درخواست کر رہا تھا کہ "خدا کے لیے چندراوتی کو محمود سے مت ملانا، وہ خطرناک عورت ہے۔"

دونوں کی متضاد بیانی سے محمود کے آدمیوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ دونوں ہی اہم شخصیتیں ہیں اور یہ یقیناً کسی اہم منصوبے سے کہیں جا رہے تھے اور کم زور دل عورت سلطان سے شاید اس لیے ملنا چاہتی ہے کہ جو کچھ اُسے معلوم ہے جلد از جلد محمود کو بتا کر گلو خلاصی حاصل کر لے اس کے برعکس مرد، عورت کو محمود سے یوں دور رکھنا چاہتا ہے کہ ان کا راز راز ہی رہے۔

علی مردان ناکام رہا اور چندراوتی کو محمود کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

چندراوتی کے پاس ناز و انداز کے جتنے تیر تھے، سبھی محمود پر چلانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ، آواز کی کھنک، چال کا مستانہ انداز۔ گاہ ہنس کر محمود کے دل پر بجلی گرانے کی کوشش کرتی، گاہ ملول ہو کر چہرے کو سوگواریت کے سحر کا ناقابلِ خطا نشانہ بخشتی۔

محمود نے اس پیکرِ رعنائی کو غور سے دیکھا اور بے چین ہو گیا۔ ایسا متناسب اور دلکش نسائی روپ اس نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ محمود کے داہنی طرف ملک ایاز کھڑا تھا۔ وہ ملک ایاز جس میں عقل اور حسن یک جا ہو گئے تھے، وادیٔ کشمیر کا فرزند ـــ جسے بردہ فروشوں نے اغوا کر کے بدخشاں میں فروخت کر دیا تھا اور پھر اس کی رسا قسمت نے اسے محمود تک پہنچا دیا تھا۔

محمود نے ایاز کی طرف دیکھا اور حکم دیا "ایاز! اس فتنۂ فکر و نظر سے پوچھو یہ ہمیں کیا بتانا چاہتی ہے؟"

رعبِ سلطانی اور اقبالِ محمودی نے چندراوتی کی ساری تیزی و طراری ہوا کر دی تھی۔

ایاز نے اس سے بہت سارے سوالات کر ڈالے اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ حسن و جمال کی ماحرہ اپنے اصل منصوبے کے سوا سب کچھ بتا سکتی ہے۔ ہر سوال کے جواب میں چندراوتی نے نے یہی جواب دیا کہ "مجھے جو کچھ بتانا ہے سلطان کو تخلیے میں بتاؤں گی۔"

جب ایاز نے سلطان کو اپنی کوشش کے لب لباب سے آگاہ کیا تو محمود نے لاپرواہی اور بے نیازی سے حکم دیا "لڑکی کو سخت نگرانی میں رکھا جائے۔ ہم غزنی پہنچ کر اس سے ملاقات کریں گے۔" پھر ایاز سے کہا "ملک ایاز! تم اس لڑکی سے کہو کہ ہماری کمزوری عورت نہیں بلکہ نئے اور مضبوط قلعوں کی تسخیر ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمیں ہندی عورتیں فتح کر لیں۔"

چندراوتی کو ایک خیمے میں قید کر دیا گیا۔

ادھر علی مردان بہت پریشان تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں چندراوتی اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان نے اسے ایک خیمے میں قید کر دیا ہے تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

سلطان کی ایما پر ایاز، علی مردان کے پاس پوچھ گچھ کرنے پہنچا اور جب اصل حقیقت کا علم ہوا تو اس نے علی مردان کو محمود سے ملوا دیا۔ علی مردان نے ساری روداد سنا دی اور آخر میں بتایا "چندراوتی کی بابت اس غلام کو بس اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ اس کے وجود میں زہر شامل ہے اور سومنات کے فوجی اور مندر کے بڑے پروہت نے اسے سلطان کی خدمت میں بھیج کر حضور کی ہلاکت کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کے باوجود کہ سلطان کا غلام یہ چاہتا ہے کہ چندراوتی کو کوئی نقصان نہ پہنچے، بار بار یہی کہے گا کہ اس عورت پر سلطان کو اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

محمود نے بے نیازی سے کہا "جب بقول تیرے اس عورت کے وجود میں زہر گھلا ہوا ہے تو پھر تو اس میں کیوں دلچسپی لیتا ہے۔ ناگن کو ڈسنے کے لیے پالنا کہاں کی دانشمندی ہے؟"

علی مردان گھگھیا گیا، بولا "غلام کی منشا تو یہی تھی۔ ویسے حضور کی جیسی مرضی ہو۔ اس کا حکم صادر فرمائیں۔"

اسماعیل کی ہلاکت کا حال سن کر محمود کو دُکھ پہنچا۔

سومنات کی برجیوں اور فصیلوں پر ہندوؤں کا ہجوم تھا اور وہ چیخ چیخ کر مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ "اے مسلمانو! تم نے اب تک جو گناہ اور مندروں کو تباہ و برباد کر کے جو پاپ کیے ہیں، سومنات جی نے ان کی سزا دینے کے لیے تمہیں یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے۔"

اوپر سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور نیچے مسلمان قلعے کی فصیل تک پہنچ چکے تھے۔ تیروں کی بارش ان کے ارادوں میں حائل ہونے سے معذور تھی۔ سیڑھیوں کی مدد سے قلعے پر چڑھنے والے مسلمان زخمی ہو ہو کر نیچے گر رہے تھے اور سیڑھیوں کی خالی جگہ دوسرے سپاہی لے لیتے تھے۔ مسلمان تیر انداز بھی تیروں کی بوچھاڑ سے فصیل کی ہندو سپاہ کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ اس جدوجہد میں شام ہو گئی اور دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس چلے گئے۔

دوسرے دن تازہ دم سپاہ پھر فصیل پر چڑھنے لگی اور ہندوؤں کی زبردست مزاحمت کے باوجود اوپر چڑھ گئی۔ تیر اندازی موقوف ہوئی اور نیزے برچھیاں اور تلواریں انسانوں کو زخمی اور ہلاک کرنے لگیں۔ مسلمانوں کی شجاعت اور بے جگری سے خوفزدہ ہو کر سومنات کے پجاری، مندر میں داخل ہوئے اور اس سے لپٹ کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ محمودی سپاہ مندر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ ہندو سپاہ مندر سے نکلی اور دیوانہ وار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔ ان کا حملہ اتنا شدید تھا کہ کئی جگہ سے مسلمان پسپا ہو گئے۔ لیکن شام تک مجموعی حیثیت سے مسلمان حاوی رہے۔ رات کی سیاہی نے دونوں افواج کو اپنی اپنی جگہ واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ قلعے کا پھاٹک کھل گیا لیکن ابھی تک سومنات جی محفوظ تھے اور ایک فیصلہ کن معرکہ باقی تھا۔ محمود نے قلعے کے پھاٹک پر ایک طاقتور دستہ بٹھا دیا اور خود لشکر میں واپس چلا گیا۔

تیسرے دن صبح محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قرب و جوار کے ہندو راجاؤں کی فوجیں اسے محاصرے میں لے چکی تھیں اور یہ ساری تازہ دم فوجیں تھیں۔ محمود نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ آخر ہیں علی مردان نے یہ راز کی بات گوش گزار کی کہ اگر جنگ فوراً نہ شروع کی گئی تو ہندوؤں کو مزید کمک مل جائے گی اور ان کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ محمود سخت پریشان تھا۔ غزنی سے ہزاروں میل دور، تھکی ہوئی سپاہ، واپسی یا فرار کی راہیں مسدود، دشمنوں کے علاقے، حریف کی کثرت،

یہ ساری باتیں محمود کو پریشان کر رہی تھیں۔

محمود فوری جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ مجلس مشاورت سے اٹھ کر ایک گوشے میں چلا گیا۔ خرقان کے مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن کا خرقہ سامنے رکھ کر سجدے میں گر گیا اور رو رو کر گریہ وزاری کرنے لگا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"اے رب العالمین! اس خرقے کے مالک کے طفیل دشمنوں پر فتح عطا فرما۔ تو جانتا ہے کہ تیرا یہ عاجز بندہ دیارِ ہند کے سب سے بڑے بت کی شکست و ریخت کے لیے یہاں آیا ہے۔ تو اپنے اس ناچیز کی مدد فرما۔"

پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے تو محمود نے اپنی سپاہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"مسلمانو! آج ہمیں تم سے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے۔ تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ دشمنوں کی کثرت سے تم ہرگز خوفزدہ نہ ہونا۔ جنگ کے دوران یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ غزنی یہاں سے ہزاروں میل دور ہے لیکن جنت بہت قریب ہے۔"

اس کے بعد خونریز جنگ ہوئی تو شام سے پہلے ہی اس کا فیصلہ محمود کے حق میں ہو چکا تھا۔ محاصرین کی بے شمار تعداد قتل اور بقیہ فرار ہو چکے تھے۔ محمود، علی مردان کی رہنمائی میں کر دفر کے ساتھ سومنات کے مندر میں داخل ہو گیا۔ اندر مفتوح اور شکست خوردہ دشال پروہت بھیم دیو اور دوسرے پجاری صف بستہ بت کے سامنے کھڑے تھے۔ محمود اپنے امرا کے ساتھ بت کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری گرز تھا۔ علی مردان ہندوانہ لباس میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بھیم دیو نے اسے حیرت سے دیکھا اور نظریں جھکا لیں اور اپنی زبان میں بولا "تو ہم نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی!" پھر درخواست کی "ست پال جی! ہم تمہارے اصل نام سے واقف نہیں ہیں ورنہ اسی نام سے مخاطب کرتے۔ تم اپنے بادشاہ سے ہماری سفارش کر دو۔ وہ جتنی دولت چاہے ہم سے لے لے لیکن سومنات جی کو نہ توڑے۔"

محمود نے علی مرداں سے پوچھا "یہ کیا کہتا ہے؟"

علی مرداں نے صاف صاف بتا دیا۔ محمود نے اپنے امرا سے مشورہ کیا "کیا ہمیں اس پروہت کا کہنا مان لینا چاہیے؟"

ایاز نے مشورہ دیا "اگر ہم اس پیش کش کو مان لیں تو زیادہ اچھا ہے، اس طرح

نہ صرف ان کے دل جیت لیں گے بلکہ سومنات کے بدلے خاصی دولت بھی حاصل بھی کر لیں گے۔"

"اور اگر ہم پروہت کی پیش کش کو ٹھکرا دیں تو؟" محمود نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

"تب پھر" ایاز کہنے لگا "ہم مفتوحین کے دلوں میں اپنے لیے نفرت کے بیج بو دیں گے اور یہ بات بھی طے ہے کہ ایک سومنات توڑ دینے سے سلطان پورے ہندوستان کی بت پرستی ختم نہیں کر سکیں گے۔"

محمود نے ذرا تامل کیا، پھر کہا "ملک ایاز، ہم یہ کبھی نہیں چاہتے کہ ہمارے بعد لوگ ہمیں بت فروش محمود کہہ کر پکاریں۔ ہم محمود بت شکن کہلانا پسند کریں گے۔"

دفعتہً محمود کا گرز والا ہاتھ اوپر اُٹھا اور سومنات پر پوری قوت سے گرا۔ بت کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گیا۔ بھیم دیو اور دوسرے پجاری چیخ مار کر رو دیے۔ بت کا اوپری چھاپیے کی طرح گول حصہ عین اس جگہ گرا، جہاں اسماعیل کے خون کا بڑا دھبّا سیاہ پڑ چکا تھا۔

علی مردان، سلطان سے نظریں بچا کر اس پر جھک گیا اور آہستہ سے کہا "اسماعیل تمہارا خون رائیگاں نہیں گیا۔ جس سومنات کے قدموں تلے تمہیں قربان کر دیا گیا تھا، آج وہیں تمہارے خون پر خود سومنات قربان کر دیا گیا ہے!"

علی مردان، محمود کی اجازت کے بعد چندراوتی سے ملنے گیا۔ وہ مغموم اور اداس خیمے میں بیٹھی تھی۔ علی مردان نے اسے مطلع کیا "چندراوتی! سومنات فتح ہو گیا ہے اور آج مندر اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اب تمہارے حجروں میں محمودی سپاہ رہی ہے۔"

چندراوتی پر اس بری خبر کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ ٹکٹکی لگائے ذرا دیر علی مردان کو دیکھتی رہی پھر بولی "اور کیا ہوا؟"

علی مردان نے جواب دیا "اور سومنات جی کو سلطان کے گرز نے پارہ پارہ کر دیا۔ اور سومنات جی کا سر ٹوٹ کر وہیں گرا، جہاں اسماعیل نامی مسلمان قتل کیا گیا تھا!"

چندراوتی نے غیر جذباتی لہجے میں پوچھا "سومنات جی ٹوٹ گئے اور اسے توڑنے

والے اب بھی زندہ ہیں۔"

"ہاں۔" علی مردان نے جواب دیا۔ "نہ صرف زندہ ہیں بلکہ انھیں تو سومنات جی کا بیش بہا خزانہ بھی ہاتھ لگا ہے۔ جس کی قیمت کا اندازہ سوا پانچ کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔"

چندراوتی نے پوچھا۔ "وشال پروہت کہاں ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "وہ کہیں چلے گئے۔ کسی کو کچھ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلے گئے۔"

چندراوتی نے نیا سوال کیا۔ "رتن سین کہاں ہے؟"

علی مردان نے جواب دیا۔ "اس کا بھی کچھ نہیں پتہ، شاید وہ میدانِ جنگ میں مارا جا چکا ہے۔"

چندراوتی نے ایک بار پھر غور سے علی مردان کو دیکھا اور پوچھا۔ "اور وہ متھرا کا یاتری کہاں چلا گیا؟"

علی مردان چکرا گیا اور اس سے فوری کوئی جواب نہ بن پڑا۔ شرما کر بولا۔ "میں تمہارے سامنے جو کھڑا ہوں۔"

چندراوتی نے پوچھا۔ "تمھیں کوئی سزا نہیں دی گئی؟"

"نہیں!" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی سزا نہیں دی گئی بلکہ میری وجہ سے تم خود عتابِ سلطانی سے محفوظ ہو۔"

چندراوتی ہارے ہوئے، اپنی قسمت پر شاکر سپاہی کے انداز میں بولی۔ "ست پال جی! خوب اب تم اپنی اصل پر آ گئے۔ تم یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ میری آنکھوں نے تمھیں پہچانا نہیں تھا لیکن یہ میرا ناسک بنا اور دل کا دُھکا دُکھا، جس نے تمھیں زندہ رکھا۔ میں اندر سے بہت دکھی ہوں اور اسی دُکھ نے مجھے بے حد رحم دل بنا دیا ہے۔ تم مسلمان ہو، یہ بات میں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔"

علی مردان کی وہ حالت ہوئی جو کسی چور کی ایک ایسے شخص کے روبرو ہوا کرتی ہے جو جانتے بوجھتے اپنے مال کی چوری کراتا رہا ہو اور آخر اس کا چور پر انکشاف ہو جائے۔

علی مردان نے افسوس سے کہا۔ "چندراوتی، میں جس مقصد سے سومنات آیا تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔ ہم موحد لوگ سومنات والوں کا تکبر اور کفر خاک میں ملانے آئے تھے۔ تم نے مجھ پر جو احسانات کیے ہیں، ان کا اتارنا ناممکن ہے۔ پھر بھی جیسا تم چاہو گی اسے ٹالا نہیں جائے

گا۔ میرا اور تمہارا عہد اپنی جگہ برقرار رہے گا مگر شاید اس صورت حال میں تم اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکو۔"
چندرادتی نے ہنس کر کہا۔" اگر کر سکو تو ایک کام کردو۔"
"بتاؤ۔"
"واپسی سے پہلے مجھے قتل کردو۔"
علی مردان نے افسوس سے جواب دیا۔" ایسا نہیں ہو سکتا۔"
"پھر مجھے میرے اپنے ہی حجرے میں رہنے دو۔"
"یہ منظور ہے، ایسا ہی ہوگا۔"
اور چندرادتی کو خیمے کی قید سے نکال کر اس کے اپنے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔
محمود چار ماہ تک سومنات میں ٹھہرا رہا۔ اسے یہ جگہ اتنی اچھی لگی کہ وہ مستقلاً یہاں رہ جانا چاہتا تھا۔ وہ غزنی کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کے سپرد کر کے گجرات کو اپنا مستقر بنانا چاہتا تھا لیکن اس کے امرا، جو پردیس سے اکتائے ہوئے تھے، محمود کے ارادے میں مزاحم ہوئے اور غزنی واپس چلنے پر مجبور کردیا۔

علی مردان، چندرادتی سے ـــــ بار بار ملا اور اس کے وجود میں حلول زہر کی بابت پوچھتا رہا لیکن چندرادتی ہمیشہ ٹال گئی۔ اس نے کہا۔" میرے اس انکشاف سے ہندو دھرم کے ایک مہلک ہتھیار کا اس کے مخالفوں کو علم ہو جائے گا۔"
علی مردان نے کہا۔" خیر تمہاری مرضی لیکن اب کوئی راز نہیں رہا۔ جسے تم چھپانا چاہتی ہو، شاید میں وہ سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔"
پھر جب محمودی سپاہ غزنی واپس جانے لگی تو علی مردان چندرادتی سے الوداعی ملاقات کرنے گیا، بولا۔" چندرادتی! میں غزنی واپس جا رہا ہوں۔"
"اچھا!" چندرادتی نے غیر جذباتی آواز میں کہا۔
علی مردان نے پوچھا۔" تم یہاں کس کے سہارے رہو گی؟ سومنات تو ایک انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ یہاں کا تو نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔ کیا تمھیں اپنے عہد و پیمان کا خیال نہیں رہا۔"
چندرادتی نے جواب دیا۔" مجھے سب کچھ یاد ہے لیکن ایسے عالم میں کیا مجھ پر اس عہد کی پاسداری لازم ہے، جب کہ بساط ہی الٹ گئی ہو۔ بہرحال اگر زنن سین زندہ ہوتا تو میں اسی کے سہارے زندہ رہ جاتی!" پھر کچھ سوچ کر بولی۔" اگر تم ایک وعدہ کرو تو

میں تمہارے ساتھ غزنی چل سکتی ہوں۔"

رتن سین کے ذکر سے علی مردان نے رقابت محسوس کی لیکن غزنی چلنے کی خواہش نے اُسے اسی قدر خوش بھی کر دیا۔ بولا۔" بولو، تم جو کہو گی میں پورا کروں گا۔"

چندراوتی نے کہا،" میں جنم جنم کی ہندو ہوں۔ ہندو دھرم نہیں چھوڑ سکتی۔ گو ہندو دھرم نے مجھے کوئی خوشی نہیں دی اور مجھے زہر آلود کر کے میری زندگی بھر کی خوشیاں چھین لی ہیں۔ پھر بھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے قدیم مسلک سے یکلخت منحرف ہو جاؤں۔"

علی مردان نے کہا،" جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو چندراوتی! پہیلیاں نہ بجھاؤ۔"

چندراوتی نے کہا،" میں چاہتی ہوں کہ غزنی جا کر تم مجھے مذہب بدلنے پر مجبور نہ کرو۔ تم لوگ مجھ سے میرے پرانے عقیدے نہ چھینو۔"

علی مردان نے جواب دیا،" تم اس کی بالکل فکر نہ کرو چندراوتی، ہمارے رسول نے فرمایا ہے، لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین میں جبر نہیں ہے) تم پر مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔"

واپسی میں محمود نے سندھ کا ایک ایسا راستہ اختیار کیا جو غیر آباد اور دشمنوں کی مزاحمت سے پاک تھا۔ سومنات جی کے چار ٹکڑوں میں سے دو مکے اور بغداد روانہ کر دیئے گئے اور دو غزنی پہنچ گئے۔ محمود نے سومنات کا ایک ٹکڑا جامع مسجد غزنی کی چوکھٹ میں اور دوسرا ایوانِ سلطنت کے صحن میں پیوست کرا دیا۔ جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آتے جاتے انھیں اپنے پیروں سے روند کر گزرا کریں۔

غزنی میں علی مردان کو چندراوتی کی خواہش پر اس کے لیے سانپوں کا انتظام بھی کرنا پڑا۔ یہیں اس پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ چندراوتی کھانے میں سنکھیا استعمال کرتی ہے۔ سنکھیا ملا ہوا کھانا کھانے کے بعد چندراوتی خود کو سانپوں سے ڈسواتی اور پھر بے سدھ ہو کر کسی نشرا کی طرح بستر پر دراز ہو جاتی۔

ایک دن اسے سومنات جی کے روبرو کیا ہوا عہد و پیمان شدّ و مد سے یاد آ گیا۔ اس نے باہر جاتے ہوئے علی مردان کو روک لیا۔ بولی،" علی مردان! کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں تمھیں ست پال جی کہہ کر ہی مخاطب کیا کروں؟"

"بشوق چندراوتی! اس میں مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

پوچھا،" تم کبھی قرآن بھی پڑھتے ہو بھلا؟"

اس نے جواب دیا "کبھی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے چندراوتی، روز ہی پڑھتا ہوں میں قرآن!"

بولی "تم اپنا قرآن میرے پاس لے آؤ"

علی مردان قرآن پاک لے کر اس کے پاس چلا گیا۔

کہنے لگی "اسے اپنے سر پر رکھو"

جب علی مردان نے قرآن سر پر رکھ لیا تو کہنے لگی "اب میں جو کہوں تم اسے اپنی
ن سے ادا کرتے جاؤ"

علی مردان نے کہا "کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ کہنے لگی "کہو، قرآن پاک کی قسم، جب تک میں زندہ ہوں، تم کسی اور لڑکی
ورت سے شادی نہیں کرو گے؟"

علی مردان نے کسی پس و پیش کے بغیر قسم کھالی۔ اس کے بعد اس نے چندراوتی
غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون پایا جاتا تھا۔ غضب کی طمانیت اور بے
ہا سادگی۔

علی مردان نے نرمی سے پوچھا "چندراوتی، اب جبکہ میں تمہاری خواہش پوری کر چکا
ں، کچھ میں بھی تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کا صحیح صحیح جواب دو گی؟"

چندراوتی نے اپنی نشیلی آنکھیں اوپر اٹھا دیں، ان میں سرخ سرخ ڈورے
چھکے تھے۔ بولی "پوچھو، میں جھوٹ نہیں بولوں گی"

علی مردان نے کہا "چندراوتی! ہم دونوں ہی یہ بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں
کہ ہم ایک دوسرے سے وابستہ نہیں ہو سکتے۔ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں۔ پھر
ن حالات میں ایسی قسم کی کیا ضرورت تھی؟"

چندراوتی کو اس سوال سے دکھ بھی پہنچا اور غصہ بھی آیا، بولی "ست پال جی!
ا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

"تمہیں چاہتا کیوں نہیں چندراوتی، میں تو تمہیں جنون کی حد تک چاہتا ہوں۔
ان اتنی دور غزنی تمہیں لانے کا کیا مقصد تھا؟"

اس نے تڑپ کر کہا "پھر تم نے ایسا دل آزار سوال کیوں کیا؟"

علی مردان نے دیکھا، چندراوتی کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، شدت جذبات میں
راوتی کو سینے سے لگا لیا، بولا "چندراوتی! میں معافی چاہتا ہوں کہ میں نے تمہارا
ں دکھا دیا"

چندراوتی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے علی مردان کو دیکھا اور کہنے لگی "ست پال جی

میں بہت خود غرض ہو گئی ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور محبت خود غرض ہوتی ہے
جب تک میں زندہ ہوں، میں نہیں چاہتی کہ تم پر کوئی اور عورت متصرف ہو جائے حالانکہ میر
حیثیت ہی کیا ہے۔"

علی مردان نے اسے پوری قوت سے بھینچ لیا۔ چندراوتی کی سسکی نکل گئی

غزنی میں رہتے ہوئے ڈھائی سال گزر گئے۔ کرب و اذیت عشق اور اس کی شورش
کی مدت، چندراوتی اس سے بہت قریب اور اس سے بہت دور تھی۔ علی مردان سے اس
نے عہد لیا تھا، اب اس پر شرمندہ سی رہنے لگی تھی۔ علی مردان اداس اداس، مایوس
مایوس اس کے پاس آتا۔ دلچسپ باتیں کرتا اور سر جھکائے واپس چلا جاتا۔ کبھی کبھی
بات اس سے آگے بھی بڑھ جاتی۔ ہم آغوشیاں بھی ہوتیں لیکن اس میں شدت کی
بجائے احتیاط کارفرما ہوتی۔ جیسے کوئی آگ سے خوفزدہ ہو کر اس سے بچا بچا رہتا ہے
چندراوتی اب کچھ چڑچڑی سی ہو گئی تھی، شاید اسے یہ احساس شدت کے ساتھ ہو
لگا تھا کہ اس نے اپنی محبت کی خاطر علی مردان پر بڑا ظلم کیا ہے۔ بڑی زیادتی کی ہے

اسی دوران دربار محمودی کا بے مثل عالم ابوریحان البیرونی اس عجیب و غریب
زہریلی عورت سے ملنے آیا۔ اس عالم نے علی مردان پر یہ انکشاف کیا کہ ہندو قوم اپنے
دشمنوں کے لیے جو حربے یا ہتھیار استعمال کرتی ہے، یہ زہریلی عورتیں بھی انھی میں شامل
ہیں۔ اس نے بتایا کہ کسی ذہین ترین ہندو نے یہ خطرناک طریقہ دریافت کیا تھا کہ اگر
خوبصورت بچوں کو بچپن ہی سے نہایت محتاط طریقے سے سنکھیا کا عادی بنا دیا جائے ا
انھیں اتنی سنکھیا کھلا دی جائے جو زندگی کے لیے مہلک نہ ہو تو اس کی مقدار میں
بتدریج اضافہ کر کے لڑکی کو جوان ہوتے ہوتے زہریلا بنایا جا سکتا ہے اور آخر
یہی سنکھیا کھاتے کھاتے لڑکی کے جسم کی غذا اور ضرورت بن جاتی ہے۔ پھر

ان لڑکیوں کو سانپوں سے ڈسوا کر، ان کے خون میں مزید زہر دوڑا دیا جاتا ہے۔ جب یہ
حسین لڑکیاں پوری طرح زہریلی ہو جاتی ہیں تو پھر انھیں اپنے دشمنوں کے پاس بھیج
کر، ان کے بڑے آدمیوں کو ان سے ڈسوا کر ہلاک کروا دیا کرتے ہیں۔"

علی مردان، ابوریحان البیرونی سے پوری محویت اور انہماک سے ساری باتیں سنتا
رہا۔ اسے جھرجھری سی آ گئی۔

چندراوتی کو کچھ پتہ نہ تھا کہ علی مردان سب کچھ جان چکا ہے، ایک دن شام کو
جب وہ چندراوتی سے ملنے پہنچا تو وہ بہت اداس تھی۔

علی مردان کو سامنے بٹھا کر دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر پوچھا "ست پال جی! اب
بھارت ورش کب جانا ہوگا؟"

علی مردان نے جواب دیا "جب بھی بادشاہ کا حکم ہوگا۔"

تشویش سے بولی "تو تم جاؤ گے ضرور؟"

"ہاں، شاید ضرور!"

بولی "لیکن اب تم وہاں نہ جانا کیونکہ وہاں میری ہی جیسی اور چندراوتیاں
بھی موجود ہیں اور ہر چندراوتی میری طرح ہرگز نہ ہوگی۔ ان میں سے کوئی بھی تمھیں ڈس
کر ہلاک کر دے گی۔"

پھر کچھ دیر چپ رہ کر علی مردان کی شکل دیکھتی رہی، بے خیالی میں پوچھا "ست
پال جی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

علی مردان نے جواب دیا "چندراوتی! کیا تم بھول گئیں کہ ہم دونوں ایک
دوسرے کی زندگی میں شادی نہیں کر سکتے۔ ہم نے قسمیں کھا رکھی ہیں۔"

چندراوتی نے افسوس سے کہا "ہاں، وہ مجھے یاد ہے لیکن میں اس عہد
کو توڑنے کی اجازت دیتی ہوں۔" پھر آنکھیں بند کر لیں، کہنے لگی "مجھے تم سے ایسی
قسم نہیں لینی چاہیے تھی، میں نے تم پر ظلم کیا ہے۔"

علی مردان نے اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے دامن
سے پونچھ دیا، بولا "لیکن میں اپنے اس عہد پر شرمندہ نہیں ہوں۔ چندراوتی میں شادی نہ
کر کے بھی بہت خوش ہوں۔ میرا محبوب میرے پاس ہے۔"

وہ کرب کی ہنسی سے بولی "تم جھوٹ بولتے ہو ست پال جی، تم سچ نہیں
بول رہے، تم بہت کرب میں ہو۔"

علی مردان نے جلدی جلدی کہا "میں تمھیں اس بات کا کس طرح یقین دلاؤں
چندراوتی کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے ہوتے ہوئے اور عورت کے بارے میں
سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بھگوان نے چاہا تو میں تمھیں تمہارے عہد سے نجات دلا دوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

چندراوتی کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید اس وقت وہ سومنات میں موجود تھی۔ اپنے
مندر میں، جہاں بے پناہ چہل پہل تھی، بڑی رونقیں تھیں، پجاریوں کا اژدہام، دیوداسیوں
کی بھیڑ، گانے والیوں کا ریلا، سازندوں کا مجمع، یاتریوں کی ریل پیل، گھنٹیوں کا شور،
شنکروں کا ہلا۔ جس میں اس کے اپنے عقیدے کے مطابق ایک عظمت تھی، ایک شان تھی،

ایک شکوہ تھا، سومنات جی کا عظیم الشان وجود اور پھر اس کا محمود کے ہاتھوں ٹوٹ جانا۔ چندراوتی نے خواب وخیال سے آنکھیں کھولیں تو علی مردان سے کہنے لگی۔ "ست پال جی! تمھیں وہ دن یاد ہیں نا جب رتن سین اور تم مجھے ناستک سمجھنے لگے تھے؟"

علی مردان نے جواب دیا۔ "ہاں یاد ہیں لیکن اب اس ذکر سے فائدہ؟"

"فائدہ تو کوئی نہیں۔ پھر بھی سومنات جی کی تباہ کاری اور اپنے شان دار اور چہل پہل سے معمور ماضی کے شمسان پر جب نظریں ڈالتی ہوں تو دل پر ایک گھونسا سا لگتا ہے اور مجھے اپنے آپ پر بے حد افسوس ہوتا ہے کہ میں آخر ناستک کیوں ہو چلی تھی ان دنوں — اب غزنی میں شدت سے یہ محسوس کرتی رہتی ہوں کہ میں ہندو تھی، ہندو ہوں اور ہندو رہوں گی۔ یہ تو جنم جنم کا دھرم ہے۔ پر اس دھرم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لینے کے سوا دیا کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی میں اسے اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔" پھر آنکھیں بند کرکے کرب سے بولی۔ "کاش میرا ماضی مجھے واپس مل سکتا ست پال جی! تم مسلمان، تم سے محبت، ہندو دھرم سے محبت، کتنی متضاد محبتیں یکجا ہو گئی ہیں، خوب!"

علی مردان نے یہ محسوس کیا کہ چندراوتی کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس رات علی مردان سو نہ سکا۔ اسے رہ رہ کر چندراوتی کی باتیں یاد آتی رہیں اور اس کی بے بسی علی مردان کو خون کے آنسو رلاتی رہی۔ اس رات علی مردان کو اس پہلے ہندو پر بھی بڑا غصہ آیا جس نے زہر آلود کنیاؤں کا حربہ ایجاد کیا تھا۔ وہ رات بھی بڑی سرد تھی۔ برف باری ہو رہی تھی۔ جب صبح موذن نے یہ آواز بلند کہا کہ "نماز نیند سے بہتر ہے" تو وہ اٹھ بیٹھا اور فجر کی نماز کے لیے جامع مسجد روانہ ہو گیا۔

مسجد کے دروازے پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ لوگ مشعلیں لیے اس کی روشنی میں جھکے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ علی مردان بھی لوگوں کو چیرتا ہوا وہیں پہنچا اور مسجد کی چوکھٹ پر ٹھٹک گیا۔ وہاں خون میں لت پت، سردی سے اکڑی ہوئی چندراوتی کی لاش پڑی تھی۔ اس نے خود ہی خنجر سے اپنا پیٹ چاک کر لیا تھا۔ اس کے قریب ہی سومنات جی کا وہ ٹکڑا تھا جو محمود نے نمازیوں کے قدموں سے روندنے کے لیے دروازے کے فرش میں جڑ دیا تھا۔ چندراوتی کے پیٹ سے ابل کر نکلنے والا خون سومنات جی کا ٹکڑا تر کرکے دور تک بہا چلا گیا تھا۔

سفید عورت

سفید عورت

سفید فام تاجروں کا ایک جوڑا لکھنؤ کی حسین اور رومان پرور فضا میں عشق اور کاروبار ایک ساتھ کرتا رہا سفید عورت نے ایرانی نژاد ہندوستانی نواب سے ٹوٹ کے محبت کی اور اپنے طرزِ عمل سے ایک زمانے پر یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ عشق اور تجارت ایک ساتھ بھی چل سکتے ہیں۔ کہانی نہیں مشرق اور مغرب کا ایک معیار دونوں کے اخلاقی اقدار اور قد و قامت کا میزان

دونوں میاں بیوی لندن سے ہندوستان اس لیے پہنچے تھے کہ وہاں دولت کی ریل پیل تھی، اور انگلستان کا جو شخص بھی ہندوستان میں کچھ عرصے رہ کر واپس گیا تھا، وہ دولت مندی کے اعتبار سے امرا میں شمار کیا جانے لگا تھا۔ جان مل اور کیتھرائن کی شادی ایک دوسرے کی پسند سے ہوئی تھی۔ جان مل شاعر تھا اور کیتھرائن اس کی شاعری کی دلدادہ، لیکن جان مل کی معاشی بدحالی نے عشق، شاعری اور شادی کا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا تھا۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی غیر معمولی سیاسی قوت حاصل کر چکی تھی اور اس کے دائرۂ اثر میں تقریباً پورا ہندوستان آچکا تھا۔ کمپنی کے اثر و اقتدار اور ہندوستان کی دولت مندی کا ذکر دونوں میاں بیوی رغبت اور توجہ سے سنتے اور سن سن کر غیر معمولی ترغیب اور تحریص محسوس کرنے لگتے۔ لندن میں وہ کافی مقروض ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے سوچا کہ جس طرح بھی ممکن ہو کمپنی میں ملازم ہو کر ہندوستان پہنچا جائے اور دولت کا خزانہ کما کے، قرضوں سے سبکدوشی حاصل کر کے بقیہ زندگی عیش و عشرت میں گزاری جائے۔ انتہائی بھاگ دوڑ اور جوڑ توڑ کے بعد جان مل نے کلرکی کی اسامی حاصل کر لی اور کیتھرائن کے ساتھ کلکتے پہنچ گیا۔ کلکتے کے مان سونی موسم نے انھیں پریشان کر دیا۔ یہاں مچھروں کی بڑی بہتات تھی، کیتھرائن بیمار رہنے لگی۔ کمپنی نے ازراہِ مہربانی اسے اودھ کے ریزیڈنٹ کے عملے میں منتقل کر دیا۔ جان مل کیتھرائن کو لے کر لکھنؤ پہنچ گیا۔ یہ غازی الدین حیدر، رفیع الدولہ کا زمانہ تھا۔

چند ماہ گزارنے کے بعد ہی دونوں کو خوب اندازہ ہو گیا کہ خشک تنخواہ سے کام نہیں چلے گا اور مستقبل کے سارے منصوبے شاعرانہ خواب و خیال بن کر بکھر جائیں گے

دونوں میاں بیوی فرصت کے لمحات صلاح و مشورہ اور غور و فکر میں گزار دیتے۔ ان فرصت کا ایک ہی موضوع تھا کہ زیادہ سے زیادہ دولت کس طرح کمائی جائے؟ کیتھرائن نے اسے مشورہ دیا کہ "تمہیں ملازمت کے علاوہ کوئی کاروبار بھی کرنا چاہیئے۔"

جان نے افسوس سے جواب دیا۔ "ایسا تو کر سکتا ہوں لیکن کمپنی کا قانون ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

کیتھرائن نے رنج زدہ لہجے میں کہا۔ "میں یہ کب کہتی ہوں کہ کاروبار اپنے نام سے خود کرو، کسی دیسی کے کاروبار میں شریک بن جاؤ اور اپنے حصّے کا نفع لیتے رہو۔"

جان کے لیے یہ مشورہ فکر انگیز ضرور تھا۔ اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد

سوال کیا۔" اور اگر اس کا بھانڈا پھوٹ گیا تو؟ کیونکہ جہاں تک میں ان دیسیوں کو سمجھا ہوں یہ لوگ وفادار اور رازدار نظر نہیں آتے۔"

کیتھرائن نے آزردگی سے جواب دیا۔" بہرحال کچھ بھی ہو، ہمیں یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔!"

جان نے مجبوری سے کہہ دیا۔" تم کہتی ہو تو میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوں، دیکھا جائے گا!"

کیتھرائن کے صبح کی شفق جیسے رخسار خوشی میں تمتما اٹھے۔

جان نے لکھنؤ کو جس حال میں دیکھا اس سے اندازہ لگالیا کہ یہاں روپیہ کمانا کچھ ایسا مشکل کام نہیں۔ اودھ کا حاکم غازی الدّین حیدر اور اس کا وزیر آغامیر معتمدالدّولہ.. فضول خرچیوں میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، بات بات پر نااہلوں کو ہزاروں روپے بخش دیا جاتے تھے۔ وہ کسی ایسے موقع کی تاک میں رہنے لگا جس میں اس کی ملاقات اودھ حکمراں یا وزیر سے ہو جائے اور وہ انھیں بے وقوف بنا کے کچھ کمائی کرلے۔ اس سردست کالکا پرشاد نامی ایک تاجر سے خفیہ معاملہ کرلیا اور کپڑے اور نیل کا کاروبار شروع کردیا اور اس سے کچھ بڑی بھلی آمدنی بھی ہونے لگی۔ کالکا پرشاد کئی بار جان کے گھر پر بھی آیا اور کیتھرائن کے حسنِ خداداد سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک دن جان کو بطور خاص سمجھاتے ہوئے بتایا۔" جان! اب جبکہ تم میرے کاروبار کے ایک شراکت حصے دار بن چکے ہو، یہ میرا فرض ہے کہ اپنا نقصان ہو یا کسی غیر کا، اس سے پہلے تم کو مطلع کر دوں۔"

جان نے جواب دیا۔" مجھے عربی کی یہ مثل بہت پسند ہے کہ دوست وہ ہے جو تلخ بات کہہ کر رُلا دے، کیا تم ہر وہ بات جس سے تم واقف ہو اور میں ایک اجنبی کی حیثیت سے اس سے واقف نہیں، صاف صاف ہمیں بتا دو گے۔ ہر وہ بات جس سے تم واقف ہو۔"

کالکا پرشاد نے شرارت آمیز ہنسی ہنستے ہوئے آنکھ ماری اور کہا۔" اپنی سندر ناری کو مسلمانوں سے بچا کر رکھنا، عورت کے معاملے میں ان پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔"

جان نے کہا۔" کیتھرائن میری بیوی ہے، اب کوئی کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

کالکا پرشاد نے جواب دیا۔" اجی جناب بیوی ہی تو ہیں مسز کیتھرائن، کیا بیوی بہلا اور ورغلایا نہیں جا سکتا؟ کیا بیاہتا عورتیں اِدھر سے اُدھر نہیں ہو جایا کرتیں؟"

جان واقعی فکرمند ہو گیا، کچھ دیر بعد بولا۔ "لیکن پنڈت جی، مجھے اپنی کیتھرائن پر اعتماد ہے، اسے کوئی شخص بھی نہیں ورغلا سکتا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" کالکا پرشاد نے شانے اچکائے۔ "پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ ذرا ہوشیار، خبردار ضرور رہنا۔ مسلمان کچھ کم چالاک نہیں ہیں۔"

کالکا پرشاد تو یہ شگوفہ چھوڑ کر رخصت ہو گئے لیکن جان بہت اداس اور فکرمند ہو گیا۔

جب وہ اندر کیتھرائن کے پاس پہنچا تو ذہین بیوی نے شوہر کے اندوہ وملال کو اس کے چہرے ہی سے پڑھ لیا۔ وہ دیر تک اس رنج وغم کا سبب دریافت کرتی رہی لیکن جان نے اس کا کوئی معقول جواب نہ دیا۔ بالکل آخر میں بیوی سے غیر متوقع سوال کیا۔ "کیتھرائن! میں تم سے ایک سوال کروں؟ تم اس کا صحیح جواب دو گی؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "کیجیے سوال، میں جھوٹ سے نفرت کرتی ہوں۔"

جان نے کہا۔ "کیتھرائن! یہ اودھ ہے لکھنؤ، یہاں کا پورا معاشرہ جنسی اعتبار سے حس بے راہروی اور بے اعتدالی کا شکار ہے، اس سے تم بھی خوب اچھی طرح واقف ہو۔ اودھ کے بادشاہ، وزیر اور نوابوں کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں، شہزادوں ن کی دولت کی چکا چوند اور نوابوں کی شان و شوکت اور پرچانے پھسلانے کے انداز کچھ اتنے دل نشین ہوتے ہیں کہ ان کا شکار بمشکل ہی بچتا ہے۔۔۔۔"

کیتھرائن اس کا مطلب سمجھ گئی، تکلیف اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ن کر سامنے آ کھڑی ہوئی، غصے میں اس کا سینہ اوپر نیچے ہونے لگا۔ تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ قریباً چیخ کر بولی۔ "تم مجھے سمجھتے کیا ہو جان؟ کیا میں اتنی نیچ اور چیپ ہوں کہ اودھ کے ھسلوں کی باتوں میں آ جاؤں گی؟ تم نے مجھ پر اس قسم کا شبہ کیوں کیا؟ میں تمہیں کبھی بھی معاف کروں گی۔"

جان اپنے سوال پر نادم ہو گیا۔ وہ فرط جوش میں آگے بڑھا اور پوری قوت سے کیتھرائن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ بولا۔ "غلطی ہوئی کیتھرائن، مجھے معاف کر دو، مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا تھا کہ میں تم سے ایسا بے ہودہ سوال کر بیٹھا!"

پہلے تو کیتھرائن نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن جان کے زبردست اور طاقتور بازوؤں سے رہائی نہ پا سکی، آخر ناچار، مجبور ہو کے اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ گرمی کے دن تھے۔ دو بجے کے بعد کیتھرائن اور جان اپنے گھر میں جا گھسے تھے، کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں پر خس کی ٹٹیاں کھڑی تھیں اور ایک ملازم ذرا وقفے وقفے سے ان پر پانی چھڑک رہا تھا۔ دونوں میاں بیوی کچھ دیر سو کر بیدار ہو چکے تھے اور ان قرض خواہوں کا ذکر کر رہے تھے جو لندن میں ان کی واپسی یا اپنی رقم کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دونوں نے یہ سوچا تھا کہ قرض کی رقم وقتاً فوقتاً لندن روانہ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وطن واپس جائیں گے تو اُن کے ذمے قرض نام کی ایک دمڑی تک نہ ہو گی لیکن پورا ایک سال گزار دینے کے بعد بھی جان کی مالی حالت ایسی نہ تھی جس پر وہ اطمینان کا سانس لے سکتا۔ کالکا پرشاد کے کاروبار میں جو رقم لگائی تھی، اس کا نفع ابھی تک وصول نہ ہوا تھا۔ کالکا پرشاد کے بقول یہ رقم کاروبار میں پھنسی ہوئی تھی اور اس کے وقتاً فوقتاً قسطوں میں وصول ہونے کا امکان تھا

جان اور کیتھرائن ایک ایسے ہم وطن سے بھی واقف تھے جو غازی الدین حیدر کا خاصہ تراش (حجام) تھا اور چند سالوں کی مدت میں اودھ کے حکمران سے اتنے اکرام و انعام حاصل کر چکا تھا کہ بڑے بڑے امرا بھی اس کی دولتمندی کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ دونوں میاں بیوی اپنے ہم وطن حجام کو رشک کی نظروں سے دیکھتے اور سوچتے کہ یہ کلرکی بھی کوئی کام ہوا جس میں خشک تنخواہ کے سوا کوئی گنجائش ہی نہیں۔ جان سوچتا کہ اگر وہ کسی طرح غازی الدین حیدر کا قرب یا مصاحبت حاصل کر لیتا تو چشم زدن میں وہ بھی دولت مند ہو سکتا تھا لیکن اس قرب یا مصاحبت کی کوئی تقریب سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ ریذیڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھا۔ کئی بار تو یہ جی میں آئی کہ ریذیڈنسی سے استعفا دے کر نواب کے دربار میں ملازم ہو جائے لیکن یہ سارے کام اتنے آسان نہ تھے کہ ان پر فوراً ہی عمل درآمد کر سکتا۔ کیتھرائن کا بس ایک ہی مطالبہ تھا کہ کسی بھی طرح مالی حالت اتنی مستحکم ہو جائے جتنی امیدیں اور توقعات لے کر دونوں ہندوستان آئے تھے، جان، کیتھرائن کے مطالبے پر اسے جھڑک بھی نہ سکتا تھا کیونکہ اس کا یہ مطالبہ صد فی صد درست تھا۔ وہ دونوں ابھی مسائل پر باتیں کر رہے تھے کہ خانساماں نے مخل ہونے کی اجازت چاہی، جان نے اُسے اندر بلا لیا۔ جان نے پوچھا "خدا بخش! کوئی خاص بات؟"

عمر رسیدہ خدا بخش نے جواب دیا۔ "بہت ہی خاص بات ہے!" اتنا کہہ کر وہ کیتھرائن کی صورت دیکھنے لگا، گویا اسے کیتھرائن کے سامنے وہ بات کہنے میں تامل ہو۔

جان نے کہا: "خدا بخش! تمھیں جو کچھ بھی کہنا ہے، میم صاحب کے سامنے ہی کہہ دو

میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔"

خدا بخش نے اٹک اٹک کر کہا۔ "جناب، ذرا میرے ساتھ تشریف لائیں، میں میم صاحب سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا لیکن درپیش مسئلے میں صرف جناب ہی کی ضرورت ہے۔ تفصیلات آپ خود ہی میم صاحبہ کو بتا دیجیے گا۔"

جان نے معنی خیز نظروں سے کیتھرائن کو دیکھا، اس نے اجازت دے دی کہ خدا بخش کے ساتھ چلے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ جان خانساماں کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا۔

خدا بخش اُسے بنگلے کے اسٹور کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "جناب من! یہ بات نہیں ہے کہ میں آپ کو کسی قسم کا لالچ دے رہا ہوں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اگر جناب نے اپنی قومی روایات کے مطابق انسانیت کا ثبوت دیا تو مستقبل میں اس سے بڑے فائدے اُٹھانے کو ملیں گے ورنہ یوں بھی کسی مصیبت زدہ کا ساتھ دینا انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔"

تھوڑی دیر بعد خدا بخش نے جان کو اسٹور کے اندر ایک ایسے شخص کے روبرو کھڑا کر دیا جو خوبصورتی اور جامہ زیبی کا نمونہ تھا اور عمر بھی تیس سے زیادہ نہیں تھی، لکھنوی باس میں ملبوس یہ خوش وضع شخص جان کو دیکھ کر ایک افسردہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لے آیا۔

خدا بخش نے اس شخص سے کہا۔ "صاحب موجود ہیں۔ جو کچھ کہنا سننا ہے فوراً کہہ سن لیں۔ امید ہے کہ صاحب آپ کو دھوکا نہیں دیں گے۔"

اس شخص نے پُروقار لہجے میں کہا۔ "ہمیں کہنا سُننا کچھ بھی نہیں، بس یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں چند دنوں کے لیے یہاں چھپا لیا جائے، اس کے بعد ہم فیض آباد چلے جائیں گے۔"

خدا بخش نے ذرا صاف صاف بات کی۔ "صاحب، بات دراصل یہ ہے کہ یہ صاحب نواب شہامت علی خاں ہیں، حضور بادشاہ غازی الدین حیدر کے نہایت قریبی عزیز۔ کل تک انھیں بادشاہ کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل تھا لیکن درمیانی فتنہ سازوں نے کسی طرح بادشاہ کے دل میں ان کے خلاف تکدر پیدا کرا دیا اور آج وہ ان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ جان کے خوف سے یہ گھر بار چھوڑ کر میرے پاس آ گئے ہیں۔ میں ان کے سابقہ خانہ زادوں میں سے ہوں، بس یہ چند دن یہاں آپ کے بنگلے میں روپوش رہیں گے اور یہ یقین ہے کہ بادشاہ ریزیڈنٹ صاحب بہادر یا ان کے عملے کے کسی شخص کی تلاشی نہیں لے سکتے، اس لیے یہ یہاں محفوظ رہیں گے۔ پھر معاملے کے رفع دفع ہوتے ہی یہ فیض آباد چلے جائیں گے۔ صاحب اگر میری خاطر سے انہیں پناہ دے دیں گے تو یہ اس ناچیز پر

پر بڑی مہربانی ہوگی۔"

جان کو فوری حامی بھرنے میں ذرا تامل ہوا۔ نواب شہامت علی خان نے بڑے شیریں لہجے میں کہا۔ "جناب! آپ فکرمند نہ ہوں، بادشاہ کے مزاج سے ہم اچھی طرح واقف ہیں، آج ناراض ہیں تو کل مُن بھی جائیں گے!"

جان نے کہا۔ "لیکن میں وعدے سے پہلے ریزیڈنٹ کی اجازت حاصل کر ضروری سمجھتا ہوں۔"

شہامت علی نے خدا بخش سے کہا۔ "خدا بخش! ہم ایک رقعہ لکھ دیں گے۔ جو صاحب بھی یہ رقعہ لے کر قصر شہامت جائیں گے انہیں دس ہزار روپے مل جائیں گے، ان دس ہ روپوں کی مدد سے ہم کچھ دن یہاں رہ کر فیض آباد چلے جائیں گے۔"

دس ہزار روپوں کے ذکر نے جان کو طمع میں مبتلا کر دیا۔ اس نے کہا۔ "میرا بنگلہ حاہ ہے، آپ شوق سے رہیے لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فیض آباد جانے کے بجائے لکھنؤ ہی میں رہیے اور بادشاہ سے تعلقات خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "ہم کوشش کریں گے، آگے جو خدا کو منظور ہو۔"

شہامت علی نے دس ہزار روپوں کے ذکر سے جو نفسیاتی اثر ڈالنا چاہا تھا، جان اس کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا کیونکہ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ گو روپیہ خدا تو نہیں ہوتا لیکن اس کی صفات خدائی ہیں، حاجتیں یہ پوری کرتا ہے اور عیب پوشی اس کی صفت

شہامت علی کو رہنے کے لیے جو کمرہ دیا گیا وہ کیتھرائن اور جان کی خواب گاہ سے ملحق تھا۔ شہامت کے منگوائے ہوئے دس ہزار روپے آ گئے اور ان کا بیشتر حصہ جان کے حوالے کر دیا گیا۔ میٹھے بٹھائے خود بخود اتنی بڑی رقم کا ہاتھ آ جانا دونوں کے لیے معجزے سے کم نہ تھا۔ دونوں شہامت علی کے گرویدہ ہو چکے تھے اور انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر شہام بادشاہ کے عتاب سے بچ گیا اور یہ دوبارہ اپنی سابقہ حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان دونوں نے دولت مندی کے اب تک جتنے خواب بھی دیکھے ہیں، شرمندۂ تعبیر ہو جائیں گے۔ جان نے کیتھرائن کو خاص طور پر ہدایت کر دی کہ اس شخص کو کسی بھی طرح ناخوش نہیں ہونے دیا جائے گا۔ کیتھرائن اور جان حیران تھے کہ یہ شخص جس روانی سے فا بولتا تھا اسی روانی سے انگریزی بھی استعمال کرتا تھا۔ باتیں اتنی دلچسپ کرتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ بذلہ سنج، لطیفہ گو، حاضر جواب، اس شخص میں بڑی خوبیاں تھیں، ایسی خوبیاں جو کسی بھی مخاطب کو متاثر کر کے مطیع و فرماں بردار بنانے کے لیے کافی تھیں۔

ابھی بنگلے میں چھپے ہوئے تین دن ہی گزرے تھے کہ شہامت علی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ار آ گیا۔ معاملہ اتنا نازک تھا کہ شہامت علی کو کسی طبیب کے پاس لے جانا بھی مشکل تھا اور ہی طبیب کو بلایا جا سکتا تھا۔ جان ریذیڈنسی کے ڈاکٹر کو دکھا سکتا تھا لیکن بات کے مشہور و جانے کا اندیشہ تھا۔ اس موقع پر بھی خانساماں خدا بخش ہی کام آیا اور وہ حکیم سے حال ہہ کر دوائیں لانے لگا۔ ان خدمات کا اسے معاوضہ اتنا زیادہ مل رہا تھا کہ خدا بخش سر کے بل دمت گزاری پر مجبور تھا۔ شہامت علی کی خوش اخلاقی اور دریا دلی کا کیتھرائن بطورِ خاص اثر بول کر رہی تھی، جان کی عدم موجودگی میں کیتھرائن ہی اس کی تیمارداری کرتی، اس مغربی حُسن ے نے شہامت علی کو بھی بے چین کر دیا تھا، وہ اپنی زبان سے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا لیکن جب بھی موقع ملتا نظریں بچا کے کیتھرائن کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا۔ یونانی دواؤں کے دھے خدا بخش تیار کرتا لیکن ان معجونوں کو پیش کیتھرائن کرتی۔ اسے دواؤں سے لبالب ھرے ہوتے پیالے پیش کرتے وقت اس خوش مذاق نواب کی ہمت کی داد دینی پڑتی جو ماری دوا غٹاغٹ چڑھا لیا کرتا تھا۔

ایک دن جب طبیعت ذرا بحال ہوئی تو شہامت علی نے سامنے بیٹھی ہوئی کیتھرائن ا بطورِ خاص شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "مسز کیتھرائن! ہم کس دل اور کس زبان سے آپ ہی مہربانی کا شکریہ ادا کریں، آپ عورت نہیں فرشتہ ہیں، معلوم نہیں ہمیں اپنے کون نیک عمال کے صلے میں آپ کا نیاز حاصل ہو گیا۔"

کیتھرائن نے مسکرا کر جواب دیا "میں نے جو کچھ کیا، اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے کیا ربی عورتوں میں بھی ایثار اور جذبۂ ہمدردی پایا جاتا ہے؟"

کیتھرائن نے برجستہ جواب دیا "مغرب کی عورتوں ہی میں تو جذبۂ ایثار اور ہمدردی یادہ پایا جاتا ہے، ورنہ میری جگہ کسی مشرقی عورت کا تصور تو کیجیے، سچ کہیے کیا وہ ایک غیر د کی اس طرح تیمارداری کر سکتی تھی؟"

"کبھی نہیں!" شہامت علی نے فوراً تائید کی "مسز کیتھرائن! ہم بظاہر تو مشرقی ہیں یکن اگر آپ ہمارے دل میں اتر کر دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم اندر سے مغربی ہیں ہمیں غربی اطوار زیادہ پسند ہیں، غلطی سے مشرق میں پیدا ہو گئے ہیں اور اپنی اس غیر اختیاری لطی پر نادم اور شرمسار ہیں!"

کیتھرائن کو اپنے بڑے پن کا شدید احساس ہونے لگا۔

شہامت علی نے کچھ سوچ کر سوال کیا "آپ کے شوہر جان کتنی تنخواہ پاتے ں؟"

کیتھرائن نے افسوس سے جواب دیا "ایک کلرک کی تنخواہ کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں؟"

شہامت علی نے کہا "آپ اپنے شوہر سے کہیئے ہمارے بادشاہ بھائی نمازی الدین حیدر کی ملازمت میں چلے جائیں، وہاں انہیں اتنا مل جائے گا کہ کمپنی کی ملازمت میں عمر بھر نہ کما سکیں گے۔"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "ہم دونوں میاں بیوی یہ دعا مانگتے ہیں کہ آپ کسی طرح اپنی سابقہ حیثیت حاصل کرلیں تو ہم بھی کچھ خواہش کریں۔"

شہامت علی نے کیتھرائن کی طرف کنجیوں کا گچھا پھینکتے ہوئے کہا۔ "ذرا ہمارا صندوق تو کھولیے نا۔"

کیتھرائن نے گچھا اٹھالیا، پوچھا۔ "اس میں سے کیا نکالا جائے گا؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "اسے کھولیے تو پھر بتائیں گے۔"

کیتھرائن نے صندوق کا تالا کھول دیا۔ شہامت علی ٹکٹکی لگائے کیتھرائن کو دیکھتے رہے۔ ان کی نظروں کی ہوس اور پیاساں دید کا شوق کیتھرائن سے چھپے نہ رہ سکے، اس نے بظاہر لاپروائی سے پوچھا۔ "صندوق میں سے کیا نکالا جائے گا؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "ذرا بائیں گوشے میں دیکھیے، تو وہاں ایک تھیلی رکھی ہے، اسے اٹھا لائیے۔"

یہ تھیلی کیتھرائن کو تلاش نہیں کرنی پڑی، بآسانی مل گئی۔ کیتھرائن نے جب اسے ہاتھ میں اٹھایا تو پتہ چلا کہ وہ وزنی ہے۔ اس نے تھیلی شہامت علی کے ہاتھ میں تھمادی اس نے دانستہ تھیلی کو اس طرح پکڑا کہ کیتھرائن کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوگیا۔ کیتھرائن نے شاید محسوس بھی نہ کیا ہو لیکن شہامت علی کے رگ و پے میں ایک آگ سی دوڑ گئی۔

نواب نے یہ تھیلی دوبارہ کیتھرائن ہی کی طرف بڑھادی، کہنے لگے: "مسز کیتھرائن یہ تھیلی ہماری طرف سے قبول فرمائیں۔"

کیتھرائن کو ہنسی آگئی، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، بولی: "میں یہ تھیلی لے کر کیا کروں گی؟"

شہامت علی نے آزردگی سے جواب دیا" اسے ہماری طرف سے حقیر نذرانہ سمجھ کر قبول فرمالیں، میں اس روپوشی اور پناہ گزینی کی حالت میں آپ کی کوئی اور مدد

نو کرنے سے رہا!"

کیتھرائن نے شرما کر کہا۔ "لیکن بہتر تو یہ ہے کہ آپ یہ تھیلی میرے بجائے مسٹر جان کو مرحمت فرمائیں!"

شہامت علی، جان کو درمیان سے کاٹ دینا چاہتے تھے، بولے۔ "آخر آپ سمجھتیں کیوں نہیں کہ ہم کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

کیتھرائن چونک پڑی، شہامت علی کو ایک ٹک دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

شہامت علی نے جواب۔ "مسز جان! چند دنوں کی بےتکلف اور ہم نشینی سے ہمیں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو گئی ہیں جو شاید یوں نہ معلوم ہو سکتیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک پر بھی قرضے کا بوجھ ہو جائے تو کم از کم عورت اس کا گہرا اثر لیتی ہے کہ اس کا چین اور سکون برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب سے ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ اپنے وطن سے مقروض آئی ہیں اور جب تک یہ قرضہ اتر نہ جائے آپ بخوشی لندن نہیں واپس جا سکیں گی ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔"

کیتھرائن نے خاموشی اختیار کی، شہامت علی نے کہا۔ "آپ ہمیں یہ بتائیں کہ لندن میں آپ کو کتنی رقم قرض میں ادا کرنی ہے تاکہ ہم اس کا بھی انتظام کر دیں۔"

کیتھرائن توقف کے بعد اندر سے ڈائری نکال لائی اور قرضے کا حساب لگاتی رہی، بولی۔ "تقریباً چھ ہزار پونڈ!"

شہامت علی نے لاپروائی سے کہا۔ "بس!! یا کچھ اور؟ اگر بات چھ ہزار پونڈ کی ہے تو آج سے ہماری طرف سے یہ عہد ذہن نشین کر لیں کہ اب آپ مقروض نہیں رہیں گی۔" اس کے بعد کہا۔ "یہ تھیلی تو ہماری طرف سے قبول فرما لیں بقیہ کا انتظام بھی کر دیں گے۔"

کیتھرائن تھوڑی دیر کسی نامناسب کیفیت کا شکار رہی، اس کے بعد ندامت سے کہنے لگی۔ "آپ یہ تھیلی مجھے دوسروں سے چھپا کر کیوں دے رہے ہیں، کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ مسٹر جان میرے شوہر ہیں اور آپ کے اس طریق کار کو شاید وہ ناپسند کریں!"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں، ہم ایسی صورت بھی کر دیں گے کہ مسٹر جان کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" پھر کہا۔ "تھیلی کا منہ کھول کر ذرا رقم کی گنتی تو فرمائیں یہ باتیں کسی اور موقع پر بھی ہو سکتی ہیں!"

کیتھرائن نے گویا بدرجۂ مجبوری روپوں کی تھیلی قبول کر لی اور کہا "میں آپ کے خلوص کے پیش نظر تھیلی قبول کر رہی ہوں ورنہ میرے شوہر بہت سوں سے بہت زیادہ اچھے ہیں۔"
شہامت علی نے جواب دیا۔ "ان کی برائی کون کر رہا ہے۔ ہم خود بھی یہی سمجھتے ہیں کہ مسٹر جان بہت اچھے آدمی ہیں، ہاں ان کی بس ایک بات ایسی ہے جو بذاتہ ہمیں پسند نہیں آئی۔"

"وہ کون سی؟"

"وہ یہ کہ جب سے ہم یہاں مقید ہوئے ہیں، غالباً ان کے دل و دماغ فضول باتوں میں الجھے رہتے ہیں۔ دعا کیجیے کسی طرح ہم اس مصیبت سے نجات پا لیں، پھر ہمیں دیکھئے گا۔"
کیتھرائن نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر چند دعائیہ کلمات استعمال کیے اور ہاتھ نیچے گرا لیے۔
دونوں بڑی دیر تک زمانے بھر کی باتیں کرتے رہے اور پھر اسی وقت ہوتے ہوتے جب جان کی واپسی کا وقت قریب آ گیا۔

کیتھرائن نے جب تخلیے میں تھیلی کی رقم گنی تو پتہ چلا دو ہزار روپے تھے۔ کیتھرائن حیران تھی کہ یہ کیسا انسان ہے جسے روپوں پیسوں سے ذرا بھی محبت نہیں، ذرا سی دیر میں ہزاروں روپے بخش دیتا ہے۔ وہ اندر ہی اندر شہامت علی کے حق میں مسخر ہوتی جا رہی تھی۔ اب جان اسے محض کلرک نظر آتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک فائلوں اور کاغذوں میں کھویا ہوا کاغذی غلام۔ اس کے مقابلے میں شہامت علی تھا۔ ایک ایسا شخص جو خصوصیات اور اوصاف کا مجموعہ تھا۔ کیتھرائن نے اس تھیلی کا جان سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔
کالکا پرشاد اور جان کمرے میں بیٹھے کسی حساب کتاب میں الجھے ہوئے تھے۔ جان کہتا تھا۔ "تم پر تقریباً دو ہزار روپے واجب الادا نکلتے ہیں لیکن تم اس سے انکار کر رہے ہو۔"
کالکا پرشاد نے نہایت نرمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر جواب دیا۔ "مسٹر جان تم تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے ہو، یہ تسلیم کہ تمہیں دو ہزار روپے ملنے چاہئیں لیکن بھائی میرے، جو رقم بازار میں پھیلی ہوئی ہے وہ تو آہستہ آہستہ بتدریج ہی وصول ہو گی۔"
جان کچھ دنوں سے یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ کالکا پرشاد کچھ صحیح آدمی نہیں ہے اور حساب کتاب میں گھپلا کرنے لگا ہے۔ جان کے ساتھ مجبوری یہ تھی کہ اس کا کاروبار

جائز تھا۔ کمپنی نے اپنے ملازمین کو کاروبار کرنے کا حق نہیں دیا تھا اس لیے وہ کالکا پرشاد سے سختی نہیں کر سکتا تھا۔ جان نے اسے نرمی سے دھمکی دی، کہا "مسٹر کالکا پرشاد! اگر یہ حالات اسی طرح گول مول چلتے رہے اور حساب کتاب صاف نہ ہوا تو مجھے مجبوراً اپنے حصے کا کاروبار ختم کر دینا پڑے گا۔"

کالکا پرشاد نے دھمکی کا جواب دھمکی سے دیا۔ بولا "کوئی بات نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ کاروبار جاری رکھیں یا ختم کر دیں لیکن اگر اپنے حصے کا کاروبار ختم کر دیں گے تو اس میں پھنسی ہوئی رقم بھی ڈوب جائے گی۔"

جان بدحواس ہو گیا۔ بولا "میری رقم کیوں ڈوب جائے گی، کیا ہندوستان میں اسی طرح لین دین ہوتی ہے، یوں کاروبار کیے جاتے ہیں؟"

کالکا پرشاد نے جواب دیا "تمہارے انگلستان میں کس طرح کاروبار کیے جاتے ہیں، میں نہیں جانتا لیکن اپنے ملک کی قومی اور کاروباری ریت سے میں خوب اچھی طرح واقف ہوں اور میں اسی کا پابند ہوں جو اپنے ہاں مروّج ہے۔"

جان نے سوچا اس بے ایمان شخص سے الجھنا مناسب نہیں ہے۔ اور اس سے نہایت خوش اخلاقی اور عقلمندی سے پیچھا چھڑا[نا] بہتر ہے۔ اسی لمحے اسے شہامت علی کا خیال آیا۔ جان نے سوچا، اگر شہامت علی اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر کے عتاب سے بچ گیا اور اپنی سابقہ حیثیت پر بحال ہو گیا تو کالکا پرشاد کو شہامت علی سے درست کیا جائے گا۔ اس نے نہایت خوش اخلاقی سے کالکا پرشاد کو رخصت کر دیا اور کہا "مسٹر کالکا پرشاد! اگر آپ مجھے کسی طرح یہ یقین دلا دیں کہ میں کتنی بڑی سرمایہ کاری کے عوض کم از کم دو ڈھائی ہزار روپے ماہانہ کما سکوں گا تو میں اتنی ہی رقم کا انتظام بھی کر دوں، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں ایک مستقل ماہانہ رقم چاہتا ہوں۔"

کالکا پرشاد نے بے نیازی سے جواب دیا "اگر دس بارہ ہزار پونڈ کسی کاروبار میں لگا دیں گے تو مطلوبہ ماہانہ نفع ضرور حاصل کر لیں گے۔"

کالکا پرشاد مشورہ دے کر چلا گیا۔ جان اندر پہنچا تو کیتھرائن نے شہامت علی کی بہت تعریفیں کیں اور جان کو اس پر مجبور کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوشش کرے اور شہامت علی کا غازی الدین کا ملاپ کرا دے کیونکہ نواب سے انہیں غیر معمولی فائدے پہنچنے کا امکان تھا۔

دوسری طرف شہامت علی کا یہ حال تھا کہ وہ فیض آباد جانے کا ارادہ ہی ترک کر چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اسی طرح بیمار رہیں اور کیتھرائن ان کی تیمارداری

کرتی رہے، وہ کیتھرائن کی خوش اخلاقی سے کچھ کچھ غلط فہمی کا شکار بھی ہو گئے تھے
انہیں تعجب تھا کہ آخر جان ان کی موجودگی اور کیتھرائن کی تیمارداری کو کس طرح برداشت
کر رہا ہے۔ ان کے منتشر اور غیر مربوط خیالات میں یہ بھی تھا کہ کاش وہ آزاد ہوتے
اور نواب ضیاء الدین حیدر کے معتوب نہ ہوتے اور کیتھرائن سے ان کی ملاقات ہو چکی ہوتی
وہ اپنی امارت اور نوابیت کا کتنا شاندار اظہار کرتے۔ اتنا شاندار کہ کیتھرائن
ڈانواڈول کر دیتے لیکن اب تو وہ کیتھرائن اور جان کے رحم و کرم پر برے بھلے
گزار رہے پر مجبور تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

خانساماں خدا بخش اپنے انداز میں سوچ رہا تھا۔ گو نواب شہامت علی کے
رہنے میں اس کا فائدہ تھا لیکن وہ یہ بھی سوچتا تھا کہ کہیں مسز جان اور مسٹر جان شہامت
کے زیادہ قیام سے بیزار نہ ہو جائیں اور بات بدمزگی پر ختم ہو۔ دوسرے یہ کہ اس
زمانہ شناس امراء بین نظریں شہامت علی اور کیتھرائن کی قربت اور بہت زیادہ
بات چیت سے کچھ اور خطرہ بھی محسوس کرنے لگی تھیں۔ کئی بار اس نے چھپ کر
دونوں کی باتیں سننے کی کوشش بھی کی لیکن گفتگو انگریزی میں ہوتی تھی، اس لیے اس
کچھ بھی پلے نہ پڑتا تھا۔ مرد کا جذبہ بھی اس میں بیدار ہو گیا تھا۔ اس کا اور کچھ بس نو چلا
شہامت علی کو کیتھرائن سے بیزار کرنے کی سازش شروع کر دی۔ شہامت علی کو شراب
کی عادت تھی اور یہ شراب خدا بخش ہی کہیں سے لاتا تھا۔ شہامت علی شراب کے سلسلے
میں جان اور کیتھرائن کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔

بیمار شہامت علی کو شراب کی بوتلیں دیتے ہوئے خدا بخش نے کچھ ایسا منہ
کہ ذہین نواب سمجھ گئے کہ خانساماں ان سے کچھ کہنا چاہتا ہے اور اس کے مزاج میں
قسم کا تکدر پیدا ہو چکا ہے۔ انہوں نے خدا بخش سے کہا۔ "تم ہم سے کچھ کہنا چاہتے
خدا بخش نے تلخی سے جواب دیا۔ "ہم حضور سے کیا کہہ سکتے ہیں۔ خدا نے آ
سبھی کچھ وافر مقدار میں عطا کیا ہے، دولت بھی، عقل بھی، عزت بھی، مرتبہ بھی، یہ خ
تو بس اتنا ہی عرض کرے گا کہ حضور کو یہاں زیادہ دن تک مقیم نہیں رہنا چاہیے
مشہور ہے کہ آج اقارب کل عقرب، مہمانی ایک دن کی دو دن کی اور زیادہ سے ز
تین دن کی ہو سکتی ہے۔ جب آدمی اس سے زیادہ ٹھہر جائے تو اس کا یہ مطلب
کہ وہ میزبان کے سر مصیبت بن گیا ہے۔ حضور عزت و آبرو رکھتے ہیں یہ خادم آپ
بے عزتی کیونکر گوارا کر سکتا ہے!"

شہامت علی نے پوچھا۔ "کیا تم سے کسی نے ہمارے بارے میں کوئی بات کی ہے؟"

خدا بخش نے کچھ اس طرح جواب دیا کہ انکار میں بھی اثبات کا پہلو موجود تھا، بولا۔ "اگر کوئی کہے گا بھی تو یہ بات صاف صاف تھوڑی ہی کہے گا۔ مہذب لوگ ہیں، انداز سے پتہ چل جاتا ہے!"

شہامت علی کو ذرا دکھ پہنچا، کہا۔ "ہم ان کے سر بار نہیں بنے ہیں، مجبوراً ٹھہرے ہیں۔ اسی لیے ہم ان کی ایک پائی بھی اپنے اوپر خرچ نہیں ہونے دیتے۔ اگر اس کے باوجود بھی کیتھرائن اور رجان ہماری موجودگی کو ناپسند کرتے ہیں تو ہم جلد ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔"

خدا بخش اس جواب سے خوش ہوا، بولا۔ "یہ ناچیز تو بس درخواست ہی کر سکتا ہے، وہ بھی اس لیے کہ حضور اس ناچیز ہی کے ذریعے اس بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔ اور یہ خاکسار حضور کا قدیم نمک خوار ہے!"

شہامت علی نے کہا۔ "ہم جانے کو تو چلے جائیں گے لیکن اس سلسلے میں ہم ان سے تفصیلی گفتگو بھی کریں گے۔ اس مہذب جوڑے کا ہماری وجہ سے دل نہ دکھے۔"

خدا بخش گھبرا گیا، بولا۔ "نا نا حضور ہرگز نہیں، اس سلسلے میں کوئی بات بھی نہیں ہونی چاہیے۔ میں آپ کو اپنا سمجھتا ہوں اس لیے سب کچھ بے تکلفی سے عرض کر دیا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حضور اس غیر واضح بات چیت کا دونوں میاں بیوی سے ذکر کریں۔"

شہامت علی خانساماں کی عیاری سمجھ گئے تھے، بولے۔ "چلو، اچھا تمہارے کہنے سے کوئی بات بھی ان دونوں سے نہیں کریں گے۔ لیکن ایک بات ضرور کریں گے، اس بات سے تمہیں یہ فائدہ ضرور پہنچے گا کہ تم ہمارے معاملے میں درمیان سے نکل جاؤ گے!"

خدا بخش نے پوچھا۔ "حضور والا وہ کس طرح؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "ہم کل کے بعد بھی اگر اس بنگلے میں روپوش رہنے پر مجبور ہوئے تو جان اور مسز کیتھرائن سے صاف کہہ دیں گے کہ اب ہمارا اس بنگلے میں قیام ما بین کے باہمی تعلقات کی وجہ سے ہو گا، درمیان سے خدا بخش کو نکال دیا جائے۔"

خدا بخش کھسیا گیا۔ پھر بھی وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، امراء کا مزاج شناس تھا اور دربار سرکار کی سازشوں سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ پینترا بدلتا ہوا بولا۔ "حضور ان میاں بیوی سے جو چاہیں کہیں، اس خاکسار کا کیا جاتا ہے۔ حضور کا یہ قدیم نمک خوار سچ

پوچھیئے تو اس لیئے زیادہ پریشان تھا کہ آج مجھے حضور آغا میر معتمد الدولہ وزیر اعظم حکومت اودھ نے طلب کیا تھا اور یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا نواب شہامت علی خاں مسٹر جان کے بنگلے میں روپوش ہیں؟ میں گھبرا گیا لیکن حضور کی عزت و آبرو کے خیال سے اس ناچیز نے خلاف امید جھوٹی جھوٹی باتیں بیان کی ہیں۔ وزیر اعظم نے روپے پیسے کا لالچ بھی دیا لیکن میں نے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔ کیونکہ میرا ضمیر یہ بات کیونکر گوارا کر لیتا کہ میں نے جس کا نمک کھایا ہے، اس کی نمک حرامی بھی کروں!"

گو شہامت علی کو خدا بخش کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ اس کے باوجود دل میں یہ کانٹا ضرور چبھ گیا کہ اگر اس میں کچھ صداقت ہوئی تو کیا ہوگا؟ کیا انہیں یہاں سے برآمد کر کے ذلیل و رسوا کیا جائے گا لیکن ایک خیال یہ بھی کہتا تھا کہ یہ سب کچھ خدا بخش کی ہرزہ سرائی اور افترا پردازی ہے، یہ جھوٹ بول رہا ہے اور بہت ممکن ہے، خدا بخش اس طرح اسے یہ دھمکی دے رہا ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ شہامت علی کی روپوشی کی وزیر اعظم سے مخبری کر دے گا۔ خدا بخش آدمی معمولی ہی سہی لیکن اس وقت اس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خدا بخش جاتے جاتے دھمکی دے گیا۔ "حضور کو اپنی عزت و آبرو کا خود ہی خیال ہونا چاہیے۔ میں ہیچ سہی لیکن بال بچے والا ضرور ہوں۔ اب میں حضور کی خدمت سے دست کشی اختیار کر دوں گا کیونکہ مجھے اپنی رائی برابر عزت اور بال بچوں کا خیال رکھنا ہی پڑے گا۔"

کیتھرائن نے خدا بخش کو ناراض جاتے دیکھا تو تیز تیز قدم اٹھاتی شہامت علی کے پاس پہنچ گئی۔ شہامت علی بھی سر جھکائے فکر مند بیٹھے تھے۔ وہ اتنے فکر مند تھے کہ ان کو کیتھرائن کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی۔ کیتھرائن ذرا دیر کھڑی شہامت علی کو دیکھتی رہی لیکن جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ وہ مخاطب کیئے بغیر نہیں چونکیں گے تو اس نے آہستہ سے سوال کیا "نواب صاحب! آپ فکر مند کیوں ہیں؟"

کیتھرائن کی شیریں آواز اور سریلے طرز تخاطب نے شہامت علی کو کسی حد تک بشاش کر دیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے اس سرتا پا قیامت کو دیکھتے رہ گئے۔ گلنار حسب پر حیثیت لباس قیامت برپا کر رہا تھا۔ سنہری زلفیں، نیلی آنکھیں، میدہ شہابی رنگ اور متناسب اعضاء کیتھرائن کی شکل اختیار کر کے نواب شہامت علی کے روبرو رونق افروز تھے۔ شہامت علی کی خاموشی اور محویت نے کیتھرائن کو ذرا سا خوفزدہ کر دیا۔ اس نے

سوال کیا۔" نواب صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ یہ پریشان پریشان کیوں نظر آرہے ہیں؟"

شہامت علی نے کیتھرائن کو کوچ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیتھرائن! کیا ہماری موجودگی تمہیں پریشان کر رہی ہے؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔" نہیں تو!"

انہوں نے پھر سوال کیا۔ "کیا ہم کو یہاں سے فی الفور رخصت ہو جانا چاہیئے؟"

" نہیں تو۔ یہ کس نے کہا؟"

"کیا غازی الدین حیدر یا وزیرِ اعظم کو ہماری یہاں موجودگی کا علم ہو چکا ہے؟"

" میرا خیال ہے یہ بھی غلط ہے۔"

"کیا اس بنگلے میں ہمارا قیام خدا بخش خانساماں کی وجہ سے ہے؟"

" ایسا بھی نہیں، یہ کون کہتا ہے؟"

" کیا یہ بات ممکن ہے کہ اگر حکومتِ اودھ کو ہماری اس بنگلے میں روپوشی کا علم ہو جائے تو وہ ہمیں تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آجائے گی اور ہمیں گرفتار کر کے لے جائے گی؟"

" ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ آپ کے بادشاہ کی یہ مجال نہیں کہ ہمارے بنگلے کی تلاشی لینے کی ہمت بھی کر سکیں۔"

شہامت علی نے کہا۔" ہم نے سوچا ہے دو چار دن میں ہم فیض آباد چلے جائیں، اب ہم بیمار بھی نہیں۔ خدا بخش کہتا ہے، آج اقارب کل عقرب!"

کیتھرائن نے ذرا اداسی سے کہا۔" آپ اس وقت تک یہاں رہیں گے جب تک طبیعت پوری طرح ٹھیک نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ آپ بادشاہ کی نظر میں سابقہ حیثیت پھر حاصل کر لیں۔"

شہامت علی نے پوچھا۔ یہ کس طرح؟"

" ریزیڈنٹ بہادر کی مداخلت سے آپ کا کام قطعی ہو سکتا ہے!"

" بالکل ہو سکتا ہے لیکن ریزیڈنٹ بہادر یہ کام کیوں کرنے لگے؟"

" ان سے ہم لوگ کہیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔"

" خدا کرے ایسا ہی ہو، اگر ایسا ہو گیا تو مسز کیتھرائن آپ دیکھیے گا کہ ہم آپ کے لیے کیا کرتے ہیں۔"

کیتھرائن نے مسکرا کر سر جھکا لیا، بولی۔ "آپ اپنی سابقہ حیثیت حاصل کرلیں، میں اس سے ہی خوش ہولوں گی۔"

شہامت علی کچھ کہنے نہ کہنے کے پس وپیش میں پڑ گئے۔ کیتھرائن کا خیال تھا کہ اس کا شرمگیں انداز اور نظریں جھکا کے جواب دینے کا طریقہ شہامت علی کو گھائل کیے بغیر نہ رہے گا اور وہ کچھ جذباتیں ضرور کریں گے لیکن شہامت علی محتاط تھے، کہنے لگے۔

"مسز کیتھرائن! ہم کسی طرح بادشاہ کے عتاب سے نجات حاصل کرلیں، اس کے بعد دیکھیے گا ہم کتنے دنوں تک آپ کو اپنا مہمان رکھتے ہیں۔"

کیتھرائن نے سر اوپر اٹھایا، پوچھا۔ "کتنے دنوں تک مہمان رکھیں گے ہمیں؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "اتنے دنوں تک کہ آپ خود ہی عاجز آجائیں اور پیچھا چھڑانے کی درخواست کر بیٹھیں۔"

"اگر میں پیچھا چھڑانے کی درخواست نہ کروں تو؟"

"تو یہ کہ ہم بھی آپ کو نہ آنے دیں گے اور آپ کو مستقلاً اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

کہنے کو تو شہامت علی نے اتنی بات کہہ دی لیکن فوراً ہی احساس ہوا کہ یہ بات نہیں کہنا چاہیے تھی۔ ابھی وہ معذرت کے الفاظ ہی تلاش کر رہے تھے کہ کیتھرائن نے کہا۔ "نواب صاحب! آپ آدمی بہت اچھے ہیں۔ کاش آپ ہندوستانی نہ ہوتے، آپ انگریز ہوتے!"

"اگر ہم انگریز ہوتے تو آپ کیا کرتیں؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "آپ انگریز ہوتے اور ہم دونوں کی ملاقات جان سے پہلے ہوئی ہوتی۔"

شہامت علی کے جسم میں خون کی گردش تیز ہوگئی، جواب دیا۔ "اگر ہم انگریز ہوتے تو نواب نہ ہوتے اور اگر نواب نہ ہوتے تو یہ خوبو نہ ہوتی جس سے آپ نے یہ بڑا اچھا تاثر لیا ہے۔"

کیتھرائن اس ذہین شخص سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوگئی، بولی۔ "آپ کہیں بھی ہوتے اور کچھ بھی ہوتے، مجھے یقین ہے کہ آپ یہی ہوتے، اتنے ہی نیک اور شریف جتنے اس وقت، اب ہیں۔"

"شاید!" شہامت علی نے فخریہ جذبات چھپانے کے لیے کئی بار آنکھیں جھپکائیں اور سر جھکا لیا۔

کیتھرائن نے شہامت علی کو بڑی حریصانہ نظروں سے دیکھا اور اس کے ہونٹ کر رہ گئے۔

شہامت علی اپنی جگہ سے اُٹھے اور کیتھرائن کے رُو بہ رُو جا کھڑے ہوئے، کہنے "آپ کے معاشرے میں بڑی گنجائشیں ہیں، کیا ہم اظہارِ شکر گزاری کے طور پر آپ کے سیمیں کا بوسہ لے سکتے ہیں؟"

کیتھرائن نے آہستہ سے سیدھا ہاتھ بڑھا دیا اور شہامت علی نے اسے ہاتھ میں یا۔ پھر ہتھیلی کی پشت کو بوسہ دے کر چھوڑ دیا۔ کیتھرائن نے شوخی سے کہا "مشرقی روایات میں کر چھوڑ دینا بڑی معیوب بات سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے یہی کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

شہامت علی نے جواب دیا "کیتھرائن! یہ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ ہم نے آپ کا پکڑ کر چھوڑ دیا ہے؟ ہاتھ پکڑنے کا ایک خاص قاعدہ ہے، اس قاعدے سے جب پ کا ہاتھ پکڑیں گے تو بے شک نہ چھوڑیں گے۔"

کیتھرائن خاموش ہو رہی لیکن شہامت علی نے اس کے جذبات اور احساسات اندازہ لگا یا تھا وہ مسرت افزا اور کیف آور بھی تھا اور خوفناک اور تشویش ناک بھی۔ ائن ایک انگریز لڑکی تھی، ایک انگریز نوجوان کی بیوی تھی، ریزیڈنٹ کے عملے کا یہ ملازم ن کیتھرائن کا شوہر بھی تھا اور عاشق بھی۔ ان دیواروں اور دشواریوں کے ہوتے ے وہ کیتھرائن کا شانِ محبوبی میں تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ آخر وہ اسے اپنی محبوبہ یا بیوی طرح بنا سکتے تھے۔ جسارتیں کیتھرائن کی طرف سے وقوع پزیر ہو رہی تھیں، جواب مت علی دے رہے تھے لیکن کیا یہ جسارتیں اور شہامت علی کی طرف سے دیے جانے لے جوابات کا سلسلہ جائز تھا؟ اور اگر جائز تھا تو کس حد تک؟ ان افکار اور تردد نے بہت پریشان کیا لیکن کیتھرائن کا زہد شکن اور غارت گرِ ایمان حسن اور فتنہ ساز شباب نہ تھا کہ شہامت علی آسانی سے پسپائی اختیار کر لیتے۔ اور خاص کر اس صورت میں کہ ائن ان کی طرف خود بڑھ رہی ہو۔

یان اور کیتھرائن نے ریزیڈنٹ کو مجبور کر دیا کہ وہ ... پر بادشاہ سے مت علی کی صلح صفائی کرا دے۔ ریزیڈنٹ نے غازی الدین حیدر سے ملاقات کی ... مت علی کی طرف سے زوردار وکالت کی۔ غازی الدین حیدر نے کہا "ہم شہامت علی

کے خلاف نہیں ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم ہُوا تھا کہ شہامت علی، ولی عہدی کے سلسلے میں فتنوں کو دے رہے ہیں۔ اگر یہ الزام غلط ہے تو ہم اپنا عتاب واپس لیتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں روپوش ہوں، واپس آجائیں۔ ہم ان سے کچھ بھی نہ کہیں گے، نہ تعرض کریں گے۔"

ریذیڈنٹ نے کہا۔ "حضور کو یقین رکھنا چاہیئے کہ کمپنی اور گورنر جنرل کی ایما منظوری کے بغیر کسی غلط شخص کو ولی عہد نہیں بنایا جا سکتا۔ شہامت علی کی کیا مجال ہے کہ ا سلسلے میں گڑبڑ کریں۔"

اسی دن شہامت علی جان کے بنگلے سے نکل کر اپنے محل میں چلے گئے۔ اس دن شہامت علی بہت خوش تھے لیکن کیتھرائن بہت اداس ہو گئی۔ جان سامنے کھڑا تھا۔ کیتھ نے اس کی موجودگی میں کہا تھا۔ "نواب صاحب! آپ کو اپنی سابقہ حیثیت پر بحالی مبارک، کبھی کبھی یاد فرما لیا کیجیئے گا۔"

شہامت علی نے جواب دیا تھا۔ "یاد فرمانا کیسا، ہم تو اس کا ایسا غیر معمولی دیں گے کہ آپ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

جان نے کہا۔ "میں آپ سے چند کام ضرور لوں گا لیکن ابھی اس کا ذکر نہیں کروں گا۔"

"بصد شوق مسٹر جان! آپ کے لیے تو ہم اپنی جان تک دے سکتے ہیں۔"

کیتھرائن نے شوخی سے سوال کیا۔ "مسٹر جان کے لیے اگر آپ اپنی جان دے سکتے ہیں تو میرے لیے کیا قربانی دیں گے؟"

شہامت علی نے مسکرا کر کہا۔ "ہمارے پاس آپ کے سوال کا نہایت شاندار ہے لیکن ڈر لگتا ہے کہ اس جواب سے مسٹر جان ناراض نہ ہو جائیں۔"

جان نے فراخ دلی سے اجازت دے دی۔ "مسٹر شہامت علی! ہم دونوں قدامت پرست نہیں ہیں۔ آپ آزاد ہیں، اخلاقی حدود میں رہ کر جو کچھ بھی کہیں گے، ہم نہیں مانیں گے!"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "مسٹر جان کے لئے اور جان آپ کے لیے ایمان جواب سے دونوں ہنسنے لگے لیکن کیتھرائن شرما گئی، بولی۔ "شریر کہیں کے! جان نے چونک کر کیتھرائن کو دیکھا اور شہامت علی تشویش سے جان کو د لگے لیکن کیتھرائن کو ان دونوں کی پروا نہ تھی، اسے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی تھی۔

شہامت علی نے محل میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ جان اور کیتھرائن کو کا ایک زوردار خط لکھا اور خط کے ساتھ ہی دس ہزار روپے اس لیے روانہ کیے کہ ا

خیال میں ان روپیوں کی جان اور کیتھرائن کو ضرورت تھی۔ شہامت علی نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جان، کالکا پرشاد کے ساتھ جو کاروبار کر رہا تھا اس کے نفع کی رقم چونکہ ابھی نہیں مل رہی تھی، اس لیے انہیں روپیوں کی شاید سخت ضرورت تھی۔ خط کی آخری سطروں میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر اس رقم کو قبول کرنے میں تامل یا تذبذب سے کام لیا گیا تو انہیں سخت تکلیف پہنچے گی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جب نفع کی رقم مل جائے گی تو جان اُس وقت اُس رقم کو واپس کر سکتا ہے!

قبول کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہ تھا۔ جان نے رقم وصول تو کر لی لیکن کیتھرائن سے کہا۔ "کیتھرائن! ہم شہامت علی سے جو کام لینا چاہتے ہیں، پہلے وہ ہے لیا جائے ورنہ نواب صاحب کے جذبات سرد پڑ جائیں گے اور ہم کہیں ایک بڑے فائدے سے نہ محروم ہو جائیں۔"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "ہمیں لندن کا قرض اتارنا ہے، نواب شہامت علی رحمت کے فرشتے ہیں، ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیئے۔ اور ان کے بھیجے ہوئے تحفے تحائف شکریے کے ساتھ قبول کر لینا چاہئیں!"

جان ایک دم آزردہ ہو گیا، بولا۔ "کیتھرائن! تمہیں یاد ہے نا کہ ہم دونوں کی شادی محبّت کے بعد ہوئی تھی، لوگ کہتے ہیں کہ مشرقی آب و ہوا میں مرد عورتوں کے وفادار نہیں رہتے لیکن جہاں تک میرے ذاتی تجربے اور مشاہدے کا تعلق ہے، مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ یہاں کی آب و ہوا میں عورتیں بھی وفادار نہیں رہتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا ہرگز نہ دینا کیونکہ میں تم سے محبّت کرتا ہوں، محبّت، شدید محبّت، والہانہ محبّت!"

کیتھرائن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے یہ شک کیوں پیدا ہوا ہے۔ میں نے بے اختیاری میں نواب کو "شریف کمینے" کہہ دیا تھا۔ شاید اس سے تمہارے دل میں اس قسم کے وسوسے اور شکوک پیدا ہو گئے۔" اس کے بعد اس نے جان کو اپنی آغوش میں لے لیا اور انگلیوں سے شانے اور سر سے جان کے سینے کو سہلانے لگی۔

جان بھی محبّت سے کیتھرائن کی پشت سہلانے لگا۔

* * *

ایک شاندار ابلقی گھوڑا جان کے بنگلے میں داخل ہوا۔ گھوڑے سے ذرا فاصلے پر پیچھے پیچھے چند سوار آ رہے تھے۔ خانساماں خدا بخش نے آگے بڑھ کر نواب شہامت علی کا

استقبال کیا۔ نواب کا دل اس سے صاف نہ تھا، بے مروّتی سے کہہ دیا "خدا بخش! تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ تم ہمارے معاملات میں ملوّث ہو جاؤ۔"

خدا بخش نے خوشامد سے بتیسی نکال دی، کہا "حضور اگر دس جوتے بھی ماریں گے تو بندہ نمک حلالی کا ثبوت دے گا اور اُف بھی نہ کرے گا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضور تشریف لائیں اور یہ خاکسار رکاب کے نیچے اپنا سر نہ رکھ دے، حضور کے پائے مبارک اور خادم کا سر، اگر جوتوں کے گرد کی تبرک سے خادم کو عزت بخش دی جائے تو نصیب آوری کی بات ہوگی۔"

شہامت علی نے خاموشی اختیار کی، معلوم نہیں کس طرح کیتھرائن کو خبر ہو گئی، وہ مضطرب والہانہ انداز میں باہر نکل آئی۔ ہلکا گلابی اسکارف سر سے بندھا ہوا تھا اور پرکشش اور صحتمند جسم کے نشیب و فراز نمایاں تھے، بے پردہ اور بے حجابانہ، شہامت علی کا دیکھتے ہی یہ حال ہو گیا کہ تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

کیتھرائن نے نواب شہامت علی کا ہاتھ، ہاتھ میں لے لیا اور ڈرائنگ روم میں لیئے چلی گئی۔ خوشیاں اور اشتیاق اس کے انگ انگ، رویں رویں سے ٹپک رہے تھے۔ کوچ پر بٹھا کر سامنے کھڑی ہو گئی، بولی "میں تو سمجھ بیٹھی تھی کہ اب آپ نہیں آئیں گے۔"

شہامت علی نے ہنس کر پوچھا "آپ نے یہ کیوں سوچا تھا؟"

کیتھرائن نے جواب دیا "اس لیے کہ اب آپ اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر کے رشتے کے بھائی ہیں اور آپ اپنی اصل حیثیت پر بحال ہو چکے ہیں!"

"آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس معاملے میں آپ کی مہربانیاں اور نوازشیں پیش پیش رہی ہیں۔"

کیتھرائن نے کہا "ہم نے کیا کیا ہے کچھ بھی نہیں، یہ کام تو آپ کا بہرحال کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا۔"

"خیر چھوڑیے اس ذکر کو، مسٹر جان کہاں ہیں؟"

کیتھرائن نے کہا "دفتر میں ہوں گے، کیوں ان سے کوئی خاص کام ہے؟"

شہامت علی نے جواب دیا "نہیں تو، ہم یہاں آئے تھے تو اُن سے بھی مل لینا چاہتے تھے۔"

کیتھرائن نے ناراضگی سے کہا "میں غلطی سے یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ نواب صاحب مجھ سے ملنے آئے ہیں لیکن اب یہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب مسٹر جان سے ملنے آئے ہیں۔"

اتنا کہا اور یہ جا وُہ جا، دوسرے کمرے میں چلی گئی۔
شہامت علی پیچھے پیچھے دوسرے کمرے میں پہنچ گئے، بولے۔ "ارے ارے، آپ کو آخر ہو کیا گیا ہے؟ آپ خفا کیوں ہو گئیں۔ ہم تو آپ ہی سے ملنے آئے ہیں۔ مرجان کا ذکر تو یوں ہی برسبیل تذکرہ آگیا۔"
کیتھرائن نے بھرّائے لہجے میں کہا۔ "میرا تو یہ حال ہے کہ جب سے آپ گئے ہیں، ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے نہیں معلوم کیا ہو گیا اور میں اس دن اور اس گھڑی کو بُرا بھلا کہتی رہتی ہوں جس دن ہم دونوں ملے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔"
شہامت علی نے جواب دیا۔ "کیتھرائن ہمارا بھی یہی حال ہے، بس فرق صرف اتنا ہے آپ نے اپنی دلی کیفیات ہم پر ظاہر کر دیں اور ہم اب تک انہیں چھپائے ہوئے ہیں۔"
کیتھرائن نے کہا۔ "آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہے، اُسے چھپائے رکھیں!"
شہامت علی ابھی تک کھڑے تھے۔ کیتھرائن نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تو وُہ خود ہی بیٹھ گئے۔ "کیتھرائن! آج تمہیں ہو کیا گیا ہے؟"
"کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، بس یوں ہی ذرا تھک گئی ہوں!" کیتھرائن نے جواب دیا۔
شہامت علی نے سوال کیا۔ "آپ تھک کیوں گئیں، ابھی آپ نے کوئی کام بھی تو نہیں کیا۔"
کیتھرائن نے جواب دیا۔ "میرا دماغ شیطان کا کارخانہ ہے کیونکہ آج کل سوچ بچار اور غور و فکر میں دن رات کٹ رہے ہیں۔"
شہامت علی نے کہا۔ "غور و فکر کیوں؟ سوچ بچار کس لیے؟"
کیتھرائن نے جواب دیا۔ "یہ تو اپنے دل سے پوچھئے، اپنے سراپا سے اس قسم کا سوال کیجئے!"
شہامت علی نے کسی قدر اُکتا کر کہا۔ "کیتھرائن! ہم تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتے ہیں لیکن اس بنگلے میں نہیں اپنے محل میں کریں گے۔"
کیتھرائن نے چل کر پوچھا۔ "کیوں یہاں کس سے ڈر لگتا ہے؟"
"کسی سے بھی نہیں۔" شہامت علی نے جواب دیا۔ "لیکن بات یہ ہے ہمیں اتنی ساری کرنا ہیں کہ اس کے لیے وقت بھی اتنا ہی زیادہ چاہیئے۔ آپ کے بنگلے میں پرائیویسی نہیں ہے۔"
"آپ مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتے ہیں آخر؟"

"یہ اپنے محل میں بتائیں گے، یہاں نہیں۔"

کیتھرائن نے کہا۔ "آپ کی مرضی!" پھر پوچھا۔ "آپ تنہا آئے ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے ساتھ ہے؟"

شہامت علی نے فخر سے سینہ تان کر جواب دیا "خدام ہمارے ساتھ ہیں"

"انہیں بھی اندر بلا لیجئے!"

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ شہامت علی نے جواب دیا۔ "وہ خادم ہیں، ہم نواب، یہ عزت اور مرتبہ ہمیں خدا کی طرف سے ملا ہے، ہم اسے ضائع کیوں کریں!"

اسی لمحے انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ان کی باتیں سن رہا ہے۔ کیتھرائن سے پہلے شہامت علی دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہاں خدا بخش جھاڑ پونچھ میں مصروف تھا۔ شہامت علی سمجھ گئے کہ خدا بخش بن رہا ہے اور جھوٹ کا سہارا لے کر انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

شہامت علی نے تہدید آمیز انداز میں کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہے تھے ہم کچھ نہیں جانتے ہاں ایک بات ہمیں البتہ معلوم ہے۔ وہ یہ کہ ہم غیر ضروری شور غل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے آئندہ خیال رہے۔"

"بہت بہتر۔" خانساماں نے جواب دیا اور اپنا کام بدستور انجام دیتا رہا۔

شہامت علی پھر کیتھرائن کے پاس پہنچ گئے۔

دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے، اس کا طویل حصہ اشارے کنایوں میں محبت کے اظہار پر مشتمل تھا۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہو گئیں۔ جان بھی آ گیا اور اس کے آتے ہی گفتگو کا موضوع ہی بدل گیا۔ شہامت علی نے اس کے لیے بھی ایک موضوع رکھ چھوڑا تھا۔ جان ان سے نہایت گرم جوشی سے ملا۔ شہامت علی نے کہا۔ "مسٹر جان! آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے، ہم اس کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتے۔ غازی الدین حیدر حیران ہیں کہ آخر ہمارے تعلقات ریزیڈنٹ سے کس طرح قائم ہوئے، بہرحال جو کچھ ہوا منجانب اللہ ہوا۔" باتیں کرتے کرتے وہ چپ ہو گئے اور کسی ادھیڑ بن میں پڑ کر کچھ سوچنے لگے۔

جان نے پوچھا۔ "کیا سوچنے لگے نواب صاحب؟ خیریت تو ہے؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "مسٹر جان! وہ بات ہی ایسی ہے کہ کہتے نہیں بنتی، ہم سوچتے ہیں کہ اگر اسے ہم اپنی زبان سے ادا بھی کریں گے تو اس کا آپ پر کیسا ناخوش گوار استہزا آمیز اثر پڑے گا۔ بس ذرا یہی سوچ کر زبان کھولتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

کیتھرائن نے ہنس کر کہا۔ "یہ آپ باتیں کرتے ہوئے اتراتے کیوں ہیں عورتوں کی طرح جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ سن لیجیے، تامل اور غیر ضروری سوچ ہمیشہ پریشانی کی طرف لے جاتے ہیں!"

شہامت علی نے کہا۔" اُفوری! ہماری توبہ، اگر وہ بات سننا ہی چاہتے ہیں تو سُن لیجئے۔ جب سے بادشاہ غازی الدین حیدر کو یہ معلوم ہُوا ہے کہ ہمارے آپ لوگوں سے غیر معمولی اچھے تعلقات ہیں، وہ ہم پر زور دے رہے ہیں کہ ہم انہیں لفظ 'شاہجہاں' اپنے نام کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت دلا دیں۔ غازی الدین حیدر اپنے نام کے ساتھ ساتھ شاہجہاں اور اپنی بیگمات کے نام کے ساتھ نور جہاں اور مہرُ النساء کا دُم چھلا لگا کر خوش ہو جانا چاہتے ہیں لیکن کمپنی نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی۔"

پھر ان نے پوچھا۔" وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔" ایک بچگانہ خوشی اور کیا۔ غازی الدین حیدر نواب کے بجائے بادشاہ کہلانا بہت پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اپنے لیے شاہجہاں کا لقب پسند فرمایا تھا اور بیویوں کے لیے نور جہاں اور ممتاز محل کا خطاب تجویز کیا تھا لیکن جب اس کی اطلاع کمپنی کو ہوئی تو اس نے بادشاہ کو اس سے منع کیا اور لکھا۔" شاہِ اودھ نے جو خطاب اپنے اور اپنی تینوں بیویوں کے لیے تجویز کئے ہیں، براہِ کرم انہیں اپنے ناموں سے نکال دیں کیونکہ یہ خطابات دہلی کے مغل بادشاہ اور ان کی بیگمات کو مل چکے ہیں۔ کمپنی نہایت افسوس کے ساتھ بادشاہ کو مطلع کرتی ہے کہ ہمارے گورنر جنرل بہادر نے بادشاہِ اودھ کو ان خطابات کے دینے یا تجویز کرنے سے منع کیا ہے۔"

جان نے صاف جواب دے دیا۔" میں اس قسم کی سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ کمپنی یا گورنر جنرل کے معاملات میں دخل اندازی غیر قانونی بات ہے جو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

" خیر جانے دیجیے!" شہامت علی نے کہا۔" ہم نے آپ کو بادشاہ سے ملانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس ملاقات سے آپ کو کئی فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ اگر بادشاہ آپ سے یہ کہیں کہ آپ ان کی ملازمت میں آ جائیں تو اس کا جواب نہایت سوچ سمجھ کر دیجیے گا اور یہ کوشش کیجیے گا کہ آپ کا جواب نفی میں نہ ہو!"

جان نے گھبرا کر کہا۔" ایسا میں کس طرح کر سکتا ہوں۔ میں کمپنی کا ملازم ہوں۔"

شہامت علی ہنسنے لگے، بولے۔" آپ کیوں گھبراتے ہیں، ہاں آپ کر لیجیے گا معاملہ ہم سدھار لیں گے۔"

جان ہامی بھرنے کے موڈ میں نہ تھا لیکن شہامت علی نے جب اسے یقین دلایا کہ اس نوابی ملازمت سے کمایا بہت جا سکتا ہے تو وہ راضی ہو گیا۔

شہامت علی نے ان کی دعوت کر دی اور شرکت کے حتمی وعدے لے کر جیسے ہی باہر نکلے انہیں خدا بخش نے روک لیا، بولا۔" قبلہ نواب صاحب! خدا آپ کو زندہ اور

اقبال بلند رکھے، حضور معلوم نہیں کیوں اس ناچیز سے خفا ہو گئے ہیں۔ اگر حضور غور فرمائیں تو یہ ناچیز بڑے کام کا ثابت ہو گا۔"

شہامت علی نے تلخی لیکن سرد مہری سے جواب دیا۔ "ہم تمہارے شکر گزار ہیں، حسب ضرورت ہو گی تمہیں تکلیف دیں گے۔"

خدا بخش کمپنی کی ملازمت پر نازاں تھا اور اس کے دل میں کسی کا بھی خوف تھا، کہنے لگا۔ "یہ خاکسار ہر وقت میم صاحب کی خدمت میں موجود رہتا ہے اور ان کے مزاج میں اتنا دخیل ہو چکا ہے کہ وہ مجھ سے اپنی کوئی بات بھی نہیں چھپاتیں، ایک دن مجھ سے حضور کی بابت کچھ معلومات حاصل کر رہی تھیں، میں نے بھی یوں ہی آئیں بائیں شائیں جوابات دے کر ان کی بولتی بند کر دی۔"

یہ ایسا نفسیاتی رخ تھا کہ شہامت علی ہار مان گئے، سراپا اشتیاق بن کر پوچھا "کیتھرائن ہماری بابت کس قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں؟"

"یہ کہ حضور نواب کی کتنی بیویاں ہیں اور یہ کہ اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں کیا، حضور ایک اور شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

شہامت علی نے بے چینی سے سوال کیا۔ "پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟"

اب خدا بخش کی باری تھی، اس نے جواب میں سرد مہری اور لاپروائی سے کام لیا، اپنے کچن روم کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "میں کیا جواب دیتا۔ وقت اور موقع دیکھتے ہوئے جیسا جواب مناسب تھا، دے دیا۔"

اس کے بعد وہ شہامت علی کے پاس ایک منٹ کے لیے بھی نہ ٹھیرا۔ شہامت علی بے بسی سے اسے دیکھتے ہی رہ گئے اور انہیں فوراً یہ خیال آیا کہ خدا بخش کیتھرائن کا خانساماں ہے اور شاید اس کا راز دار اور ہم راز بھی، اس لیے وہ اتنا معمولی آدمی نہیں ہے جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ یہ سوچ کر شہامت علی نے فیصلہ کر لیا کہ سر دست خدا بخش سے بگاڑنا ٹھیک نہیں، اس سے تعلقات رکھنا ہی پڑیں گے۔

•

خدا بخش نے نواب شہامت علی کو یہ حیرت انگیز خبر سنائی کہ کیتھرائن اور مسٹر جان میں ان بن رہنے لگی ہے اور اس کا سبب شہامت علی کو ٹھیرایا گیا ہے۔ جس دن انہیں خبر ملی تھی، اس کے دوسرے دن دونوں کو دعوت میں شرکت کرنی تھی۔ خدا بخش نے بتایا کہ جان نے نواب کی دعوت میں شرکت سے معذوری کا اظہار کیا ہے کیونکہ ریزیڈنٹ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے عملے کے لوگ نوابی امرا اور رؤسا سے خلا ملا کریں۔ شہامت علی

خدا بخش کو نہایت عزت سے بٹھایا اور دیر تک اس کے پیٹ کی باتیں اگلواتے رہے۔ خدا بخش نے انہیں بتایا کہ جان کو کیتھرائن پر شبہ ہی نہیں یقین ہے کہ وہ نواب شہامت علی سے محبت کرنے لگی ہے۔ دونوں میں اس موضوع پر بات چیت کا آغاز کیسے ہوا، وہ نہیں جانتا۔ لیکن اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ جب جان نے نواب شہامت علی کی دعوت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تو کیتھرائن نے صاف صاف کہہ دیا کہ جان اس دعوت میں شریک ہو یا نہ ہو، وہ خود اس میں ہر قیمت میں شرکت کرے گی۔ جان نے اسے اس ارادے سے باز رکھنا چاہا لیکن کیتھرائن نہیں مانی۔ آخر جان نے چلا کر کہا کہ اس نے اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف اس دعوت میں شرکت کی تو اس کا بہت بُرا نتیجہ نکلے گا۔

کیتھرائن نے پوچھا۔ "اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟"

جان نے طیش میں جواب دیا۔ "میں ہمیشہ کے لیے تم سے علیحدگی تک اختیار کر سکتا ہوں"

کیتھرائن نے بھی پر جوش لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تم نے یہ طے کر لیا ہے تو میں اس پر بھی تیار ہوں۔ میں ہر قیمت پر اس دعوت میں شریک ہوں گی۔"

جان نے دھمکی دی۔ "اگر ایسا کیا تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

اس دھمکی نے شاید کیتھرائن کو خوفزدہ کر دیا کیونکہ اس کا لہجہ نرم اور آواز میں دھیما پن آگیا تھا۔ اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "جان! ہم انگریزوں کی شائستگی اور تہذیب کا ہندوستانیوں پر ایک خاص اثر ہے۔ ہمیں کسی غلط فہمی یا اندیشے کی وجہ سے خود کو اپنے معیار سے گرانا نہیں چاہیئے۔"

اس کا بیان پر واقعی یہ اثر ہوا کہ اس نے کیتھرائن کو دعوت میں شریک ہونے کی اجازت دے دی لیکن اس پر خود تیار نہ ہوا۔ اب دعوت میں کیتھرائن تنہا شریک ہوگی۔"

شہامت علی کے لیئے یہ تو بہت ہی خوشی کی بات تھی۔ پھر بھی تہذیب کا یہی تقاضا تھا کہ وہ جان کے پاس بہ نفسِ نفیس جاتے اور حتی المقدور اسے دعوت میں شریک ہونے پر مجبور کرتے۔

شہامت علی نے خدا بخش کو انعام واکرام دے کر روانہ کر دیا اور کہا۔ "تم چلو، ہم خود حاضر ہوتے ہیں اور جان کو دعوت میں شرکت پر مجبور کریں گے۔"

خدا بخش نے جواب دیا۔ "حضور کوشش کر دیکھیں لیکن اس خاکسار کا خیال ہے کہ حضور کو اپنے ارادے اور اس کوشش میں خدانخواستہ ناکامی ہی اٹھانا پڑے گی۔"

شہامت علی نے خدا بخش کو شیشے میں اتارنے کے خیال سے کہا۔ "خدا بخش! ہم ملازمت کی ذرا بھی پروا نہ کرنا، خود کو ہمارے گھر کا ملازم سمجھو، ہاں ذرا اس کا خیال رکھنا کہ دونوں میاں

بیوی میں جو باتیں بھی ہوں، ان سے ہمیں خبردار رکھنا!"

خدابخش نے عاجزی سے جواب دیا۔ "حضور یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، یہ خاکسار پہلے تو حضور کا غلام ہے اس کے بعد کسی اور کا۔ میری نظروں میں حضور سے بڑھ کر کسی اور کی کیا عزت ہو سکتی ہے۔"

خدابخش چلا گیا۔ نواب شہامت علی ابھی جان کے پاس جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ جان خود ہی ان کے پاس پہنچ گیا اور دعوت میں شرکت نہ کر سکنے کے لیے پیشگی معذرت چاہی۔ شہامت علی نے اس کی معذرت قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا لیکن جان ذرا بھی نہ پسیجا اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے نہایت خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے شہامت علی کو یہ بتایا کہ وہ ایسا کسی بُری نیت یا کسی اور وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ اس میں چند سیاسی اور انتظامی دشواریاں مانع آ رہی ہیں۔ شہامت علی نے اس کی معذرت قبول کر لی لیکن اس شرط پر کہ اگر وہ خود شریک نہیں ہوتا تو کوئی بات نہیں، کیتھرائن کو ضرور بھیج دے۔

جان نے اس کا وعدہ کر لیا اور کہا۔ "میں کیتھرائن کو خود نہیں روکوں گا۔ اگر وہ شوہر کے بغیر دعوت میں شریک ہونا پسند کریں گی تو ضرور شریک ہوں گی۔"

شہامت علی کو کچھ شبہ ہوا کہ شاید کیتھرائن بھی دعوت میں شرکت نہ کر سکے کیونکہ جان کی گفتگو اور تیور سے انہیں یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کیتھرائن کی شرکت پر بھی بخوشی رضامند نہیں ہے۔

جس بارہ دری میں دعوت کا اہتمام ہوا تھا، اسے نہایت سلیقے اور غیر معمولی طور طریقوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہ بارہ دری ایک مصنوعی جھیل کے بیچوں بیچ بنی ہوئی تھی۔ جھیل کا پانی نہایت صاف شفاف تھا۔ اتنا شفاف کہ اس میں موجود زرد پیلے، سنہرے اور دوسرے رنگوں کی مختلف النوع اور قد و قامت کی تیرتی ہوئی مچھلیاں صاف نظر آتی تھیں۔ ان مچھلیوں کی جسامت فٹ ڈیڑھ فٹ لمبی تھی۔ اس بارہ دری تک پہنچنے کے لیے بجرے کی مدد لینا پڑتی تھی۔ یہ بجرا ایک کنارے سے لگا رہتا تھا اور اس کا رُخ جھیل کے سامنے اس محل کی طرف رہتا تھا جس میں شہامت علی کا خاندان رہتا تھا۔ جھیل کے کناروں پر رنگ برنگے پھولوں کی قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان قطاروں کے بعد لمبی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ گھاس کے اس پار محل کی عمارتیں تھیں اور وہ دور سے بڑی بھلی لگتی تھیں۔

شہامت علی نے اس دن بارہ دری کو بطورِ خاص سجایا تھا اور مختلف النوع کھانوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ خدمت گار حسین عورتوں کا ایک پرا تعمیلِ احکام کی خاطر موجود تھا۔ ایک طرف خواجہ سرا بھی کھڑے تھے۔ شام کے چار بجے شہامت علی کو اطلاع ملی کہ کیتھرائن

خدا بخش کے ہمراہ آچکی ہے۔ شہامت علی فوراً اس کے استقبال کو پہنچے اور اس کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ کیتھرائن نے کافی دیر انگڑائی اور ہونٹوں پر تبسم سے شکریے کا جواب دیا۔

شہامت علی نے رسماً کہا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ اس پرلطف دعوت میں مسٹر جان نہیں شریک ہو سکے۔"

کیتھرائن نے منہ بنا کر ناگواری سے جواب دیا۔ "اس حاسد کا آپ ذکر ہی نہ کریں نواب صاحب مجھے اس کے نام سے چڑ ہونے لگی ہے۔"

شہامت علی نے رسماً مزید کہا۔ "بہر حال وہ آپ کے شوہر ہیں۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"یہ مت کہیں!" کیتھرائن نے ذرا درشتی سے کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟"

"کہیے!" شہامت علی اس کی صورت دیکھنے لگے۔

کیتھرائن نے پوچھا۔ "ہمیں چلنا کہاں ہے، یہ باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے۔"

شہامت علی اسے بجرے کی طرف لے کر بڑھے۔ دو ملاح آگے بڑھے اور بجرا کھولا۔

شہامت علی، کیتھرائن اور خدا بخش کے ساتھ بجرے میں بیٹھ گئے اور ملاحوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ کیتھرائن کو یہ جگہ اور یہاں کا منظر بہت پسند آیا، کہنے لگی۔ "نواب صاحب! اگر میرا بس چلتا تو میں یہیں کی بود و باش اختیار کر لیتی۔"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "آپ کو یہاں رہنے سے کون منع کر سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو لشوق یہاں رہ سکتی ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

بجرے کو حرکت ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہونے لگا۔

کیتھرائن وہاں کے منظر میں گم ہو گئی۔ بجرا دھیرے دھیرے بارہ دری کی طرف بڑھتا رہا۔

کیتھرائن نے کہا۔ "نواب صاحب! آپ کی بارہ دری کا محل وقوع کتنا دلکش اور پیارا ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو۔۔۔ تو۔۔۔"

اور اس کی آواز اندر گھٹ کر رہ گئی۔

شہامت علی، کیتھرائن سے بالکل قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بے اختیار کیتھرائن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولے۔ "مسز کیتھرائن! آپ کتنی اچھی ہیں۔ ہم آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں کہ آپ ہماری دعوت میں شرکت فرما رہی ہیں۔"

کیتھرائن نے نہ تو کوئی مزاحمت کی اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔

یہ نواب شہامت علی کا علاقہ تھا، یہاں ان کی حکومت تھی، ان کا اقتدار تھا اس لیے وہ نڈر تھے۔ انہوں نے ملاحوں اور خدا بخش کی کوئی پروا کیے بغیر کیتھرائن کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور

کہنے لگے۔" اے کاش ہم لندن میں پیدا ہوئے ہوتے، اے کاش ہم انگریز ہوتے۔"

کیتھرائن نے ہنس کر جواب دیا۔" آپ کیوں اس قسم کی خواہش کرتے ہیں۔ آپ کی جس چیز سے محبت کرتی ہوں، وہ مغربی نہیں مشرقی ہے۔ اگر آپ کسی طرح انگریز ہو جائیں تو میری ملاقات کا وہ آخری دن ہوگا۔"

بجرا ساحل سے کافی دور آگے جا چکا تھا۔ بارہ دری جیسے جیسے قریب آ رہی تھی، ما خوشی کے کیتھرائن کا برا حال تھا۔" نواب صاحب!" وہ کہنے لگی۔" اگر آپ چاہیں گے تو میری اپنی زندگی کا بقیہ زمانہ یہیں اسی بارہ دری میں گزار دینے کو جی چاہتا ہے۔"

شہامت علی نے کہا۔" ہم کل ہی اسے خالی کرا دیں گے۔ آپ ہمارے پاس رہنے کو تیار تو ہوں۔"

کیتھرائن نے جواب دیا۔" میں بخوشی رہنے کو آمادہ ہوں اور جان کی یہ مجال نہیں کہ ہم ایسا کرنے سے روک سکے۔ بس ذرا سی پیچ ہے جو مجھے پابند بنائے ہوئے ہے۔"

شہامت علی نے کہا۔" اور وہ پیچ کیا ہے؟"

کیتھرائن نے بولی۔" وہ پیچ یہ ہے کہ میں جان کی بیوی ہوں لیکن اس کے لیے میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جس دن بھی غصہ چڑھا اس رشتے کو خاک میں ملا دوں گی۔"

" آپ جس دن بھی ایسا قدم اٹھائیں گی ہمیں اپنا منتظر پائیں گی۔"

کیتھرائن نے فکر مند لہجے میں کہا۔" لیکن ایسا کرنے میں چند ایسی دشواریاں حائل ہو جاتی ہیں کہ میں تھک کر مایوس ہو جاتی ہوں۔"

" وہ دشواریاں کیا ہیں۔ ہمیں بھی تو کچھ بتائیں!"

کیتھرائن نے جواب دیا۔" پھر کبھی بتاؤں گی۔"

بارہ دری کے ساحل پر حسین کنیزوں اور خواجہ سراؤں کا مجمع ان کے استقبال کی غرض سے ٹھیرا تھا۔ جب ان کا بجرا بارہ دری کی سیڑھیوں سے لگ کر رک گیا تو ملاحوں نے اُسے رسے سے باندھ دیا۔ شہامت علی نے ہاتھ اور بغل کو سہارا دے کر کیتھرائن کو بارہ در کی سیڑھیوں پر اتارا۔ ان کے پیچھے خانساماں بھی اتر گیا۔ کنیزوں اور خواجہ سراؤں نے انہ خوش آمدید کہا اور تشریف آوری کا بطورِ خاص شکریہ ادا کیا۔

بارہ دری کی دیواروں کے پیچھے سے موسیقی کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی کیتھرائن نے مسرت اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کا یوں اظہار کیا۔" مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں پر میں آگئی ہوں۔"

شہامت علی نے کوئی جواب نہ دیا۔

یں نہایت حیرت اور اشتیاق سے کیتھرائن کو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں یہ بے باک اور
اوخیال لڑکی بڑی دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔

بہت ساری بات چیت اور گلے شکووں کے بعد دعوت شروع ہوئی اور ان کھانوں نے
اُن کو بہت محظوظ کیا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد نواب صاحب نے پوچھا۔ "اب آپ کا کیا پروگرام
؟"

اس نے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر دونوں مل کر تفریح کریں گے۔"

"ضرور، ضرور!" شہامت علی نے اضطراری انداز میں جواب دیا۔

کیتھرائن بہت ساری لڑکیوں اور عورتوں کو دیکھ کر ذرا پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے پوچھا
واب صاحب! آپ ایک بات تو بتایئے۔"

"پوچھیے، ضرور بتائیں گے۔"

"آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"

"ہاں ہو چکی ہے لیکن ہم سب مل کر رہتے ہیں۔"

"میں یہ نہیں پوچھ رہی کہ آپ صاحبان مل جل کر رہتے ہیں یا الگ الگ، میں تو صرف یہ
نا چاہتی ہوں کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے یا شادیاں ہو چکی ہیں؟"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "ہماری دو شادیاں ہو چکی ہیں لیکن ہماری بنتی ان میں سے
ے سے بھی نہیں۔"

کیتھرائن بارہ دری میں بھاگ گئی، شہامت علی بھی وہیں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے
دوں اور خواجہ سراؤں نے انہیں گھیر لیا۔ کیتھرائن بہت خوش ہوئی، کہنے لگی۔ "مجھے یہ جگہ بہت اچھی
، رہی ہے۔ میں یہیں رہ جانا چاہتی ہوں۔ اے کاش میں یہاں رہ سکتی۔"

شہامت علی نے سراپا شوق بن کر جواب دیا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی!"

کیتھرائن نے بھیڑ بھاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تخلیہ، تخلیہ، خدا کے لیے
ں دفعان کریں، میرا تو جی الجھنے لگا ہے اس مجمع سے!"

شہامت علی نے انہیں فوراً ہٹ جانے کا حکم دیا۔ اب یہاں بالکل تخلیہ ہو چکا تھا۔ کافوری
ں کی روشنی تیز ہوتی جا رہی تھی کیونکہ آہستہ آہستہ رات بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

کیتھرائن نے سرتاپا سرشاری سے کہا، "شراب، شراب!"

شہامت علی نے اسی وقت شراب بھی طلب کر لی۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر شغل
نوشی کرنے لگے۔

کیتھرائن نے نشے کے جھونک میں کہا۔ "جان لالچی انسان ہے۔ اگر اسے دو چار لاکھ

روپے دے دیے جائیں تو یہ شخص بآسانی میرا پیچھا چھوڑ دے گا۔"

شہامت علی نے کیتھرائن کو اپنی آغوش میں لے لیا، کہا۔" اگر آپ کہیں تو ہم جان کو پانچ لاکھ روپے ادا کر کے اس سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑا لیں۔ ہم اتنے نازک اور بڑے مسئلے پہ غور کر رہے تھے کہ آپ نے خود ہی حل کر دیا۔"

کیتھرائن ان کی آغوش میں سمٹتی چلی گئی۔ وہ ان کے سینے میں دُبک گئی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ کالکا پرشاد کے مشترک کاروبار کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔" وہ رقم الگ پھنسی ہے اب ہم آپ کے حق میں دعا کر رہے ہیں کہ خدا آپ کو آپ کی جگہ قائم اور با عزت رکھے۔"

شہامت علی نے کسی قدر اداس ہو کر کہا۔" آپ کی دعائیں سر آنکھوں پر لیکن معاملہ ادھڑ میں رکھنا کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔"

" ٹھیک کہتے ہیں آپ، لیکن آپ کو بھی ہمارے چند ایسے کام کرنے ہوں گے جن سے جان خوش ہو جائے گا اور ہم اس سے نجات حاصل کر لیں گے۔"

شہامت علی نے کہا۔" کل ہم کالکا پرشاد کا علاج کر دیں گے، اس کے بعد جان کو ہم پیش کر کے انعام و اکرام دلوا دیں گے۔"

" شکریہ، شکریہ!" کیتھرائن نے جواب دیا۔" کالکا پرشاد سے جان کو جو کچھ بھی وہ اس کا حق ہو گا۔ سنتی ہوں یہاں کاروبار میں گھاٹے بہت زیادہ ہوا کرتے ہیں۔"

شہامت علی نے کیتھرائن کو خوب بھینچا اور پیار کیا۔ کیتھرائن بھی گویا یہ طے کر کے آئی تھی کہ کسی بھی مرحلے پر آج "نا" نہیں کرنا ہے۔

دونوں کی تفصیلی بات چیت کا لب لباب یہ تھا۔

کیتھرائن عنقریب جان سے طلاق لے لے گی۔

اس طلاق کے سلسلے میں جو بھی مصارف در پیش ہوں گے، نواب شہامت علی انہیں برداشت کریں گے۔

ازراہ ترحم اور مہربانی نواب شہامت علی جان کو پندرہ ہزار روپے اور عنایت کریں گے تاکہ جان خاموشی اختیار کر لے اور زیادہ شور غل نہ کرے۔

کالکا پرشاد کے پاس جو رقم پھنسی ہوئی ہے، اسے نواب شہامت علی نکلوا دیں گے

نواب شہامت علی جان کو بہت جلد اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر سے ملوائیں گے اور کوشش کریں گے کہ جان کو وہاں سے غیر معمولی فائدہ پہنچ جائے۔

جان پر جتنی نوازشیں بھی کی جائیں گی، ان کا ایک ہی مقصد ہو گا۔ وہ یہ کہ سونے کا غیر معمولی وزن اس کی زبان بندی کر دے اور وہ کیتھرائن کی جدائی بخوشی گوارا کر لے۔

جب تک جان لکھنؤ سے چلا نہ جائے، کیتھرائن نواب شہامت علی سے دور رہے
اس کے بعد وہ مستقلاً ان کے پاس چلی آئے گی اور شادی کرکے اسی بارہ دری میں بود و باش
یار کرے گی۔

ان قول و قرار کے بعد نواب شہامت علی کو قرار آگیا۔ وہ بہت خوش تھے کہ انھوں نے
یتھرائن کو فتح کر لیا تھا۔

اس عہد و پیمان کی بھنک خدا بخش کے کان میں بھی پڑ گئی۔ کس طرح پڑی، کچھ پتہ نہ چلا،
اسے معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے نواب صاحب سے کہا۔ "حضور! کچھ غریبوں کا بھی خیال کیجیے
نہ ہمارے صاحب پر جو ستم ڈھایا جانے والا ہے، اگر اس سلسلے میں غریبوں کا خیال نہ رکھا گیا تو
ہے خدا بھی اس کو معاف نہ کرے اور بندے کی زبان سے صاحب کے سامنے کچھ ایسی ناگفتنی
نکل جائیں جس سے حضور کو نقصان پہنچ جائے اور سارا معاملہ خاک میں مل جائے۔"

نواب شہامت علی نے اسے بھی کچھ دینے کا وعدہ کر لیا اور اس سے یہ وعدہ بھی لے لیا
اب اس نے اپنی زبان کھولی تو اس کے نتائج جو بھی نکلیں گے، ان کے ذمے دار وہ نہیں
ں گے۔

نواب شہامت علی نے درستگودن کالکا پرشاد سے ملاقات کی اور اسے مجبور کیا کہ وہ
کو دو لاکھ روپے بطور قرض دے دے۔ نواب شہامت علی بادشاہ غازی الدین حیدر کے
اور خود بھی نواب تھے، وہ انکار کیونکر کرتا۔ بے چون و چرا لکھا پڑھی کرکے دو لاکھ روپے
کے حوالے کر دیے گئے اور شہامت علی نے اس میں پندرہ ہزار روپے اپنی طرف سے
کر دیے اور خط میں لکھ دیا کہ اب کالکا پرشاد سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کیجیے گا۔

جان یہ رقم پا کر بہت خوش ہوا اور شہامت علی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

خدا بخش نے جان سے معلوم نہیں کیا کچھ کہہ سن دیا، دونوں میں زوردار جنگ ہوئی اور جان
غصے میں کہا۔

"کیتھرائن! اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم مجھ سے اتنی آسانی سے طلاق حاصل کر لو گی تو بالکل
خیال ہے، میں یہ طے کر چکا ہوں کہ جس دن بھی مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب میں تم سے علیحدگی پر
ور ہو گیا ہوں تو اس وقت میں دو اقدام میں سے کوئی ایک قدم ضرور اٹھاؤں گا!"

کیتھرائن نے کسی حد تک سہم کر کہا۔ "جان! میں چاہتی ہوں کہ تم لندن واپس جاؤ، وہاں
ہ بہت سی لڑکیاں مل جائیں گی، اس سلسلے میں، میں بڑی سے بڑی رقم دینے کو تیار ہوں

جس طرح چاہو معاملہ کر لو۔"

جان نے جھنجلا کر پوچھا۔ "تمہارے پاس یہ رقم کہاں سے آجائے گی؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "تم مجھ سے یہ سوال نہیں کر سکتے!"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ جب تم ایک خطیر رقم کے عوض مجھ سے علیحدگی اختیار کر و گے تو اس کے بعد تمہیں یہ پوچھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خطیر رقم میں نے کہاں سے حاصل کی!"

جان نے غصے میں کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں او فریبی عورت! یقیناً تجھے یہ رقم اپنے آشنا نواب شہامت علی سے ملے گی۔ میں نے بھی اگر اس نواب کے بچے کو کوئی ایسی ہی سزا دی ہو تو میرا نام نہیں۔"

کیتھرائن نے جوش میں کہا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

جان نے جواب دیا۔ "تم دونوں میں سے کسی ایک کا قتل یا پھر دونوں ہی کا قتل ورنہ کہ نواب مجھ سے ڈوئل لڑ لے۔"

کیتھرائن نے کہا۔ "تم یقیناً پاگل ہو گئے ہو۔ جب میں اپنی علیحدگی کے تاوان میں تمہیں خطیر رقم ادا کرنے پر آمادہ ہوں تو پھر خون خرابے اور ڈوئل کی کیا ضرورت رہتی ہے؟"

جان نے بڑا بھیانک قہقہہ لگایا، بولا۔ "میں اس نواب کے بچے کو سبق ضرور دوں گا۔ کیا میں نے اس پر اعتبار کر کے کوئی غیر انسانی کام کیا تھا؟ وہ معتوب تھا میں نے پناہ دی، بیمار ہوا ہم نے اس کی تیمارداری کی۔ وہ غازی الدین حیدر سے خوفزدہ تھا ہم نے اسے معافی دلوائی اور ان احسانات کا بدلہ وہ اس طرح چکانا چاہتا ہے کہ ہم اپنی سب سے زیادہ قیمتی شے اس کے حوالے کر کے کنارہ کشی اختیار کر لیں، ایسا کبھی نہ ہوگا!"

خانساماں خدا بخش نے پوری روداد نواب شہامت علی کے گوش گزار کر دی۔ وہ مسکرانے لگے کیونکہ وہ اس ڈرامے سے خوب واقف تھے۔

خدا بخش نے کہا۔ "حضور! یہ عورت ذات بھی کیا شے ہے۔ تتلی ہے تتلی۔ آج اس پھول پر تو کل اس پھول پر، اسے کہیں قرار نہیں ہے۔"

نواب شہامت علی نے کہا۔ "جان باتیں خواہ مخواہ کر رہا ہے۔ یہ سفید فام لوگ تو ایسے ہیں۔ جان کو کیا پتہ چلے گا کہ اس کی بیوی کب اور کس کے پاس چلی گئی۔"

خدا بخش نے کہا۔ "حضور! اس سے ذرا ہوشیار رہیئے گا۔ وہ شیطان آپ کے خون کا پیاسا ہے۔"

شہامت علی نے ہنس کر جواب دیا۔ "ہمارا خون آتنا ارزاں نہیں ہے، وہ

الجھ کر بہت پچھتائے گا۔"

خدا بخش نے بڑے نکتے کی بات سمجھائی، بولا۔"حضور! عاشق آدمی کوئی غلط سلط اکر کے پچھتاتا ہی کب ہے؟ پاگل کتے اور ایک عاشق میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دونوں ہی خواہ مخواہ سامنے آجانے والوں کو کاٹ لیا کرتے ہیں۔"

"ہونہہ!" شہامت علی نے ایک لمبی سانس بھری۔"عاشق تو ہم بھی ہیں۔ تو ہم بھی اسے کاٹ سکتے ہیں۔ ہوشیار تو اسے رہنا چاہیے کیونکہ اب وہ عاشق سے زیادہ کیتھرائن کا شوہر ہے لیکن ہم بڑے عاشق ہیں!"

خدا بخش نے معصومیت سے جواب دیا۔"حضور بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں، اسی طرح پکے عاشق تو حضور ہی ٹھیرتے ہیں، اپنے صاحب تو واقعی اب صرف شوہر رہ گئے ہیں یعنی پالتو کتا، وہ کیا کاٹے گا۔"

نواب شہامت علی کو ہنسی آگئی۔

نواب شہامت علی نے جان کو مطلع کیا کہ اتوار کے دن صبح دس بجے اسے بادشاہ کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ وہ ایک رومال اور پانچ اشرفیاں لے کر حاضر ہو جائے۔

جان درباری آداب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے نواب شہامت علی کے پاس کئی بار آیا اور نواب شہامت علی، جان کے غیر معمولی تپاک اور حاضری پر حیران رہ گئے کہ آخر وہ وہ جذبۂ رقابت سے مجبور ہو کر شہامت علی کے خلاف کچھ ظاہر کیوں نہیں کرتا؟ جان کے کردار کے اس پہلو نے نواب شہامت علی کو متنفر اور بیزار کر دیا۔ اس سے جان کی فطرت کے حریصانہ پہلو کی غمازی ہوتی تھی۔

نواب شہامت علی جان سے یہ امید رکھتے تھے کہ وہ کیتھرائن کے معاملے میں ان سے شکایت ضرور کرے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ شہامت علی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جان انگریز ہے اور انگریز تاجر ہیں۔

قصرِ شاہی یعنی فرح بخش کے اس حصے میں جہاں بادشاہ تخت پر براجمان ہوتے تھے۔ اور لوگ آدابِ شاہی ادا کرتے ہوئے نذرانے پیش کر کے ایک طرف مؤدبانہ کھڑے ہو جایا کرتے تھے، نواب شہامت علی کے ساتھ جان بھی پہنچ چکا تھا۔ وسیع دالان کے ایک سرے پر تختِ شاہی بچھا تھا۔ تخت دو مربع گز کا تھا اور زمین سے چند فٹ بلند تھا۔ تخت پر قیمتی مسند بچھی تھی اور غازی الدین حیدر اس پر زانو توڑ کر بیٹھے تھے۔ تخت کے اوپر ایک مربع

شامیانہ تنا ہوا تھا جس کی چوبیں اندر سے لکڑی کی تھیں اور ان پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ شامیانے اور شامیانے کی چوبوں میں بیش بہا جواہر جڑے ہوئے تھے۔

نواب شہامت علی اور جان ہاتھوں میں رومال اور رومال پر اشرفیاں رکھے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ کئی کئی بار جھک جھک کر تسلیمات بجالائے اور بادشاہ کی خدمت میں نذرانے پیش کیے۔ بادشاہ نے ازراہِ خوشنودی نذرانوں کو ہاتھ سے چھو کر شرفِ قبولیت بخشا۔ شہامت علی تخت کے بائیں طرف اور جان داہنی جانب کھڑے ہو گئے۔ نواب شہامت علی نے سر جھکا کر جان کا تعارف کرایا۔ ”حضورِ والا! یہ مسٹر جان ہیں! انہیں حضور کے دیدار کی اتنی تمنا تھی کہ حد اور بس، ریزیڈنٹ صاحب بہادر کے عملے میں ملازم ہیں لیکن خواہش رکھتے ہیں کہ بادشاہ سلامت انہیں اپنے نیاز مندوں میں شامل فرمالیں۔“

پچاس سالہ بادشاہ کے چہرے پر خشونت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی، کہا۔ ”ہم ریزیڈنٹ صاحب بہادر کے عملے کے کسی آدمی کو ان کی اجازت کے بغیر اپنے نیاز مندوں میں کس طرح شامل کر سکتے ہیں!“

اسی وقت وزیر معتمد الدولہ جان کے قریب پہنچا اور نذرانے کی اشرفیاں لے کر واپس چلا گیا، یہ اشرفیاں تخت کے پیچھے ایک جگہ جمع کی جا رہی تھیں۔

شہامت علی نے مزید گزارش کی۔ ”حضورِ والا! یہ غیر ملکی لوگ حضرت بادشاہ سلامت کی بابت بڑے اعلیٰ خیالات اور بلند و بالا توقعات رکھتے ہیں۔ اس ناچیز سے جو کچھ بھی ممکن تھا مسٹر جان کے ساتھ سلوک کرتا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور کے دیدار کی خواہش کی اور تاجِ اودھ کا یہ نمک خوار انہیں حضور کے روبرو لے آیا۔“

بادشاہ نے جان سے پوچھا۔ ”تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں، کوئی دیسی شخص تمہیں ستاتا تو نہیں؟“

جان نے سر جھکا کے عرض کیا۔ ”یوں تو حضور کی اقبال مندی سے یہ ناچیز امن و عافیت کی زندگی گزار رہا ہے اور اسے ہر طرح سکون حاصل ہے لیکن ابھی کچھ دن پہلے اس خاکسار کے ساتھ ایک سانحہ پیش آیا ہے جس نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے اور میرا ذہنی اور قلبی سکون تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔“

بادشاہ کی تیوری پر بل پڑ گئے، موڈ بگڑ گیا، خفگی سے پوچھا۔ ”واقعات صاف صاف بیان کیے جائیں۔“

جان نے نواب شہامت علی کو غصے اور حسد کی نظر سے دیکھا، نواب شہامت علی کا اس وقت جو حال تھا، بیان سے باہر تھا۔ انہیں اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہو رہی تھی۔

جان کی خاموشی سے بادشاہ برہم ہوگیا۔ ذرا بلند آواز میں غصے سے کہا۔ "واقعات
ف صاف بیان کیئے جائیں۔"
وزیر معتمد الدولہ جان کے قریب پہنچا اور بولا۔ "کیا آپ نہیں جانتے کہ بادشاہ سلامت
سوالات پر خاموشی اختیار کرنا جرم ہے۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہہ
۔ یہاں تک کہ اگر اس معاملے میں ملک کی کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی ملوث ہے تو آپ
تکلف اس کا بھی نام لے لیں۔ بادشاہ اس سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں گے اور اس کو
واقعی سزا دیں گے۔"
جان نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔ "ایک معزز شخص جس پر میں نے کئی احسان کیے
مجھ سے اس طرح پیش آرہا ہے، انتہائی غیر شریفانہ اور انسانیت سوز ہے۔"
بادشاہ نے کہا۔ "تم اس کا نام کیوں نہیں لیتے۔ واقعات تفصیل سے کیوں نہیں
ن کرتے؟"
جان نے جواب دیا۔ "چند احسان اس نے بھی اس ناچیز پر کیئے ہیں اور یہی چیز میری
ن کو کھلنے سے روک رہی ہے۔ میں نے اس واقعے کو سرسری طور پر حضور والا کے اس لیے
گزار کر دیا ہے کہ اگر بات بڑھ جائے اور وہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو بادشاہ
مت کو اس کے کرتوتوں سے بلا رو رعایت صاف صاف آگاہ کر دیا جائے!"
بادشاہ نے کہا۔ "تم چاہو تو سب کچھ اسی وقت بیان کر کے ہم سے انصاف حاصل
سکتے ہو۔"
جان نے جواب دیا۔ "حضور والا! میں انگریز ہوں اور نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا ولیسا
اٹھا کے میں دیسی لوگوں میں بری نگاہ سے دیکھا جاؤں۔ میں ایک بار پھر یہ کوشش
وں گا کہ میرا معاملہ میری اپنی کوشش سے سدھر جائے اور حضور کو دخل نہ دینا پڑے!"
بادشاہ نے معتمد الدولہ کو حکم دیا کہ "اس فرنگی کو خلعت، نانکرن اور پانچ ہزار
نیوں سے نوازا جائے۔"
حکم پر فی الفور عمل ہوا۔ جب دربار برخاست ہوا اور جان نواب شہامت علی کے
تھ فرح بخش سے باہر آگیا تو شہامت علی کی جان میں جان آئی۔ وہ جان سے کیتھرائن
سلسلے میں باتیں کرنا تو چاہتے تھے لیکن اس گفتگو کا بنیادی نکتہ کیا ہو، یہ بات نہیں سمجھ
آتی تھی۔ پھر بھی شہامت علی نے تشکراً کہا۔ "آج آپ نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔ کم از کم
ال تو کیا ہوتا کہ آپ کو ہم نے دربار شاہی تک پہنچا دیا تھا۔"
جان نے نفرت سے جواب دیا۔ "نواب صاحب! آپ کو بھی بعض اقدار کا خیال

رکھنا تھا لیکن آپ نے نہیں رکھا۔ پھر مجھ سے یہ امید کیوں رکھی کہ میں درگزر اور چشم پوشی سے کام لوں گا؟"

شہامت علی نے پوچھا۔ "آپ ہم پر جو شبہ کر رہے ہیں، کیا آپ کو یقین ہے کہ اس میں سچائی موجود ہے؟"

جان نے بدستور تلخی سے جواب دیا۔ "کیتھرائن نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ اس نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ اسے میں لکھنؤ میں چھوڑ کر لندن چلا جاؤں، جہاں مجھے اور بہت ساری لڑکیاں مل جائیں گی۔"

"لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہم خود بھی کیتھرائن کو پسند کرنے لگے ہیں۔"

جان کچھ زیادہ گرم ہو گیا کہا۔ "نواب صاحب! آپ کچھ عجیب باتیں کر رہے ہیں کیتھرائن نے خود مجھے بتایا ہے کہ آپ اسے مالی امداد دے رہے ہیں اور اس بات پر راضی ہیں کہ میں ایک خطیر رقم لے کر کیتھرائن سے کنارہ کشی اختیار کر لوں۔"

شہامت علی نے بھیگی بلی بن کر جواب دیا۔ "پھر بھی آپ کو زیب نہیں دیتا تھا کہ بادشاہ کے روبرو ہماری شکایت کرتے۔"

جان چراغ پا ہو گیا۔ ترش لہجے میں بولا۔ "نواب صاحب! آپ اپنے دماغ کا علاج کرائیں۔ آپ میری بیوی کو ورغلائیں اور پھر مجھ سے یہ امید بھی رکھیں کہ میں بے حیا بن کر سب کچھ گوارا کر لوں گا۔"

شہامت علی نے سوچا کہ جان سے الجھنا فضول ہے۔ اس سلسلے میں کسی طرح چھپ کر کیتھرائن سے بات کرنی چاہیئے۔ وہی اس کا کوئی حل نکالے گی۔

جان دفتر میں تھا اور نواب شہامت علی بنگلے پر کیتھرائن کے پاس۔ وہ دونوں ایک کمرے میں بند ہو گئے اور مستقبل کے بارے میں مشورے کرنے لگے۔ شہامت علی نے جان کی شکایت کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا۔ کیتھرائن بہت متاسف ہوئی۔ اس نے کہا۔ "نواب صاحب! میں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ جان سے علیحدگی اختیار کر لوں گی۔ اس سلسلے میں مجھے ایک بار لندن جانا پڑے گا۔ وہاں میں قانونی مشیروں سے مشورہ کروں گی۔ اس کے بعد گورنر یا اجلاس کونسل میں طلاق کی درخواست دے کر اس سے ہمیشہ کے لیئے نجات حاصل کر لوں گی کیونکہ اس کے سوا کوئی کام ہوتا نظر نہیں آتا۔"

شہامت علی نے کہا۔ "ہم کچھ نہیں جانتے کہ اب کیا ہونا چاہیئے۔ ہاں یہ البتہ کہیں

کہ کام اس طرح ہونا چاہیئے کہ اس خاکسار کی عزت و آبرو خاک میں نہ مل جائے۔"

"آپ بے فکر رہیں نواب صاحب!" کیتھرائن نے کہا۔ "میں آپ کو ہرگز ذلیل نہ ہونے دوں گی۔"

نواب شہامت علی جلدی میں تھے، کیتھرائن کو آغوش میں لے کر چند بوسے ثبت کیئے اور جدا ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا طلاق کے لیے کلکتے تمہیں خود بھی جانا پڑے گا؟"

"جی ہاں!" کیتھرائن نے جواب دیا۔ "وہ تو جانا ہی پڑے گا کیونکہ گورنر کے اجلاس میں اپنے کیس کی جتنی شان دار وکالت میں خود کروں گی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

شہامت علی نے کہا۔ "تم جیسا مناسب سمجھو کرو، ہمیں کیا، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ کام بھی ہو جائے اور عزت و آبرو بھی محفوظ رہے۔"

کیتھرائن نے نفرت اور افسوس کے ملے جلے جذبات سے کہا۔ "جان لالچی بہت ہے۔ کیا آپ نے اس کی ذلیل فطرت کا یہ رُخ ملاحظہ فرمایا کہ ہم دونوں کے معاملے میں اسے جو مالی امداد اور فائدے حاصل ہو رہے ہیں، وہ انہیں خوشی خوشی قبول کر رہا ہے، ورنہ حیا اور غیرت کا تو یہی تقاضا تھا کہ وہ اس سلسلے سے ملنے والی بڑی سے بڑی دولت کو بھی لات مار دیتا۔"

"ہاں اسے کرنا تو یہی چاہیئے تھا۔"

کیتھرائن نے کہا۔ "بس پھر جب ہم جان کی فطرت کے اس رذیل پہلو سے واقف ہو چکے ہیں تو ہمیں اس کے اسی کمزور پہلو پر ضرب لگانا چاہیے یعنی اسے زیادہ سے زیادہ دولت دے کر چلتا کر دینا چاہیئے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" شہامت علی بولے۔ "لیکن تمہارا کلکتے جا کر طلاق حاصل کرنا بہت ضروری ہے، اس سلسلے کے سارے مصارف ہم خود اٹھانے کو تیار ہیں۔"

کیتھرائن نے نرمی سے کہا۔ "یہی میری رائے بھی ہے۔ میں جان کو لے کر کلکتے چلی جاؤں گی اور گورنر کی کونسل سے طلاق لینے کی حتی المقدور کوشش کروں گی!"

شہامت علی نے پوچھا۔ "وہاں اگر تم اپنی کوشش میں ناکام رہیں تب پھر کیا ہوگا؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔ "ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں طلاق لینا چاہتی ہوں مجھے قانون کا تحفظ اور سہارا حاصل رہے گا۔ میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی!"

شہامت علی نے جواب دیا۔ "خدا کرے تم ہمیشہ کسی سے بھی نہ ڈرو لیکن کسی کا سائل بن کر جانا مسئول کی نظر میں کچھ زیادہ عزت کا باعث نہیں بنتا۔"

کیتھرائن نے کہا۔ "وہ کچھ بھی سہی لیکن اب میں اس مسئلے کو طول نہیں دینا چاہتی،

کسی بھی طرح ختم کر دینے کی کوشش کروں گی۔"

نواب شہامت علی کے دل پر مایوسی کی جو ہلکی سی گھٹا چھا گئی تھی، وہ کیتھرائن کی باتوں سے چھٹ گئی۔

کیتھرائن نے معلوم نہیں کیا سمجھ کر آہستہ سے کہا۔" اگر آپ مناسب سمجھیں تو کلکتے کے سفر میں آپ بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

شہامت علی نے جواب دیا۔" نہیں، ہمارا وہاں جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ تم ہوا کا رُخ پہچانو۔"

" خوب پہچانتی ہوں اور جب یہ معاملہ انتہا کو پہنچے گا تو آپ خود ہی میری ایکٹی وٹیز ملاحظہ فرمالیں گے!"

شہامت علی، کیتھرائن کی طرف سے خوب مطمئن ہو کر جانے لگے تو راستے میں ان کی خدا بخش سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ خدا بخش نے شہامت علی کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور درخواست کی کہ ان کی اس آمد کے بارے میں دوسروں کو کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

خدا بخش نے وعدہ کر لیا لیکن جان کے آتے ہی اس نے نواب شہامت علی کی تشریف آوری کا ذکر جان سے کچھ عجیب طرح سے کر دیا۔ جان غصّے سے تھرتھر کانپنے لگا۔ اس نے کیتھرائن کو کمرے میں بلا کر اچھی طرح جھاڑ دیا اور یہ عجیب سی بات بتائی کہ وہ جب بھی چاہے گا، نواب شہامت علی کو زبردست نقصان پہنچا سکتا ہے۔

جان نے کیتھرائن کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔" کیتھرائن! تم یہ مت سمجھو کہ مجھے کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ یہ میری عدم موجودگی میں نواب شہامت علی کیوں آیا تھا؟"

کیتھرائن نے جواب دیا۔" آپ کی شکایت کرنے۔"

" کیسی شکایت؟ کونسی شکایت؟"

" تم نے بادشاہ کے دربار میں نواب صاحب کے خلاف جو کچھ کہا تھا وہ ناقابلِ معافی ہے۔"

جان نے کیتھرائن پر ہاتھ اٹھایا۔ کیتھرائن نے غصّے میں لکڑی سنبھالی، جان نے پرجوش آواز میں کہا۔"

" میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

کیتھرائن نے بھی اسی لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔" تمہارے ساتھ میں خود بھی کلکتے جاؤں گی اور گورنر کے اجلاس سے طلاق حاصل کر لوں گی۔"

دونوں دیر تک اسی طرح تو تو مَیں مَیں کرتے رہے لیکن آخر میں خدا بخش نے یہ بھی دیکھا کہ دونوں ہی نرم پڑ گئے اور آمنے سامنے بیٹھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ جان نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔
"کیتھرائن! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"
کیتھرائن کی آواز بھی بھرّا گئی تھی، بولی۔ "کیا تم سے میں نفرت کرتی ہوں؟ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے ہیں لیکن اب وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، میں نواب شہامت علی کو بھی کم نہیں چاہتی۔ اس کے لیے میں پوری دنیا کو لات مار سکتی ہوں۔"
جان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تب پھر میرے ذہن میں علیحدگی کے لیے ایک شرط ہے!"
"وہ کیا؟"
"وہ یہ کہ میں اپنی محبوبہ کو اسی شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ مجھے اس کے عوض اتنی زیادہ دولت دے دی جائے کہ میں وطن واپس جا کے کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لوں اور بقیہ زندگی عیش و آرام میں گزار دوں۔"
"ہاں یہ ممکن ہے!" کیتھرائن نے جواب دیا۔ "میں تمہاری پیش کش نواب صاحب کے سامنے رکھ دوں گی۔ وہ جیسا مناسب سمجھیں گے جواب دے دیں گے۔"
یہ باتیں خدا بخش کے پیٹ میں کب رُک سکتی تھیں اور پھر اس صورت میں کہ نواب شہامت علی کی طرف سے مخبری کی صورت میں اسے انعام و اکرام بھی مل رہا تھا۔ فوراً شہامت علی کے پاس پہنچا اور میاں بیوی کی گفتگو کا لبِّ لباب ان کے گوش گزار کر دیا۔ نواب شہامت علی نے خدا بخش سے کہا۔ "مسٹر جان ہم سے بات تو کریں، وہ کیتھرائن کے عوض جتنی رقم بھی طلب کریں گے، ہم انہیں دے دیں گے۔"
خدا بخش نے مشورہ دیا۔ "لیکن حضور! میم صاحب کو طلاق حاصل کرنے پر ضرور آمادہ کر لیجیے گا۔ خواہ اس سلسلے میں انہیں کلکتے ہی کیوں نہ جانا پڑے کیونکہ طلاق کے بغیر معاملہ ذرا کچا رہتا ہے۔"
نواب شہامت علی نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے جب ہم کیتھرائن کے عوض اسے منہ مانگا معاوضہ دیں گے تو طلاق بھی چاہیں گے اور کلکتے سے طلاق منگوا لیں گے اور خدا بخش ہم خود تو کلکتے جانے سے رہے۔ ان دونوں کے ساتھ تمھی کو جانا پڑے گا اور کیتھرائن کو طلاق کے ساتھ لکھنؤ واپس لانا پڑے گا۔"
"خاکسار ہر خدمت کے لیے حاضر ہے، حضور فکر نہ کریں!"

نواب شہامت علی کے خلاف ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی، کالکا پرشاد اپنے دو لاکھ روپیوں کا نہایت شدت سے تقاضے کرنے لگا۔ نواب صاحب یہ رقم تو دے سکتے تھے لیکن جب تک کیتھرائن کا مسئلہ یکسو نہ ہو۔ وہ یہ رقم ادا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر پسپائی کا اختیار کرنا نوابی وقار کے منافی نہ ہوتا تو وہ کیتھرائن سے کب کے دستبردار ہو چکے ہوتے لیکن اب بات ضد اور وقار کی تھی، ریزیڈنسی کے ایک معمولی کلرک سے ایک نواب کا مقابلہ تھا۔ پھر وہ کس طرح سے ہار مان لیتے۔ انھوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس معاملے میں وہ خود بھی بک جائیں اور نیم مندی از کے ہاتھ رہے تو اسے نقصان نہیں ماننا چاہیئے، یہ تو کیتھرائن کی معمولی قیمت تھی۔ آن اور وقار کا معمولی معاوضہ۔

جب کالکا پرشاد نے نواب شہامت علی کو زیادہ بے صبری اور شدت سے تنگ کرنا شروع کر دیا تو وہ سمجھ گئے کہ اس میں بھی کسی کی شرارت شامل ہے، اور جب خدا بخش نے یہ بتایا کہ کالکا پرشاد اس دوران مسٹر جان سے کئی ملاقاتیں کر چکا ہے تو ان کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ نواب شہامت علی نے پہلی بار مقابلے کی ٹھان لی اور یہ فیصلہ کر لیا کہ مسٹر جان سے پہلے کالکا پرشاد کا علاج ضروری ہے' انھوں نے خدا بخش کو انعام و اکرام دے کر اس بات پر مجبور کیا کہ وہ کسی بھی طرح کالکا پرشاد کو اس پر مجبور کر دے کہ وہ اپنے معاملے میں بادشاہ سے ملنے کی کوشش کرے، اور اسی طرح بادشاہ سے شکایت کرے جس طرح ایک بار جان کر چکا ہے۔

کالکا پرشاد، خدا بخش کے داؤ میں آ گیا اور اس نے نواب شہامت علی سے درخواست کی کہ اگر اس کا بادشاہ سے سامنا کرا دیا جائے اور اسے بادشاہ سے بات کا شرف بھی حاصل ہو جائے تو وہ قرضے کی یہ رقم معاف کر دے گا۔ وعدے یہ تھے لیکن ارادے کچھ اور تھے۔ نواب شہامت علی نے کالکا پرشاد سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اسے بادشاہ سے ضرور ملا دے گا۔

اس دوران کیتھرائن بھی اس سے ملنے آ گئی اور خواہش کی کہ نواب شہامت علی اسے جھیل والی بارہ دری میں لے چلیں، بجرا تیار رہتا۔ دونوں جھیل کے بیچوں بیچ بارہ دری میں جا اترے اور ملاح بجرے ہی میں بیٹھے رہے۔ بارہ دری کے ایک کشادہ کمرے میں جب یہ دونوں بے تکلفی سے ہم آغوش ہوئے تو کیتھرائن رونے لگی، کہنے لگی "نواب صاحب! میں آپ کو بہت گراں گزر رہی ہوں اور میرے لئے آپ کو کئی طرح کی قیمتیں ادا کرنا پڑ رہی ہیں، نقد رقم کی بھی اور عزت و آبرو کی بھی۔"

نواب شہامت علی نے اسے اپنی آغوش میں یوں چھپا لیا جیسے طاقتور اور جسیم مرغ اپنے پروں میں کسی کمزور مرغی کو چھپا لے، نواب صاحب اس کی زلفوں اور بعد میں لب و رخسار سے کھیلنے لگے۔ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا "تم رقم کی کوئی پرواہ نہ کرو

کیتھرائن۔ ہم نے تو یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ پوری فراخدلی دے کر بھی اگر ہم تمھیں جان سے حاصل کرلیں گے تو تم ہمیں سستی پڑو گی۔"

کیتھرائن نے نواب کو بھینچ لیا، ان میں سما جانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ”آپ کتنے اچھے ہیں نواب صاحب! بہت اچھے! میں آپ کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں!"

نواب شہامت علی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ”تمھیں جان بہت پریشان کرتا ہوگا۔ تم اس سے پوچھو کہ وہ تمہارے عوض اور کتنی رقم لینا پسند کرے گا، وہ جتنی رقم چاہتا ہے گا ہم دے دیں گے لیکن اس کے بعد وہ تمہیں طلاق ضرور دے دے گا۔ تم اس کی منہ مانگی رقم دے کر اس کے ساتھ کلکتے چلی جاؤ اور وہاں کی گورنر کونسل سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ خدا بخش تمہارے ساتھ رہے گا۔ طلاق لیتے ہی خدا بخش کے ساتھ ہمارے ہاں آجاؤ۔ ہم تمھیں اپنی ملکہ بنا کر رکھیں گے!"

”اوہ نواب صاحب!“ کیتھرائن اس کے سینے سے سر رگڑنے لگی۔ ”کتنے اچھے ہیں آپ؟“

نواب شہامت علی نے پوچھا ”کیا کالکا پرشاد اب بھی جان سے ملتا ہے؟“

”ہاں برابر ملتا رہتا ہے!“ کیتھرائن نے جواب دیا ”جان نے اس سے اپنے حصے کی رقم کا مطالبہ کیا تھا۔ بس اس سلسلے میں وہ دوبارہ آنے جانے لگا۔“

نواب نے چڑھ کر نفرت سے کہا ”ہم نے جان کو اس مد میں دو لاکھ روپے دلوا دیئے تھے اور جان کو منع کیا تھا کہ وہ اب کالکا پرشاد سے کوئی تعلق نہ رکھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کالکا پرشاد پھر اسی طرح آنے جانے لگا ہے!“

کیتھرائن نے کہا ”اب جان میرے سلسلے میں دو لاکھ مزید کا مطالبہ کر رہا ہے!“

نواب نے جوش سے کہا ”اچھا تم پھر اپنے شوہر سے کہو کہ وہ مزید دو لاکھ روپے ہم سے حاصل کرلیں!“

دونوں آدھا دن گزار کے بارہ دری سے واپس ہوئے، شام کے جھٹپٹے میں خدمت گاروں نے نواب کو مطلع کیا کہ ایک انگریز آپ سے ملنے آیا ہے۔

نواب شہامت علی نے اسے بیٹھک میں طلب کرلیا ہے۔ یہ شخص جان تھا جو عجیب موڈ میں یہاں آیا تھا۔

نواب شہامت علی نے خوش اخلاقی سے کہا ”کہئے کس لئے آنا ہوا جناب کا؟“

جان نے جواب دیا ”آپ میری بیوی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟“

نواب نے کہا ”مسٹر، تم نہایت غلط انسان ہو، ایک طرف تو تم اپنی بیوی کی قیمت متعین کرتے ہو، دوسری طرف غیرت کا مصنوعی مظاہرہ کرنا چاہتے ہو۔ ہم تم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر یہ

تماشا کیا ہے؟"

جان نے غصے میں کہا "میں آپ سے ڈوئل لڑنے آیا ہوں۔"

نواب اٹھ کھڑے ہوئے، پوچھا "کس طرح؟ تلوار سے یا بندوق سے؟"

جان نے جواب دیا "جس طرح چاہیں میں دونوں طرح سے تیار ہوں۔"

نواب شہامت علی نے تالی بجائی، اندر سے ایک خدمت گار حاضر ہو گیا۔ انھوں نے حکم دیا "دیکھو اندر سے دو تلواریں اور دو بندوقیں لے آؤ۔" پھر جان سے کہا "ہم دونوں ہی چیزیں ساتھ رکھتے ہیں تم جس ہتھیار سے مقابلہ کرنا پسند کرو گے، ہم اسی سے ڈوئل لڑیں گے۔"

جان کچھ نرم پڑ گیا بولا "میں بندوق سے ڈوئل لڑوں گا۔"

"ہم بھی اسی سے لڑیں گے۔"

جان نے حیرت سے پوچھا "کیا بندوق چلانا جانتے ہیں آپ؟"

نواب شہامت علی نے طنزیہ جواب دیا "تمھیں اس سے کیا غرض؟ اگر ہم بندوق چلانا نہ جانتے تو تمھاری بلا سے، تم ہمیں ہلاک کر دینا۔"

جان نے کہا "آپ ڈوئل لڑنے پر آمادہ ہیں لیکن یہ نہیں کہیں گے کہ کیتھرائن کا پیچھا چھوڑ دیں گے؟"

نواب کو غصہ آگیا گرج کر بولے "تو جھوٹا ہے، دروغ گو، فریبی، مکار، ہم تمھاری بیوی کے پاس جاتے ہیں یا وہ ہمارے پاس آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تو نے خود ہی اس کی قیمت مقرر کر دی ہے اور ہم اسے منہ مانگی قیمت پر خریدنے کو آمادہ ہیں تو تجھے کیوں تکلیف پہنچ رہی ہے؟"

جان نے بیچارگی سے جواب دیا "میں کیتھرائن سے محبت کرتا ہوں۔"

نواب شہامت علی نے کہا "تم انگریز لوگ محض تاجر ہوتے ہو اور کچھ نہیں، تم کیسے عاشق ہو کہ اپنی محبوبہ کی قیمت وصول کر کے اس سے دستبرداری کا اعلان کرنا چاہتے ہو؟"

خادم دو تلواریں اور دو بندوقیں لے کر آگیا۔

نواب شہامت علی پھرتی سے کھڑے ہو گئے۔

جان نے مسمسی صورت بنا کر کہا "میں سوچتا ہوں کہ اگر ڈوئل لڑنے میں، میں مارا گیا تو لندن میں میرے ماں باپ بہت پریشان ہوں گے اور اگر تم مارے گئے تو اس کا کیتھرائن پر بڑا برا اثر پڑے گا اور شاید وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور پاگل ہو جائے اور اگر ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی گولی سے ہلاک ہو گئے تو کیتھرائن کا کیا بنے گا۔"

نواب شہامت علی نے پوچھا "اس طرح تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

جان نے جواب دیا "یہ کہ ڈوئل لڑنا جاہلانہ رسم ہے، بہتر یہی ہے کہ آپ نے کیتھرائن

رقم کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے عنایت فرمادیں، میں کلکتے کی کونسل کے سامنے طلاق کی درخواست کروں جیسے ہی مل جائے گی آپ کیتھرائن پر قبضہ کر لیجئے گا۔"
نواب صاحب نے مزید جھڑکی دی: "تب پھر اچھی ہاتھ میں ہے کر تم یہ وعدہ کر دگے کہ آئندہ مجھ
پر کسی قسم کا الزام نہیں لگاؤ گے؟ سمجھے یا نہیں سمجھے؟"
جان نے آہستہ سے جواب دیا: "میں اس کا خیال رکھوں گا۔"
نواب نے بے اعتنائی سے جواب دیا: "تمہاری مطلوبہ رقم کل پہنچ جائے گی۔"
جان اداس اداس اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

جان، کیتھرائن کے توسط سے اتنی دولت اکٹھی کر چکا تھا کہ اب اسے مستقبل کی فکر نہیں
تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ اب اس کا وطن میں امرا میں شمار کیا جائے گا۔ اس نے ریزیڈنسی سے
استعفا دے دیا اور کلکتہ جانے کی تیاری کرنے لگا۔ نواب شہامت علی کا خیال تھا کہ کیتھرائن
روانگی سے پہلے اس سے ملنے ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی۔ اس کی جگہ خدابخش
نے اس نے بتایا کہ کیتھرائن نواب صاحب سے اپنے بنگلے میں ملاقات کرنا چاہتی ہے، نواب
شہامت علی کو اب بنگلے میں جانے میں تامل تھا۔ انھوں نے خدابخش سے کہا: "تم کیتھرائن سے
کہہ دو کہ ہم اس کے بنگلے میں نہیں آئیں گے کیونکہ اس کے شوہر جان سے بڑی بدمزہ گفتگو
ہو چکی ہے۔"
اس جواب پر کیتھرائن خود ہی حاضر ہو گئی اور نواب شہامت علی سے شکایت کرتی ہوئی بولی۔
"نواب صاحب! جب میں یہ کہہ چکی ہوں کہ جان ایک حاسد انسان ہے تو آپ کو اس سے زیادہ شکایت
نہیں ہونی چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن آج پتہ چلا کہ میں غلطی پر تھی۔"
نواب نے گھبرا کر جواب دیا: "کیتھرائن تم مجھے غلط نہ سمجھو، ہم تم سے واقعی محبت کرتے ہیں اور
ہماری انا اور وقار نے ردعمل سے یہ نتیجہ مت نکالو کہ ہم تم سے محبت نہیں کرتے۔"
کیتھرائن نے آزردہ لہجے میں کہا: "محبت میں انا یا وقار کا خیال کہاں رکھا جاتا ہے۔
آپ کو مجھ سے ملنے ضرور آنا چاہیے تھا!"
نواب شہامت علی نے ایک شان نوابی سے جواب دیا: "مشرق اور مغرب کے انداز فکر میں یہی
فرق ہے۔ ہم معاملات محبت میں بھی وقار اور انا کا ضرور خیال رکھتے ہیں۔"
کیتھرائن نے افسوس سے کہا: "آپ لوگ کئی کئی شادیاں کر کے عورت کی انا اور وقار کو خاطر میں
نہیں لاتے اور اپنے ذاتی معاملات میں انا اور وقار کی جھوٹی نمائش کرنے لگتے ہیں۔"
نواب شہامت علی کو کیتھرائن کی باتوں سے گھبراہٹ ہونے لگی، پوچھا: "آخر ان باتوں سے

تمھارا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب کچھ بھی نہیں"، کیتھرائن نے جواب دیا "بس عدم تحفظ کا احساس ستا
ہے اور کچھ نہیں۔"

نواب نے پر یقین انداز میں کہا "لیکن تمھیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ تم ہمارے
آخری عورت ثابت ہو گی جس کے بعد کوئی اور عورت ہمارے دل یا محل میں محبوبہ یا بیوی بن
داخل ہو سکے گی۔"

کیتھرائن کی ہنسی تک میں اداسی آ گئی تھی۔

رخصت ہونے سے پہلے نواب نے دریافت کیا "تم کب تک واپس آ جاؤ گی؟"

کیتھرائن نے جواب دیا "ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھئے گورنر کی کونسل ہمیں
تک فارغ کر دیتی ہے۔"

نواب شہامت علی کی اس وقت کسی وحشت زدہ کی سی حالت تھی، الفاظ وہ الف
مل رہے تھے۔ جن سے وہ اپنی پریشانی اور وحشت زدگی کا کیتھرائن پر اظہار کر سکتے۔

کیتھرائن نے کہا "جو حال آپ کا ہے، وہی لیسٹر جان کا بھی ہے۔ اس پر بھی
وحشت کا دورہ پڑتا ہے۔ وہ کل کہہ رہا تھا کہ مسلمان کا عورت کے معاملے میں کوئی اعتبار نہیں کیا جا
وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح ایک بار پھر وہ بادشاہ سے ملاقات کرے اور وہاں آ
لے کر پورا اسکینڈل بیان کر دے۔"

"پھر، پھر تم نے کیا کیا؟"

"پھر میں نے یہ کیا کہ اسے بمشکل اس کام سے روک کے رکھا۔"

"تمھارا بہت بہت شکریہ کیتھرائن، ہمیں تمھاری محبت اور وفاداریوں کا یقین ہے
تم جا سکتی ہو لیکن اس بات کی کوشش کرنا کہ جتنی جلد ممکن ہو، وہاں سے پیچھا چھڑا کر واپس آ
جدائی کی گھڑیاں قیامت سے کم نہ ہوں گی؟"

کیتھرائن نے کوئی جواب نہ دیا اور نواب کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جن میں طنز
بے یقینی، بے رحمی اور معلوم نہیں کیا کیا کچھ تھا لیکن نواب صاحب ان میں بے بسی اور صدمہ ح
کے علاوہ کچھ بھی محسوس نہ کر سکے۔

کلکتے پہنچ کر جان نے خدا بخش سے پوچھا "اگر تم پسند کرو تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے
چلوں، ورنہ تمھیں یہیں کہیں کسی اور ہم وطن کے پاس ملازم رکھوا دوں!"

خدا بخش نے جواب دیا "حضور میں ہندوستان نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے یہیں کہیں ملا

جان نے کہا "بہتر ہے، گورنر کی کونسل میں ایک صاحب مکاف ہیں، میں نے ان سے بات کرلی ہے۔ وہ تمھیں ملازم رکھ لیں گے لیکن اس کا بطور خاص خیال رکھنا کہ انھیں کبھی دھوکا نہ دینا، اگر انھیں خوش رکھو گے تو وہ بھی تمھیں بنا دیں گے ورنہ بہت سخت آدمی ہیں۔"

خدا بخش نے ندامت سے جواب دیا "حضور، میں آدمی بے وفا ہرگز نہیں ہوں، نواب شہامت علی کے معاملے میں جو کردار آپ نے ادا کیا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالیے کہ میں نے ان سے بے وفائی کی ہے یا انھیں دھوکا دیا ہے، میں آپ کا ملازم تھا، میں نے آپ کا ساتھ دیا ہے، آپ کا حق نمک ادا کیا ہے، ورنہ اگر میرے دل کی بات پوچھیں تو میں یہی کہوں گا کہ اس پورے معاملے میں مجھے نواب صاحب سے ان کی سادہ لوحی کی وجہ سے ہمدردی ضرور رہی ہے۔ انھیں آپ دونوں نے جو سزا دی ہے، بہت بھیانک اور خطرناک ہے۔"

کیتھرائن خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ جان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس پورے ڈرامے میں، میں نے کوئی کم خطرہ مول نہیں لیا تھا اور اس صورت میں جب کہ کالکا پرشاد نے مجھے یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ عورت کے معاملے میں مسلمان انتہائی ناقابل اعتبار ہیں، میں آخر تک یہ فرض رہا کہ کہیں کیتھرائن واقعی نواب کی گرویدہ ہو جائیں کیونکہ دولت کی چمک بڑی بری ہوتی ہے۔"

کیتھرائن کے ہونٹوں پر سوگوار مسکراہٹ ابھری اور غائب ہو گئی۔ کہنے لگی "یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہندوستان کی کثیف اور گرم آب و ہوا میں، میں کس طرح زندگی گزار سکتی تھی۔ اور پھر ایک ایسے ماحول میں کہ نواب کے چاروں طرف عورتیں ہی عورتیں موجود ہوں۔" پھر خیالوں میں ڈوب گئی۔ لکھنؤ کا تصور کرتی ہوئی بولی۔ "میرے تو پہنچنے کا نواب صاحب پر معلوم نہیں کیا اثر ہو مجھے اپنی اس دھوکا دہی پر افسوس ضرور ہے لیکن تمھاری کلرکی کی قلیل آمدنی کے پیش نظر ہم دونوں جلد از جلد دولت مند بننے کے لیے اور کیا کر سکتے تھے اور خاص طور پر ان حالات میں کہ کمپنی نے اپنے ملازمین پر یہ پابندی عاید کر دی ہو کہ وہ تجارت میں حصہ نہیں لے سکتے۔"

جان نے آنکھیں بند کر لیں اور لندن کے پُر رونق ماحول میں پہنچ کر بولا۔ "اب ہم دولت مند ہیں۔ اپنے قرض خواہوں کا حساب بے باق کر کے عیش و عشرت اور عزت و آبرو کی زندگی گزار سکیں گے۔"

کیتھرائن سوگوار بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ جان نے پوچھا "تم کیا سوچ رہی ہو کیتھرائن؟"

کیتھرائن نے مسکرا کر جان کو دیکھا، بولی۔ "کچھ بھی نہیں، اپنی اُس اداکاری پر غور کر رہی تھی جو میں نے نواب شہامت علی کی محبت کا ڈھونگ رچا کر ادا کی!"

جان نے محبت سے کیتھرائن کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، بولا "اور تمھیں میری اداکاری

کا بھی لوہا ماننا پڑے گا۔"

کمپنی کا جہاز انگلستان روانہ ہو گیا۔ جان اور کیتھرائن خوش خوش وطن کی حسین فضا
کا تصور قائم کیے ہوئے سفر کرتے رہے۔

نواب شہامت علی، خدا بخش اور کیتھرائن کا مدتوں انتظار کرتے رہے، یہ انتظار آہستہ
آہستہ مایوسی میں تبدیل ہونے لگا۔ انہیں آخر تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کیتھرائن نے ان کے
ساتھ بے وفائی کی ہے اور یہ کہ ان کے ساتھ زبردست فریب کیا گیا ہے۔ وہ آخر تک اسی غلط
میں مبتلا رہے کہ گورنر کی کونسل نے کیتھرائن کو مجبور کر دیا ہو گا کہ وہ جان سے طلاق نہ لے، وہ سو
کہ اگر کیتھرائن نہیں آئی تھی تو آخر یہ خدا بخش کہاں مر گیا۔ اسے تو واپس آنا ہی چاہیے تھا ایک
سادہ لوح نواب کے پاس اس کا بھی ایک معقول جواب موجود تھا، وہ یہ کہ خدا بخش نے ناکامی
زخم کھا کے ہمیشہ کے لیے منہ چھپا لینا ہی مناسب سمجھا ہو گا۔

کالکا پرشاد کو دو لاکھ روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے۔

کچھ دنوں تک تو نواب صاحب کا یہ حال رہا کہ وہ گم سم رہے لیکن بتدریج ان کی طبیعت
سنبھلنے لگی اور کیتھرائن کی مفارقت کا انتقام انہوں نے یوں لیا کہ محل میں عورتوں کی تعداد میں
اضافہ ہونے لگا اور نواب شہامت علی نے اس سیلاب حسن و شباب میں خود کو ڈبو دیا۔ شراب
اور شباب کی مستی میں انہوں نے اک گونہ بے خودی حاصل کر لی تھی۔ بھڑکتے ہوئے چراغ کی
وہ مہوشوں میں بھڑکتے رہے اور دل میں کیتھرائن کی محبت کی خاموش لو روشن کیے رہے،
اور دولت کی چربی اس لو میں پگھلتی رہی لیکن انہیں یہ کہاں معلوم تھا کہ اس لو میں وہ تنہا نہیں
رہے تھے پورا ہندوستان جل رہا تھا، پورا برصغیر پھنک رہا تھا۔ اور آخر اس آگ نے ۱۸۵۷ء
اس جسم کو خاکستر میں تبدیل کر دیا اور یہ انا، عزت اور وقار کی عمارت اس خاموش اور خفیہ آگ
میں جل بھن کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

جاویداں روح

مزدکیت نے پہلی بار نوشیرواں کے عہد میں ظہور کیا اور اس کے بعد وہ بار بار ظاہر ہوتی رہی۔ بابک خرمی بھی اسی کا ایک نام تھا بنو عباس کے معتصم باللہ کے عہد میں اس نے خروج کیا اور مسلمانوں کو ہلا کے رکھ دیا بابک خرمی کے وہ عجیب و غریب اور لطف و لذت کے حامل عقائد جنھیں وہ بھولے بھالے جذباتی نوجوانوں اور عورتوں کے غلاموں کے لئے بطور کمند استعمال کرتا تھا۔ دلچسپ کہانی۔ تاریخ کا ایک حیران کن کرشمہ۔

جاویدانی روح

سفیان کو کچھ دھندلا دھندلا سا یاد آرہا تھا کہ تقریباً سترہ اٹھارہ سال پہلے
ہ چھ سات سال کا رہا ہوگا تو اس کے باپ کو آذر بائیجان میں ارد بیل کے
سی قلعے کا محافظ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نانا نانی اس سے بےحد محبت کرتے تھے
نے سفیان کو اپنے پاس ہی روک لیا تھا اور باپ اس کی ماں کو لے کر قلعے
کا منصب سنبھالنے آذر بائیجان چلا گیا تھا۔ پھر مدتوں باپ نے کوئی خبر ہی
دولت مند اور با اثر نانا نے سفیان کو ایسی شفقت دی کہ اس نے باپ کو
ہن ہی سے نکال دیا۔ پھر ایک دن باپ کے قاصد نے اچانک آکر یہ بری خبر
ی کہ سفیان کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کے باپ نے کئی شادیاں
ہیں اور وہ رنگ رلیوں میں پھنس گیا ہے۔

نانا نے قاصد سے پوچھا تھا "میری بیٹی کے کتنے بچے اور ہیں؟"

قاصد نے جواب دیا "دو بچے لیکن وہ دونوں اپنے باپ کی بےنیازی
اپرواہی کے شکار ہیں!"

نانا نے داماد کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قاصد کے ذریعے اپنے
کو یہ پیغام بھیجا کہ ان کے دونوں بچوں کو ان کے پاس روانہ کر دیا جائے
قاصد چلا گیا اور نانا مدتوں اپنی بیٹی کے دونوں بچوں کا انتظار کرتے
لیکن وہ نہیں آئے، پھر ایک دن اچانک یہ معلوم ہوا کہ سفیان کا باپ
بائیجان کے باغی اور خرمیہ فرقے کے بانی بابک خرمی کے ہاتھوں شکست
ہلاک ہو چکا ہے اور اس کا خاندان قتل یا اسیر ہو چکا ہے۔ اس عرصے
نانا نے سفیان کو تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ کر دیا تھا کہ خلافت
فیان کے باپ کی جگہ کسی اور کو متعین نہیں کرنا پڑا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے

باپ کی جگہ سفیان کو اس قلعے کا قلعدار بنا دیا۔ چلتے چلتے سفیان نے
اپنے نانا نانی سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں بھی وہیں بلا لے گا۔

تب یہ چوبیس پچیس سالہ نوجوان اپنے تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ
بائیجان کے پہاڑی سلسلوں میں داخل ہوا سردی اپنے پورے عروج پر تھی
انگلیاں گلی جا رہی تھیں اور ناک کی نوک ٹھنڈ کی وجہ سے سن ہو گئی تھی۔
کے بادلوں میں چھپا ہوا چاند دھواں دھواں ہو رہا تھا اور کسی غریب او
محروم جوان کے شباب کی طرح اپنی بے مصرفی کا اعتراف کر رہا تھا۔ اس کا راہ
بابک خرمی اور اس کے پیروؤں کی بابت دلچسپ باتیں بتاتا چل رہا تھا۔ ا
نے سفیان کو بتایا کہ بابک خرمی کہتا ہے کہ عورتوں کی مشترک ملکیت بنا
رکھو، وہ رشتوں کے تقدس کا بھی قائل نہیں کیونکہ وہ تناسخ کا قائل ہے
اور کہتا ہے کہ انسانی روح قالب عنصری چھوڑنے کے بعد کسی دوسرے قا
میں داخل ہو جاتی ہے اور کسی انسان کو یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ ا
کی ماں یا بہن کی روح کسی حسین لڑکی میں حلول کر گئی ہے یا کس لڑکی کے ب
یا بھائی کی روح کس مرد کے قالب میں جلوہ گر ہے، چونکہ اس کا پتہ چلا
ایک ناممکن بات ہے۔ اس لئے لاعلمی اور ناواقفیت میں ماں یا بہن کی رو
کسی نوجوان کی محبوبہ یا بیوی میں موجود ہو سکتی ہے اور وہ نوجوان اپنی
یا بیوی کو کسی جھجک کے بغیر استعمال میں لا سکتا ہے چنانچہ بابک خرمی ۔
خیال میں بہتر یہی ہے کہ تمام رشتوں کا تقدس دل سے نکال دیا جائے
اور محرم نامحرم کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی جائے ۔ چنا
بابک خرمی کے پیروؤں میں ہر عورت کو مرد کے لئے مباح قرار دیا گیا ہے، با
خرمی شراب نوشی کو بھی جائز قرار دے چکا ہے۔

راہبر کی باتیں اور بابک خرمی کی بابت انکشافات بڑے دلچسپ
وہ نہایت توجہ اور ذوق و شوق سے سب کچھ سنتا رہا۔ اسی راہبر نے ا
یہ بات بھی بتائی کہ بابک خرمی کے پیرو سفیان کے باپ کی بیویوں، اولا
اور بہن سارے مسلمان خاندانوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی پکڑ لے گ
ہیں اور وہ انہیں اس بات پر مجبور کر رہے ہوں گے کہ خرمیہ فرقے میں
داخل ہو جائیں!

دھواں دھواں فضا اور دھندلی دھندلی چاندنی میں سفیان کی نظریں ایک اونچے چوڑے اور آڑے ترچھے دھبّے پر پڑگئیں، اس نے راہبر سے پوچھا "عزیز راہنما! یہ سامنے دھبّا سا کیا نظر آرہا ہے؟"

راہبر نے جواب دیا "یہ اردبیل کی حدود کا پہلا قلعہ ہے"! پھر ذرا توقف سے کہا "میرا خیال ہے رات ہمیں اسی قلعے میں بسر کرنی چاہیئے کیونکہ اس وقت ہم خرمیوں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ رات کے سناٹے اور اندھیرے اور پرپیچ پہاڑی راستوں سے فائدہ اٹھاکر وہ لوگ کس وقت ہم پر شب خون ماردیں، اور ہم سب مصیبت میں مبتلا ہوجائیں!"

سفیان نے نوجوانی کے جوش کا اظہار کیا۔ کہا "میں لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتا، میں اس خطرناک اور دشوار مہم پر آیا ہی اس لئے ہوں کہ اپنے باپ کے قتل اور تباہی کا بابک خرمی اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لوں"!

بوڑھے راہبر نے سرد مہری اور غیر متنفقانہ انداز میں دھیرے سے کہا "تدبّر اور جوش میں اسی طرح ایکا رہا ہے کہ جب تدبیر اپنا منصوبہ بنا چکتی ہے تو اس پر عمل پیرا ہونے کا جوش کو حکم دیتی ہے، ورنہ جوش کبھی بھی تدبیر پر حکمراں نہیں رہا۔"

سفیان نے بوڑھے راہبر کا مشورہ نہیں مانا اور برابر چلتا رہا۔ راستے میں کئی بڑے بڑے پہاڑی غار نظر آئے، اتنے بڑے کہ ان میں سینکڑوں آدمی چھپ سکتے تھے، سفیان کے دل میں لمحے بھر کے لئے اندیشے نے جنم لیا جیسے آسمان کی بے کراں نیلی فضا میں کوئی چھوٹا سا تیز پرواز پرندا اپنی جھلک دکھاکر نظروں سے اوجھل ہوجائے۔

جب یہ لوگ دھبّے جیسے قلعے کی دیواروں کے سائے میں پہنچے تو سفیان کو یکایک یہ احساس ہوا کہ اسے اپنا پرجوش فیصلہ بدل دینا چاہیئے اور رات اسی قلعے میں بسر کرنی چاہیئے، اس نے اپنے فیصلے سے راہبر کو مطلع کیا اور راہبر نے خوش ہوکر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے کی طرف تیزی سے بڑھا۔

سفیان اپنے آدمیوں کے ساتھ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو قلعے کے پہریداروں نے راہبر سے ضروری سوال وجواب کے بعد قلعے دار کے پاس قلعے کا دروازہ کھولنے نہ کھولنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے چند

آدمی بھیج دیئے، تقریباً گھنٹے پون گھنٹے بعد چند مشعل برداروں کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر قلعے دار اپنے جسم اور سر کو پوستین میں چھپائے ان کے پاس آیا اور خلافت کے کاغذات اور فرامین دیکھ کر قلعے کے دروازے کھلوا دیئے اور انہیں سرد جذبوں کے ساتھ قلعے کے اندر بلا لیا۔ سفیان نے مشعلوں کی روشنی میں دروازے سے آگے چند لاشیں پڑی دیکھیں ادھیڑ عمر قلعے دار نے سفیان کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا" یہ ان باغیوں میں سے چند کی لاشیں ہیں جنہوں نے آج مغرب کے وقت اس قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، یہ خرمیہ فرقے کے لوگ تھے اور چاہتے تھے کہ اس قلعے پر قابض ہو جائیں!"

سفیان نے تشویش سے کہا" ان کمبختوں میں اتنی ہمّت پیدا ہوگئی ہے کہ باقاعدہ حکمراں غنیموں کی طرح لشکر کشی کرنے لگے ہیں، اب میں دیکھوں گا کہ یہ کس طرح ہمارے مقابلے میں ٹھیرتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کس تدبیر سے خرمیہ فرقے کے بانی بابک خرمی ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، ایک ایسا کام جو بوڑھوں اور تجربے کاروں کی عقل نہیں کر سکی، میں کر دکھاؤں گا!"

قلعے دار نوجوانی کے اس بلند بانگ دعوے پر مسکرا دیا۔

رات سونے سے پہلے سفیان بابک خرمی کو ٹھکانے لگانے کی مختلف تدبیروں پر غور کرتا رہا۔ کئی تدبیروں میں سب سے زیادہ موثر تدبیر یہ تھی کہ وہ کسی بھرے جوان کو گراں قدر معاوضے کا لالچ دے کر بابک خرمی کی خدمت میں روانہ کرے گا، یہ نوجوان خرمیہ فرقے میں داخل ہو جائے گا اور ان کا غیر معمولی اعتماد حاصل کر کے، کسی دن موقع پا کر بابک خرمی کو قتل کر دے گا۔ منصوبے کے نشیب و فراز پر غور کرتا ہوا وہ سو گیا۔

کچھ ہی دیر بعد کسی نے دروازہ پیٹ پیٹ کر اسے بیدار کر دیا۔ وہ نیم خوابیدہ حالت میں اٹھ بیٹھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا ایک سپاہی اندر داخل ہوا اور وحشت ناک خبر سنائی" جناب والا! ہمارے ساتھ سخت دھوکا کیا گیا ہے، ہمارا راہبر بابک خرمی کا آدمی تھا اور یہ قلعہ بھی اسی کا ہے ہمارے سپاہی قید کئے جا چکے ہیں، میں معلوم نہیں کس طرح نکل بھاگا ہوں، آپ بھی یہاں سے نکل بھاگنے کی ترکیب کیجئے ورنہ یا تو ہمارا ایمان جائے گا یا پھر جان!"

سفیان نے جلدی جلدی جسم پر پوستین ڈالی اور چند ہتھیار لے کر

ـــرے سے باہر آگیا۔ قلعے کا راستہ دیکھا بھالا نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا
ا کہ قلعے سے باہر کس طرح نکلے، اس کے ساتھی سپاہی نے کہا "ہمیں اس
لے کو تلاش کرنا چاہیئے جو آخر کار باہر کی طرف نکلتا ہے!"

اندھیــــرے میں یہ کام انجام دینا آسان نہ تھا اور خاص کر اس حالت
ں کہ بابک خرمی کے آدمی انہیں تلاش کر رہے ہوں، وہ کس طرح نکل بھاگ
کتے تھے وہ دونوں بھاگتے بھاگتے ایک نالے میں اتر گئے اور اس کے اندر
اگتے ہوئے باہر جانے کا راستہ تلاش کرتے رہے۔ جب وہ نالے کی آخری
رپر پہنچ گئے تو پتہ چلا کہ نالا بند ہے اور باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں
ہ دونوں ابھی نالے سے باہر نکلے بھی نہ تھے کہ یکایک کئی مشعل بردار ان
ں دونوں کی طرف بڑھے اور انہیں روک لیا، انہیں میں سے ایک شخص نے
سخر آمیز ہنسی میں کہا "تم بھاگ رہے تھے!! ہم سے بچ کر منہ چھپائے
ہاں جا رہے تھے آخر؟"

سفیان نے اس شخص کو اس کی صورت اور آواز سے پہچان لیا، یہ
ہی قلعے دار تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کوئی اشارہ کیا جواب میں، انہوں
ے سفیان سے اس کے ہتھیار چھین لئے، قلعے دار نے کہا "تم محفوظ ہو،
اگو مت!"

مقابلہ کر کے جان دینا بہت آسان بات تھی لیکن اس سے حاصل کیا
ہوتا؟ سفیان نے یہی سوچ کر خود کو قلعے دار کے حوالے کر دیا اسے دوبارہ
سی کمــــرے میں پہنچا دیا گیا جہاں سے بھاگا تھا لیکن اس بار کمــــرے کو باہر سے
مقفل کر دیا گیا، اس کی نیند اُڑ چکی تھی اور اسے پہلی بار یہ احساس ہوا
جس دشمن سے اس کا مقابلہ ہے وہ غیر معمولی چالاک اور طاقتور ہے،
معوں پر اس کا قبضہ ہے اور باقاعدہ فوج رکھتا ہے، رات کا بقیہ حصہ
س نے جاگ کر گزار دیا۔ اس کا ذہن خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ بابک خرمی
ر قابو پانے اور پھر ہلاک کر دینے کے جتنے منصوبے سوچے تھے اب وہ سب
لط اور بے کار ثابت ہو چکے تھے۔ اب ان خطرناک اور مجبور حالات میں
یا کرنا چاہیئے؟ ذہن یہ سوچنے میں مصروف تھا اور صبح ہونے ہوتے وہ
س نتیجے پر پہنچا کہ دشمن موقع محل دیکھ کر مناسب حال حربے اختیار کرتا

ہے، عیاری چالاکی، مکروفریب اور جنگ جوئی غرضکہ وقت کا تقاضا جس حربے کے حق میں ہوتا ہے، بابک خرمی اور اس کے پیرو وہی حربہ استعمال کرتے ہیں، اس نے طے کیا کہ اسے اپنے دشمن ہی کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا اس لئے یہ بات امید افزا تھی کہ دشمن اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کئے ہوئے تھے اور قلعے دار نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ "تم محفوظ ہو"۔ بھاگو مت!" اس نے سوچا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ عیّاری اور چالاکی سے کام لیا جائے۔

تالے میں کنجی ڈالنے کی آہٹ محسوس ہوئی اور جب دروازہ کھلا تو دو شمشیر بردار سپاہیوں کے ساتھ قلعے دار اندر داخل ہوا اور خوش اخلاقی سے ساتھ چلنے کی درخواست کی، سفیان کسی مزاحمت یا چہرے پر نفرت کا اظہار کئے بغیر قلعے دار کے ساتھ ہولیا، قلعے دار اسے اس کے ہی سپاہیوں کے ہجوم میں لے گیا جو ایک اڑتالیس پچاس سالہ مضبوط اور توانا شخص کے روبرو چند کلمات ادا کر کے شخص مذکور کے داہنی طرف چلے جاتے تھے، قلعے دار نے نہایت ادب سے جھک کر اس مضبوط اور توانا شخص کو سلام کیا اور سفیان کو اپنی تقلید کا حکم سنا دیا لیکن سفیان نے "السلام علیکم" ہی پر اکتفا کیا۔

قلعے دار نے درشت لہجے میں کہا "نوجوان! اس وقت تو روحِ جاویداں کے سامنے کھڑا ہے، روح جاویداں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی، اب وہ تیرے سامنے موجود اعلا حضرت بابک خرمی کے جسم میں حلول کر چکی ہے، تجھ پر فرض ہے کہ اسے جھک کر سلام کرے!"

سفیان نے حیرت اور جستجو آمیز نظروں سے بابک خرمی کو دیکھا۔

بابک نے بھی سفیان پر اچٹتی نظر ڈالی اور قلعے دار کو اشارے سے منع کیا کہ وہ سختی اور درشتی سے کام نہ لے، سفیان کے سپاہی ایک ایک کر کے بابک پر ایمان لانے کے کلمات ادا کر کے دوسری طرف چلے جاتے۔ سفیان کو حیرت تھی کہ یہ سپاہی تو اس کی سرکردگی میں بابک خرمی سے جنگ کرنے آئے تھے اور آج وہ بابک پر ایمان لا رہے تھے اور اسے گویا پہچانتے ہی نہ تھے، دوپہر بعد یہ عمل ختم ہوا تو بابک نے اٹھتے ہوئے قلعے دار کو حکم دیا کہ سفیان کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے چلے جس کی تعمیل کی گئی۔

تخلیے میں بابک نے سفیان سے کہا "کیا تمہارا نام سفیان ہے! اور خلافت

عباسی نے تمہی کو اردبیل کے حماد والے قلعے کا محافظ بنا کے بھیجا ہے"؟
سفیان نے جواب دیا" ہاں میں وہیں جا رہا تھا کہ مجھے دھوکا دے کر تمہارے حوالے کر دیا گیا!"
" یہ بات نہیں ہے!" بابک نے نظریں ملائے بغیر کہا۔" کیا حماد تمہارا باپ تھا؟"
" ہاں!"
" وہ جاہل اور منکر تھا" بابک نے نرمی سے کہا" اور شاید بے وفا اور غیر ذمّے دار بھی!"
سفیان نے جواب دیا" اگر میرا باپ جاہل اور منکر ہوتا تو خلافت عباسی اسے قلعے داری کا منصب ہرگز نہ سونپتی اگر وہ تمہارے بقول بے وفا اور غیر ذمے دار ہوتا تو خلافت کے لئے اپنی جان نہ دے دیتا!"
بابک نے ہنس کر کہا" تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، تمہارا باپ جاہل اور منکر اس لئے تھا کہ اس نے روح جاویدان کا انکار کیا، جو مجھ میں حلول کر چکی ہے، وہ بے وفا اور غیر ذمّہ داریوں تھا کہ اس نے تمہیں اور تمہاری ماں کو چھوڑ کر ایک دوسرے خاندان کی بنا ڈالی، کیا تم ایسے بے وفا شخص کو اپنا باپ کہتے ہوئے کوئی شرم نہیں محسوس کرتے؟!
بابک کی بات کا ایک حصّہ صحیح تھا لیکن بات کے نصف اوّل سے اسے انکار تھا۔
بابک نے نرمی اور شفقت سے کہا" تم کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، ہمیں تم جیسے پرجوش نوجوانوں کی ضرورت ہے، وہ قلعہ جس کا قلعے دار تمہیں مقرر کیا گیا ہے اب وہ ہمارے قبضے میں ہے، اگر تم ہمارے پیروؤں میں شمولیت اختیار کر لو گے تو تمہیں ہم اپنی طرف سے اس قلعے کا محافظ بنا دیں گے!"
سفیان کو فوری فیصلہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی ——
بابک کی تیز نظروں نے سفیان کے چہرے پر پھیلے ہوئے تذبذب کو محسوس کر لیا۔ بولا" فی الحال تم ہمارے خاندان میں رہو، آدم کے بیٹوں کا خاندان جہاں محرم اور نامحرم کی پابندیاں نہیں ہیں، ایک ایسا خاندان جہاں مائیں اور بہنیں تقدس کے فرضی اور مصنوعی پردوں کے پیچھے نہیں بٹھائی جاتیں

یہاں مرد، مرد ہے، اور عورت، عورت۔ عورت صرف عورت ہے، اور مر[د]
صرف مرد۔ ہمارا خاندان ایسا نہیں ہے جہاں مرد اور عورتیں شرم و حیا کی د[بیز]
چادروں میں اپنی فطری اور حقیقی خواہشات نفسانی کو باندھ کر شجرِ ممنوع[ہ]
کی طرح دور رکھ دیں، میں تمہیں اپنے فرشتگان کے حوالے کر دوں گا وہ
اس جدید معاشرے کا خوش قسمت انسان بننے میں پوری پوری مدد دیں گے
سفیان متحیر اور ششدر بابک کی باتیں خواب و خیال کی طرح سن[تا]
رہا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں مرد اور عورت ایک ہی نقشہ رکھتے ہوں،
ایک ایسا خاندان جہاں مرد صرف مرد ہے، اور عورت صرف عورت ہے۔ ا[ن]
باتوں میں ایک نوجوان کے لئے بڑی کشش تھی لیکن سفیان کے لئے سب [سے]
بڑی مشکل یہ تھی کہ اس کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ علم حدیث اور [علم]
فقہ میں ایک خاص شہرت رکھتا تھا اور اس کے لئے یہ بات تقریباً ناممـ[کن]
تھی کہ وہ کسی ایسے معاشرے یا خاندان کا ایک فرد بن جائے جہاں رشتو[ں]
کا تقدس سرے سے نابود کیا جا چکا ہو۔ اس نے سوچا اس دلچسپ معاش[رے]
میں کچھ دن احتیاط سے رہ کر معلومات ضرور حاصل کرنی چاہئیں پھر کسی د[وسرے]
موقع ملتے ہی فرار ہو جانا نہایت آسان ہو جائے گا۔ وہ یہ بات بھی خو[ب]
جانتا تھا کہ بابک کے آدمی اسے خرمیہ فرقے میں داخل ہو جانے پر مجبور ضر[ور]
کریں گے لیکن اس کا عذر بھی اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ
دباؤ کے موقع پر وہ کہہ دے گا کہ خرمیہ فرقے میں شمولیت وہ اسی وقت
اختیار کرے گا، جب وہ اسے عقلی طور پر سمجھ بھی لے۔
یہ قلعہ نہیں اچھا خاصا شہر تھا۔ بابک نے اسے جن فرشتگان کے
حوالے کیا تھا، وہ قلعے کی پرانی آبادی میں خرمیہ فرقے کی تبلیغ و اشاع[ت]
کا کام انجام دے رہے تھے، ان فرشتگان نے اسے بتایا کہ مسلمانوں کا
عقیدہ غلط ہے کہ وحی ربانی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور یہ عقیدہ بھی غلط
کہ دنیا پر حکومت صرف ایک خدا کی ہے بلکہ یہاں دو متضاد طاقتیں بر
پیکار ہیں، ایک نور ہے، دوسری ظلمت، ایک یزداں ہے، دوسری اہرم[ن]
انہی فرشتگان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرقہ خرمیہ میں ہر وہ ...
جائز ہے جس سے نفس محظوظ ہو اور طبیعت اس کی طرف راغب ہو، ز[نا]

کے لطف و لذت کے آس پاس دیواریں کھڑی کر دینا حماقت اور جہالت ہے یہ فرشتگان آبادی میں گھما پھرا کر مشاہدات کراتے رہے، آبادی کا بڑا حصّہ بابک پر ایمان لے آیا لیکن جن لوگوں نے ایمان قبول کرنے سے انکار کیا انہیں نہایت بیدردی سے قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا گیا، فرشتگان کا ہر عمل سفیان کے دل پر دو قسم کے اثرات مرتب کر رہا تھا۔ ایک تو یہ کہ بابک پر ایمان لے آنا چاہیئے دوسرا یہ کہ بصورت انکار قتل بھی کیا جا سکتا ہے، آبادی کے بعض ذہین اور پرجوش نوجوانوں کے ساتھ بھی سفیان ہی جیسا سلوک روا رکھا گیا۔ بابک کے پیرو ذہین اور پرجوش نوجوانوں کو کسی بھی طرح اپنا ہم خیال اور ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

رات کو اسے ایک ایسے قصر میں لے جایا گیا، جہاں عورتوں کا اژدہام تھا۔ قصر کے درمیان میں ایک شاندار کمرہ بنا ہوا تھا۔ کمرے کے سامنے حوض تھا۔ جس میں فوارے چھوٹ رہے تھے، کہر آلود ماحول میں، فواروں کی بارش ایسا لگتا تھا جیسے چاندنی میں برفباری ہو رہی ہو، قصر میں داخل ہوتے ہی اس کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ فرشتگان اسے بابک کے قریب لے گئے جو ایک تخت پر بیٹھا حسین اور نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو بوسوں کی سعادت سے نواز رہا تھا۔ نوجوان اور گداز جسموں والی لڑکیاں اور عورتیں اسکے قریب ہو جاتیں اور اس کی ہتھیلی کی پشت اور کبھی کبھی پیشانی کا بوسہ لے کر دوسری طرف چلی جاتیں۔ کسی کسی لمحے جب بابک کے روبہ رو کوئی انتہائی حسین اور گداز جسم والی لڑکی پہنچ جاتی تو بابک گہری اور تیز نظروں سے اس کے سراپا اور شباب کا یوں جائزہ لیتا جیسے کوئی آقا بازارِ غلاماں میں حسین و جمیل کنیزوں کے حسن و شباب کو ہوس اور شہوت کی نظروں سے تولتا ہے، سفیان نے اس تقریب میں ایسا حسن و شباب دیکھا کہ اس کی نیت ڈانواں ڈول ہونے لگی اور خواہشاتِ نفسانی نے انگڑائی لے کر اسے مشورہ دیا کہ وہ بابک پر ایمان لے آئے۔

ایک لڑکی جس کا چہرہ کسی حد تک بیضوی تھا اور رخسار۔ شباب کی آنچ سے تمتمائے ہوئے تھے، لڑکھڑاتے قدموں سے بابک کے سامنے جا کھڑی ہوئی، اس نے نہ تو بابک کے ہاتھ چومے اور نہ ہی پیشانی کو بوسہ دیا۔ بابک نے

اسے ایک نظر دیکھا اور فرشتے سے کچھ دریافت کیا۔ فرشتے نے ایک نظر سفیان پر ڈالی اور پھر بابک سے مخاطب ہو گیا۔ پھر بابک نے بھی سفیان کی طرف دیکھا اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ بابک سے کس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کیونکہ درمیانی فاصلہ کافی تھا۔ اور باتیں بھی ذرا آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں لیکن اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ باتیں اسی کی بابت ہو رہی ہیں، پھر ایک فرشتے نے لڑکی کی گدی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے بابک کے روبرو جھکانے کی کوشش کی، لڑکی اکڑی رہی، وہ رونے لگی۔ وہ زور زور سے کہہ رہی تھی "میں اسے بوسہ نہیں دونگی۔ میں اس کے آگے سر نہیں جھکاؤں گی، تم مجھے مارو، سب مجھے یہ منظور ہے لیکن یہ منظور نہیں کہ میں اس شخص کو سجدہ کروں یا اس کے کسی عضو کو بوسہ دوں"

ایک صراحی بردوش عورت بابک کے قریب پہنچی اور جام میں شراب انڈیل کر بابک کے ہونٹوں سے لگا دی، بابک اسے غٹا غٹ چڑھا گیا اور ترنگ میں آ کر اپنے فرشتگان کو کوئی حکم دیا۔

ایک بڑے بڑے دانتوں والا چیچک منہ داغ فرشتہ سفیان کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ "روحِ جاویدان جو اس وقت اعلاحضرت بابک کے جسم میں موجود ہے تم پر بہت مہربان ہے، اس نے اس ناچیز کو حکم دیا ہے کہ اس سرکش حسینہ کو تمہارے حوالے کر دیا جائے کیونکہ تم عورت کی بھوک تو ضرور ہی محسوس کرتے ہو گے!"

سفیان نے پوچھا "کیا یہ لڑکی ہمارے پاس ہنسی خوشی آنے کو تیار ہے"؟۔

فرشتے نے جواب دیا "نہیں، ابھی اس پر وحشت سوار ہے، اسے خود پر مائل کرنا تمہارا کام ہے، اور یہ کام کچھ اتنا مشکل نہیں ہے، یزدان نے جو نفس اور جو خواہشات مرد کو دی ہیں وہی عورت کو بھی ملی ہیں بس تمہارا کام تو اتنا سا ہے کہ تم چالاکی اور ہوشیاری سے اس کے اندر کی عورت کو بیدار کر دو!"

سفیان نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ فرشتہ تیزی سے واپس گیا اور لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا۔ بولا" یہ سرکش لڑکی تیرے حوالے کی جا رہی ہے، روحِ جاویدان یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ تو اسے کس طرح مسخر

کرتا ہے!"

لڑکی نے بے بس نظروں سے سفیان کو دیکھا اور آنسو بہانے لگی۔

سفیان نے بابک کی طرف دیکھا اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ سفیان کو کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے۔ محفل والوں نے سفیان کو رشک وحسد کی نظروں سے دیکھا اور خوشی سے تالیاں بجائیں، چند بابکی پیروؤں نے سفیان کو مبارکباد دی کہ وہ اپنے عہد کا ایک خوش قسمت ترین نوجوان ہے کیونکہ بابک نے اسے ایک لڑکی عطا کی ہے اور اس حالت میں کہ سفیان نے ابھی تک نئے دین میں شمولیت کا اعلان تک نہ کیا تھا بابک کا یہ انعام کچھ زیادہ قدر و وقعت کا مستحق قرار پاتا تھا۔

سفیان نے اس سوگوار اور چشم پرنم حسینہ کا جائزہ لیا۔ بیضوی اور آنچ جیسے چہرے پر سیاہ بکھری زلفیں قیامت تھیں، لڑکی کے سیدھے رخسار پر عین اس جگہ جہاں جبڑے کی ہڈی ابھری ہوتی ہے ایک سیاہ تل نمایاں تھا بھیگی بھیگی شرمیلی اور حیا وندامت سے عرق عرق آنکھیں کیف و مستی کے فوارے تھیں، گردن کے نیچے حسن اور شباب مائل بہ پرواز محسوس ہوتا تھا۔ کمر پتلی تھی اور جب وہ چل کر سفیان کے پاس آ رہی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے یہ پتلی کمر درمیان سے ٹوٹ جائیگی۔ سفیان پوری محفل کا مرکزِ نگاہ تھا۔

سفیان نے لڑکی سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور زور زور سے سسکیاں لینے لگی۔

سفیان نے اسے تسلی دی "تم پریشان کیوں ہو؟ تمہیں تو کسی نے ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا!"

لڑکی نے تلخی سے جواب دیا "سینکڑوں کے مجمع میں تماشا بنا کے کھڑا کر دینا کچھ کم ہے، یہ تو ہاتھ لگانے سے بھی بدتر ہے، یہ سب کچھ میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے!"

سفیان نے کہا "کیا تمہیں معلوم ہے کہ اب تمہیں ہمارے ہی ساتھ رہنا پڑے گا!"

لڑکی نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ سفیان نے کہا "ارے تم نے اپنا نام نہیں بتایا!"

لڑکی نے جواب دیا۔" یوں تو میرا نام عصمہ ہے لیکن میں اپنے والدین کے رکھے ہوئے اس نام کو استعمال نہ ہونے دونگی !"

" وہ کیوں ؟" سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔

لڑکی نے جواب دیا۔" کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ اس غلیظ اور گندے ماحول میں اپنے والدین کا نام استعمال کروں !"

ہال میں ایک دم شور بلند ہوا، سفیان اور لڑکی کی نظریں ایک دم بابک پر جا پڑیں، اس وقت بابک کھڑا ہو چکا تھا اور دو حسین ترین عورتیں اس کے دونوں بازوؤں میں جکڑی ہوئی تخلیئے میں چلی جا رہی تھیں۔

بدصورت فرشتہ سفیان کے قریب آیا اور کہا۔" روحِ جاویدان اپنی معنوی بیٹیوں پر مہربان ہو گئی ہے، یہ دونوں حسین عورتیں بظاہر حقیقی بہنیں ہیں اور ان کی ماں ہمارے مالک اور آقا سے اسی طرح لطف اندوز ہوتی رہی ہے جس طرح آج یہ دونوں لطف و لذت حاصل کریں گی !"

سفیان نے پوچھا۔" تم لوگ بار بار روحِ جاویدان کی رٹ لگاتے رہتے ہو، آخر یہ روحِ جاویدان ہے کیا شے ؟ اس سے تمہاری کیا مراد ہے ؟"

بھونڈے فرشتے نے جواب دیا۔" سالہا سال پہلے یزداں کی روح ہمارے مولا اور آقا جاویدان میں حلول کر آئی تھی، پھر جب جاویدان نے اس فانی اور عارضی دنیا سے منہ موڑا تو روحِ جاویدان ہمارے موجودہ مالک اور آقا بابک خرمی کے قالب میں داخل ہو گئی اور اس نے فوراً اس عورت کو طلب کر لیا جو پہلے جاویدان کی بیوی تھی، چنانچہ اب جاویدان کی بیوی ہمارے آقا اور مولا بابک کی بیوی ہے !"

شور و غل نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی، اس وقت بابک دونوں عورتوں کو دبائے ہوئے تخلیئے کی تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

سفیان نے عصمہ سے کہا۔" تم میرے ساتھ چلو گی یا کچھ اور سوچا ہے؟"

بدشکل فرشتے نے قیامت کھڑی کر دی، پرجوش لہجے میں بولا۔" یہ لڑکی تیرے حوالے کی گئی ہے، اب اگر تو نے اسے کسی اور کے حوالے کر دیا تو یہ تیرے حق میں بڑی بری بات ہو گی، اتنی بری بات کہ تیرا درخشاں مستقبل تجھ سے سالوں دور ہو جائے گا !"

سفیان فی الحال بابک خرمی کی مخالفت یا عناد کا شکار نہیں ہونا
ہتا تھا۔ اس نے اپنے بد شکل فرشتے کو دکھانے کے لئے عصمہ کو ڈانٹا،
لاؤ، او لڑکی! تو میری ملکیت ہے، میرے ساتھ چل اور تجھے میرے ساتھ
ی طرح رہنا ہو گا جس طرح میں چاہوں گا!"
لڑکی نے سہمی سہمی اور خوفزدہ نظروں سے سفیان کو دیکھا
ر خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔
اپنی خوابگاہ میں سفیان نے لڑکی کو سلا دیا اور خود خوابگاہ
، باہر برآمدے میں پڑ رہا۔ رات میں کئی بار لڑکی نے اٹھ اٹھ کر یہ معلوم
نے کی کوشش کی کہ سفیان کہاں سو رہا ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوا
سفیان نے برآمدے میں بستر بچھا لیا ہے تو لڑکی پریشان ہو گئی۔ وہ
ہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھی، سفیان ابھی تک جاگ رہا تھا
ن نے عصمہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور جھوٹ
ٹ کے خراٹے لینے لگا۔
عصمہ اس کے سرہانے کھڑی ہو گئی اور ڈرتے ڈرتے آنکھوں پر
ک کر سفیان کے سو جانے کا یقین کرنے لگی۔
سفیان نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اس نے اپنے چہرے پر
صمہ کی سانسوں کی گرمی محسوس کی۔
عصمہ نے اپنا چہرہ اٹھا لیا اور غور سے سفیان کو دیکھنے لگی۔ پھر جگانے
ے لئے دونوں ہاتھ سفیان کے شانوں کی طرف بڑھائے لیکن جھجک کر
ھیچ لئے اور آہستہ سے رک رک کر کہا "او شیطانوں کے
رمنیان گھرے ہوئے شریف نوجوان! تو نے میری خاطر اس سخت سردی میں
نی خوابگاہ چھوڑ دی، اپنا گرم کمرہ اور گداز بستر میرے حوالے کر دیا اور
ر اس سرد اور بے آرام برآمدے میں پڑ رہا، تو ایک شریف نوجوان ہے
ریف اور نیک والدین کا شریف اور نیک بیٹا!"
سفیان، عصمہ کی باتیں سن سن کر مگن ہو رہا تھا۔
عصمہ نے کہا "خیر آج کی کوئی بات نہیں لیکن تم کل اس برآمدے
ں نہیں سوؤ گے!"

وہ ایک بار پھر سفیان کے چہرے پر جھک گئی اور پھر سیدھی ہو
واپس چلی گئی۔
دوسرے دن دونوں ایک دوسرے کو نظریں بچا بچا کر دیکھتے ر
اور باتیں بہت کم ہوئیں۔ سہ پہر کو بھونڈی شکل والا فرشتہ سفیان
پاس آیا اور اسے مطلع کیا کہ اس کے آقا اور مولا بابک خرمی نے ا
خبردار کیا ہے کہ اگر سفیان نے عصمہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور
اب بھی کورے کاغذ کی طرح سادہ ہے تو اسے کسی ایسے نوجوان کے
کر دیا جائے گا جو اس سادے اور کورے کاغذ پر لذت آمیز عبارت آ
کر سکے اور اس کی جگہ سفیان کو کوئی دوسری ایسی لڑکی پیش کر دی ج
جو اس کے جذباتِ شہوانی میں تحریک پیدا کر دے۔
فرشتے کی اس تنبیہہ نے دونوں کو پریشان کر دیا اور دونو
ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔
فرشتے نے سفیان سے سوال کیا۔ "تم کیا کہتے ہو؟"
سفیان نے ہچکچا کر جواب کے بجائے سوال کیا "یہاں شادیا
طرح ہوتی ہیں؟"
فرشتے نے کراہیت سے جواب دیا "دل اور خواہشاتِ نف
کا کسی عورت یا لڑکی پر مائل ہو جانا ہی شادی ہے، کیا تمہارے
اس لڑکی میں کوئی کشش نہیں؟"
سفیان نے جلدی جلدی جواب دیا "ہے کیوں نہیں لیکہ
فرشتے صاحب! میں جس ماحول سے اٹھ کر یہاں تمہارے درمیان آ
وہاں کے کچھ اور آداب ہیں، ان آداب اور رسوم کو میں یک لخت کہ
ترک کر سکتا ہوں، اپنے مالک اور آقا بابک سے کہو کہ وہ مجھے کم
اتنا وقت ضرور دے دیں کہ میں خود کو یہاں کے رسم و رواج کا عاد
فرشتہ عصمہ سے مخاطب ہوا۔ پوچھا۔ "لڑکی! کیا تو یہ بتہ
کر یگی کہ خود تو نے اس نوجوان کو کس حد تک پسند کیا ہے؟"
عصمہ نے مسکرا کر سفیان کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔
فرشتے نے عصمہ کے منہ کے قریب اپنے کان لے جا کر سوا

"اگر تجھے کسی وجہ سے یہ نوجوان پسند نہیں ہے تو میں تیرے لئے کسی
ے نوجوان کا انتظام کر سکتا ہوں!"
عصمہ نے جواب دیا۔" مجھے چند دن سوچنے کا موقع دو، اس کے بعد جواب
ں گی اور جہاں تک میری پسند اور ناپسند کا تعلق ہے میں کسی اور کو سفیان
رگز ترجیح نہ دوں گی!"
فرشتے نے کہا" بی بی تو جو کچھ بھی کہے گی، میں مان لوں گا لیکن ایک بات
ن ہے جس کا تجھے علم ہونا چاہیئے!"
عصمہ نے آہستہ سے پوچھا" وہ کیا؟"
فرشتے نے جواب دیا۔ لطف اور لذت ہی زندگی ہے، ہمارا آقا اور مولا
نا ہے کہ وہ جس نوجوان مرد یا عورت پر اپنی مہربانی عام کرے تو وہ دونوں
ایک دوسرے سے لطف اندوز ضرور ہوں۔"
عصمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سفیان نے کہا" تم ہمیں چند روز یوں
رہنے دو، ہم کوشش کریں گے کہ خرمیہ رسوم اور رواج پر کاربند ہو جائیں!
فرشتہ چلا گیا تو سفیان نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا" بڑی مشکل
پڑی ہے، اگر یہاں سے بھاگنا چاہیں تو یہ اور مشکل کام ہے!"
عصمہ چپ رہی، رات تیزی سے بھاگی چلی آ رہی تھی اور عصمہ کا دل
پ رہا تھا کہ کہیں سفیان بدل نہ جائے۔
ایک دن پہلے اس نے یہ سوچا تھا کہ سفیان کو برآمدے میں نہیں سونے
ے گی لیکن فرشتے کی باتوں نے اسے اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ خواب گاہ
دروازے اندر سے بند کر کے پڑی رہی اور سفیان ایک بار پھر برآمدے
پڑا رہا۔ پوری رات سفیان نے اس امید میں گزار دی کہ عصمہ اب آئی
اب آئی اور اسے زبردستی اندر اٹھا لے جائے گی لیکن پوری رات اسی
ظار میں گزر گئی اور عصمہ نہیں آئی۔ عصمہ کی بے رخی سے سفیان کو
ہوا۔ اس نے بھی سرد مہری اختیار کی اور عصمہ سے بات چیت ترک
دی۔ بابک کا فرشتہ ان دونوں کے لئے کھجور اور چند دوسرے میوہ
۔ دونوں ایک ساتھ آمنے سامنے بیٹھ کر کھاتے رہے اور بدصورت فرشتہ
دونوں کے چہروں سے ان کے غیر معمولی سکوت کو سمجھنے کی کوشش

کرتا رہا۔ معاً سفیان کو خطرے کا احساس ہوا کہ ان دونوں کا یہ کھنچا کھنچا
انداز ان کے حق میں نقصان دہ ہے۔ اس نے سکوت ختم کیا اور فرشتے کو
بات چیت سے دھوکا دینے کی کوشش کی، بولا "عصمہ! رات بڑی پرلطف
نیند آئی، کہو تمہیں بھی لطف حاصل ہوا؟"

عصمہ نے وحشت سے سفیان کو گھورا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

سفیان نے مزید کہا "تم پریشان نہ ہو، بس چند ہی دنوں کی بات
ہے کہ ہم دونوں اس ماحول اور یہاں کے رسم و رواج کے عادی ہو جائیں۔
اور راتیں اس سے زیادہ حسین اور پرکیف ہو جائیں گی۔" پھر آنکھیں بند کر
لطف لینے کے انداز میں بولا "آہ کیسی حسین ساعتیں تھیں وہ بھی، عصمہ ا
ایک ایسا پھل ہے جس کی شیرینی اور لذت کا کوئی دوسرا پھل مقا
نہیں کر سکتا۔"

جب آنکھیں کھلیں تو دیکھا بد صورت فرشتہ عصمہ کو ... لے جا رہا ہے
فرشتے نے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر ... دل نیا نے عص
یہ نوجوان جو کچھ کہہ رہا ہے کیا درست ہے؟"

عصمہ نے شرم سے جواب دیا "میری مرضی اور اجازت کے بغیر یہ شخ
کچھ بھی نہیں کر سکتا اگر میں اس سے باقاعدہ شرعی طریقے سے منسوب کر دی جا
تو واقعی میرے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے!"

فرشتے نے خفگی سے کہا "تو باقاعدہ بے قاعدہ کی بات کرتی ہے می
آقا اور مولا بابک تجھے باقاعدہ اس نوجوان کے حوالے کر چکا ہے تم دونو
کے لئے بس یہی بات کافی ہے!"

پھر وہ سفیان کے پاس گیا، بولا "تیرے اندر کا نفاق ظاہر ہو چکا۔
تیرے دل پر انکار کی مہر لگی ہوئی ہے، میں اپنے آقا کو مطلع کر دوں گا
اس منکر نوجوان کا مزید زندہ رہنا شاید مشیت یزداں میں نہیں ہے۔

سفیان نے بے نیازی سے جواب دیا "میں مرنے سے نہیں ڈر
تم لوگ جب چاہو مجھے ہلاک کر دو!"

فرشتہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

سفیان سر جھکائے بیٹھی ہوئی عصمہ کو کچھ دیر ٹکٹکی باندھے دیکھتا

یک آدھ بار عصمہ نے نظریں اوپر اٹھائیں لیکن سفیان کی نظروں کی تاب نہ لاکر
پھر ہی جھکالیں، سفیان اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا عصمہ کے پیچھے
کھڑا ہوا، عصمہ اپنی پشت پر اس کی موجودگی محسوس کرکے سمٹ گئی۔ یکایک
سفیان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عصمہ اور زیادہ سکڑ گئی۔
سفیان نے کہا "عصمہ!" تم سے یہ بدصورت فرشتہ کیا پوچھ رہا تھا؟"
عصمہ نے رک رک کر جواب دیا "تم نے رات کی بابت جو کچھ کہا تھا مجھ
سے اس کی تصدیق چاہتا تھا!"
"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"
عصمہ نے جواب دیا "میں نے تمہارے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا، تمہیں ایسی
جھوٹی فضول اور گندی بات نہیں کہنی چاہئے تھی!"
سفیان نے اس کا شانہ مضبوطی سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ دانت پیس کر بولا "احمق
لڑکی!" تجھے سچ نہیں بولنا چاہئے تھا، یہ جھوٹے لوگ سچ پسند نہیں کرتے!"
عصمہ نے شرم وحیا سے جواب دیا "ایک ایسا گھناؤنا فعل، جس میں میں
شریک نہیں تھی، جھوٹ موٹ بھی اس کا اقرار کیوں کرلوں؟"
سفیان نے کہا تب پھر ہم دونوں کو جدائی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے،
کیونکہ بابک خرمی اب تمہیں کسی اور کے حوالے کردے گا اور میرے پاس کوئی اور
لڑکی بھیج دی جائے گی!"
عصمہ پریشان ہوگئی اور گھرا کے سفیان کو دیکھنے لگی۔
سفیان نے عصمہ کو شانے سے پکڑ کر ایک زور کا جھٹکا دیا، عصمہ کا چہرہ
سفیان کے سامنے آگیا۔ اس نے عصمہ کے دونوں شانے مضبوطی سے پکڑ لئے
اور اس کی شکل غور سے دیکھنے لگا۔ عصمہ کی نظریں نیچے تھیں، اپنے پیر کے پنجوں
پر، پھر اس نے عصمہ کے شانے چھوڑ دیئے اور دونوں ہاتھوں سے گدی پکڑ لی،
زور لگا کے چہرہ اپنے قریب کرنا چاہا لیکن عصمہ نے گردن اکڑا لی، سفیان نے
قوت سے عصمہ کے چہرے کو اپنے چہرے سے ملایا اور اس کی پیشانی پر پیار کرلیا،
عصمہ نے اپنے چہرے کو ادھر ادھر ہٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی، اسی
کشمکش میں جذبات نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس نے عصمہ کو اپنی آغوش
میں لے کر خوب بھینچا اور جسم کے مختلف حصّوں پر بوسوں کی بھرمار کردی

سفیان کی وحشت نے عصمہ کو بدحواس کر دیا۔ اس نے جھنجلا کر آزردہ لہجے میں کہا۔
تم طاقت کے بل پر جو چاہو کر لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کا انجام میری موت ہو گا۔ میں خودکشی کر لوں گی۔"
سفیان نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ بولا "عصمہ! میں بُرا آدمی نہیں ہوں، مجھے تم اچھی لگی ہو اور چاہتا ہوں کہ سنجیدگی سے تمہیں اپنا لوں، لیکن ان حالات میں جن میں ہم دونوں گھرے ہوئے ہیں، اپنانے کا کوئی جائز طریقہ اپنے بس کا نہیں ہے اور یہ مشکل بھی آ پڑی ہے کہ اگر ہم دونوں اختلاط وصال میں ناکام رہے تو ہمیں ایک دوسرے سے جبراً جدا کر دیا جائے گا، تو کیا ہم دونوں پر اب یہ فرض نہیں ہو جاتا کہ ہم دونوں ایک ہو جائیں اور بابک کے فرشتے کے بقول تمہاری عفت کے سادہ کاغذ پر اپنا نامۂ شوق لکھ ڈالیں!"
عصمہ نے اٹل لہجے میں عورت کی ہٹ دھرمی کا اظہار کیا "بہرحال میں بخوشی تمہیں اجازت نہ دوں گی!"
سفیان نے یکایک اسے چھوڑ دیا اور نفرت سے دور ہوتا ہوا بولا۔
"بہتر ہے لیکن مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں نے اپنی خاندانی شرافت کی وجہ سے تمہیں کھو دیا تھا کیونکہ اپنی مردانہ قوت سے تمہیں مسخر کر لینا میرے لئے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے!"
عصمہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور بولی "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اور خدا کو اپنا جیسا مجبور نہ سمجھو۔"
سفیان نے پرخیال انداز میں کہا "شاید کل تک ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا کر دیئے جائیں گے کیونکہ میں اس بھونڈی شکل والے فرشتے کو اپنے فیصلے سے مطلع کر دوں گا!"
عصمہ نے بیگانوں کی طرح سوال کیا "کیسا فیصلہ؟"
سفیان نے جواب دیا "یہ کہ ہم دونوں اب تک محروم ہیں اور بابک کی خواہشات نہیں پوری کر سکتے!"
سفیان نے واقعی یہی ارادہ کر لیا تھا اور جب شام کو وہ بدشکل فرشتہ دونوں کا کھانا لے کر آیا تو سفیان نے جی کڑا کر کے واقعی کہہ دیا "دیکھو تم اپنے آقا سے کہہ دینا یہ لڑکی میرے بس کی نہیں ہے اور میں اس کی خواہش پوری نہ

کرنے سے قاصر ہوں!"

فرشتہ مسکرایا، بولا "تم نے سچ بات کہہ دی ہمارا آقا سچ سے بہت خوش ہوتا ہے، وہ تمہاری اس بات سے یقیناً بہت خوش ہوگا!" پھر جاتے جاتے کہہ گیا "ہوسکتا ہے آپ دونوں کو یہ رات بے لطفی اور بے کیفی میں گزارنا پڑے لیکن کل کی رات یقیناً پُرکیف اور پُرلطف ہوگی اور تم دونوں کو اپنی اپنی پسند کا ساتھی مہیا کردیا جائے گا!"

جب یہ چلا گیا تو عصمہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح سفیان پر پلٹ پڑی اور تند و تیز لہجے میں بولی۔

"تم نے اس خبیث سے ایسی بات کیوں کہی؟"

سفیان نے اچاٹ لہجے میں جواب دیا "اس لئے کہ سچ یہی تھا!"

عصمہ نے بے چینی سے پوچھا "اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"وہی جس سے ہم دونوں خوب اچھی طرح واقف ہیں!"

عصمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "سفیان! تم مجھے غلط نہ سمجھو، یہ بات نہیں کہ میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خرمیہ عقائد کے مطابق تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میں ایک اعلا نسب رکھنی ہوں میرے آباؤ اجداد معمولی آدمی نہیں تھے۔ بس یہ خاندانی برتری اور فضیلت مجھے چھچھورا بننے سے روکتے ہیں، ورنہ یہاں اور اس دنیا میں کیا نہیں ہو رہا!"

سفیان نے بگڑ کر کہا "جب تم یہ سب کچھ جانتی ہو تو پھر حماقتیں کیوں کر رہی ہو؟"

عصمہ نے بے چینی سے سوال کیا "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اب کیا ہوگا؟"

سفیان نے بے نیازی سے جواب دیا "یہی کہ کل تم کسی اور کے حوالے کردی جاؤ گی اور میرے پاس اور لڑکی بھیج دی جائے گی!"

عصمہ کسی سوچ میں پڑ گئی، سفیان نے سکوت توڑا۔ بولا "عصمہ!" "کل کے بعد معلوم نہیں، ہم دونوں پھر کبھی مل بھی سکیں گے یا نہیں لیکن میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔"

"کون سی بات؟" عصمہ نے اداسی سے سوال کیا۔

"یہ کہ سفیان تم سے محبت کرنے لگا تھا لیکن بدقسمتی سے تمہیں حاصل

نہیں کرسکا، اگر مجھے تم سے محبّت نہ ہوگئی ہوتی تو میرے لئے تمہارے جسم کا فتح کرلینا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا، محبت کا شریفانہ جذبہ نفس اور شہوت کی سرکش قوت کی تکمیل بن گیا تھا"

عصمہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سفیان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔" میں تمہیں یاد رکھوں گی!"

سفیان کہیں گھومنا پھرنا چاہتا تھا لیکن وہ آزاد نہیں تھا۔ بابک کے فرشتگان اس کی نگرانی کر رہے تھے، وہ گھر سے باہر نکلا اور ایک نگراں فرشتے سے کہنے لگا" میں یکسانی سے اکتا گیا ہوں کہیں گھومنا پھرنا چاہتا ہو، شکار کھیلنا چاہتا ہوں!"

فرشتے نے جواب دیا" تمہیں ذرا توقف اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جب تک ہمارا آقا تمہیں سیر سپاٹے یا شکار کھیلنے کی اجازت نہ دیدے، تم کہیں بھی نہیں جاسکتے!"

سفیان گھر میں واپس جاتا ہوا بولا" میں اندر تمہارے آقا کے جواب کا انتظار کروں گا!"

اندر عصمہ بستر پر اوندھے منہ پڑی رو رہی تھی۔ سفیان کمرے سے گزر کر برآمدے میں چلا گیا۔

گھومنے پھرنے اور شکار کھیلنے کے دوران سفیان جہاں جہاں گیا اس پر بعض عجیب وغریب حقیقتیں منکشف ہوئیں، ہر جگہ اسے یہی محسوس ہوا کہ وہ اپنے خاندان میں گھوم پھر رہا ہے، ایک کنبے کی حدود میں چل پھر رہا ہے، یہاں جس کے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ سب کا تھا، سفیان کے ہمراہ فرشتگان جس گھر سے جو بھی چیز چاہتے اس طرح حاصل کر لیتے گویا وہ انہی کی تھی۔ اس نے سوچا بابک کا اتنا احترام لوگ کیوں کرتے ہیں آخر؟ شام ہوتے ہوتے وہ لوگ تھک گئے، بدصورت فرشتہ سفیان کو ایک پتھروں میں گھرے ہوئے مکان میں لے گیا۔ ایک چالیس بیالیس سالہ عورت نے ان کا ہنستے ہوئے استقبال کیا اور کہا" ہمارا آقا کیسا ہے؟"

فرشتے نے جواب دیا" اچھا ہے" ہمیں تیرے حالات معلوم کرنے بھیجا ہے!"

عورت نے سفیان کو غور سے دیکھا اور اٹک اٹک کر پوچھا" یہ، یہ کیا اسے بھی مولا کے فرشتگان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوگیا ہے؟"

بدشکل فرشتہ خواہ مخواہ ہنسنے لگا۔ بولا "یہ ہمارا مہمان ہے، اردبیل کے ایک مضافاتی قلعے کے محافظ حماد کا بیٹا جو ہمارے آقا کے ہاتھوں دوزخ میں جا چکا ہے اب آقا یہ چاہتے ہیں کہ اگر حماد کا بیٹا ان پر ایمان لے آئے تو وہ اسے اپنی طرف سے باپ کا قلعہ حوالے کر دیں اور اس پر اپنی عنایات اور نوازشات کی بھرمار کر دیں۔"

عورت نے ہنستے ہوئے کہا "بیٹے تمہارا نام کیا ہے؟"

"سفیان!" اس نے جواب دیا۔

عورت نے کہا "تم ہمارے آقا پر ایمان لے آؤ، خسارے میں نہیں رہو گے!"

سفیان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر خاطر تواضع کا دور شروع ہوا اور میزبانی اور مہمان نوازی کے فرائض اس عورت کی حسین و جمیل لڑکی حمدونہ انجام دینے لگی۔ شوخ و شریر اپنے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ قائم رکھنے والی حمدونہ۔ عصمہ بھی خوبصورت تھی، لیکن شاید حمدونہ کی بات ہی کچھ اور تھی، یہ حد درجے شوخ لڑکی تھی، بات کرتی تو ہنس کر، کوئی چیز پیش کرتی تو سراپا درخواست اور اشتیاق سے، حجاب اور تکلف یہاں نام کو بھی نہ تھا۔ وہ ہاتھ پکڑ پکڑ کے سفیان کو کھلاتی پلاتی رہی، بھونڈی شکل والا فرشتہ سفیان کو غور سے دیکھ رہا تھا اور حمدونہ کی بابت اس کے احساسات اور خیالات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب یہ لوگ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو عورت نے سراپا شوق بنکر درخواست کی "آپ لوگ پھر تشریف لایئے گا، میں انتظار کروں گی۔"

فرشتے نے جواب دیا "ہاں اگر ممکن ہو سکا تو، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ ہم لوگ کب تک اس قلعے میں مقیم رہتے ہیں!"

حمدونہ سفیان کے قریب آ گئی، بولی "اگر یہاں دوبارہ آنے کا ارادہ نہ ہو تو اپنے پاس مجھے ضرور بلا لیجئے گا۔ میں چند گھڑیاں آپ کی صحبت میں گزارنے کی خواہشمند ہوں۔"

سفیان نے فرشتے کی طرف دیکھا، فرشتے نے جواب دیا "بالکل بالکل"۔

حمدونہ تیزی سے آگے بڑھی اور بے اختیار سفیان کی گردن میں جھول گئی اور اس کے رخساروں پر بوسوں کی بارش کر دی، بولی "مجھے یہ نوجوان پسند آ گیا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنے شوق اور پسند پر پردہ ڈال دوں!"

سفیان بھی برداشت نہ کر سکا اور حمدونہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

واپسی میں سفیان حمدونہ کے تصور میں کھویا رہا۔ شوخ اور پرجوش

حمدونہ نے پہلی ہی ملاقات میں اسے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ حمدونہ کے تصور میں عصمہ کا خیال بھی شامل ہوجاتا۔ قمر میلی، گھٹی گھٹی حسین ترین عصمہ، آنچ جیسے رخساروں والی کم گو، سمٹی سمٹی اور گداز جسم والی عصمہ، حمدونہ سے جدا ہو کر وہ عصمہ کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے سوچا کہ اگر اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو وہ کسے مسترد اور کسے قبول کرے گا۔ بظاہر تو اسے یہ محسوس ہوا کہ عصمہ کو مسترد کر دے گا، اور پرجوش حمدونہ کا انتخاب کرلے گا۔ لیکن گھر پہنچتے پہنچتے ذہن اور دل پر عصمہ کی گرفت مضبوط ہوگئی، اس نے سوچا کسی عورت کا سب کچھ اگر کسی تکلف اور روک ٹوک کے بغیر ہی حاصل ہوجائے تو ایسی عورت اپنی دل کشی کھو بیٹھتی ہے، اگر یہ وقتی طور پر دل و دماغ پر تسلط حاصل کرلے گی تو یہ تسلط عارضی ہوگا، انسان آخر کار اکتا جائے گا۔

گھر میں عصمہ سے بول چال بند رہی، دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہے لیکن سفیان یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عصمہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن پہل نہیں کرنا چاہتی۔

رات کو سونے سے پہلے عصمہ نے کہا۔ "آج تم برآمدے میں نہیں سوؤ گے!"

سفیان نے بیزاری سے پوچھا۔ "پھر؟ پھر کہاں سونا پڑے گا؟"

عصمہ نے کہا۔ "یہاں کمرے میں، اندر ہی، باہر سخت سردی پڑتی ہے!"

سفیان پھیکی پھیکی ہنسی ہنس دیا۔ بولا۔ "خوب، یہ تمہیں آج معلوم ہوا کہ باہر سردی پڑتی ہے!"

عصمہ خاموش رہی۔

سفیان نے پوچھا۔ "اگر میں کمرے میں سو جاؤں گا تو تم کہاں سوؤ گی؟"

عصمہ نے کہا۔ "میں بھی اندر ہی سو رہوں گی؟"

"تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگے گا؟" سفیان نے طنز سے پوچھا۔

"نہیں!" عصمہ نے کہا۔ "تم نے ہر مرحلے پر خود کو ایک شریف انسان ثابت کیا ہے!"

سفیان کا خیال حمدونہ کی طرف چلا گیا اور وہ عصمہ سے بات چیت جاری نہیں رکھ سکا۔

سفیان نے وہ رات بھی برآمدے ہی میں گزار دی اور اسے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ عصمت نے وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔

علی الصباح بد شکل فرشتہ پھر نازل ہو گیا اور اس نے بتایا کہ بابک خرمی نے اسے یاد فرمایا ہے، وہ عصمت سے کچھ کہے بغیر بابک کے پاس چلا گیا۔ فرشتہ اسے ایک کھلے میدان میں لے گیا، جہاں دھوپ میں ہزاروں انسان اکٹھا تھے، یہ شہری عوام اور فوج کا ملا جلا اجتماع تھا۔ ایک طرف شہری عوام تھے جو کھڑے ہوئے بابک خرمی کی پُر جوش تقریر سن رہے تھے، بابک خرمی کے پیچھے اور داہنی طرف مسلح پیادوں اور گھڑ سواروں کا ہجوم تھا۔ سپاہیوں کے ہتھیار آپس میں ٹکرا ٹکرا کر شور کر رہے تھے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں بابک خرمی کی آواز پر حاوی آجاتی تھیں، گھوڑے پشت یا دُم پر بیٹھ جانے والی شریر مکھیوں کو شپا شپ دُم ہلا کر اڑا رہے تھے سپاہیوں کے فولادی خود قلعے کی فصیل کی چھوٹی چھوٹی بُرجیوں کی طرح دُور تک پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

بد صورت فرشتہ سفیان کو ہجوم کے درمیان سے گزار کر بابک خرمی کے پاس لئے چلا گیا۔ یہ تقریر معلوم نہیں کب سے جاری تھی لیکن سفیان نے جو ٹکڑا سنا وہ کچھ عجیب اور چونکا دینے والا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"لوگو! فطرت کے اشارے کچھ ہیں اور خود گزیدہ انسان ہمیں کچھ اور بتاتا ہے، یہ دھوپ جس میں ہم سب کھڑے ہیں، سب کے لئے ہے، بارش سب کے لئے ہوتی ہے، ہوا سب کے لئے چلتی ہے، چاند سب کے لئے طلوع ہوتا ہے، اور ستارے سب کے لئے نکلتے ہیں، اسی طرح کیا کوئی انسان یہ دعوا کر سکتا ہے کہ زمین سے جو کچھ اُگتا ہے وہ کسی خاص شخص، خاص خاندان یا خاص قوم کے لئے اُگتا ہے، کیا یہ زمین جس پر ہم انسان رہتے ہیں، جاندار رہتے ہیں، کسی خاص شخص، کسی خاص خاندان یا کسی خاص قوم کے لئے وجود میں آئی ہے؟"

مجمع میں سے شور اٹھا "نہیں، ہرگز نہیں، بالکل نہیں!"

بابک خرمی کی کڑک دار آواز گونجی "پھر یہ کیا نا انصافی ہے کہ انسان، انسان کے حقوق پامال کر رہا ہے، کوئی غریب ہے تو کوئی امیر ہے، کوئی بادشاہ ہے کوئی وزیر ہے، کسی کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ پوری قوم کی دعوت کر سکتا ہے، اور کوئی اتنا محتاج ہے کہ خود اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتا۔ خدا نے اس تفریق کو دور کرنے کے لئے مصلح بھیجے جنہیں خود غرض اور خود اپنی نسل کشی کرنے والے انسان نے ہلاک

کردیا۔میں بابک جس کے جسم میں جاویدان کی روح سمائی ہوئی ہے اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ انسان میں اونچ نیچ کی تفریق مٹا دوں۔"

"لوگو!" وہ عبد جو کل تک ہمارے ہاں سائیسی کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، آج ہم پر حکومت کر رہے ہیں، متحد ہو کر ہوشیاری اور دلیری سے آگے بڑھو اور دنیا سے بادشاہت کا وجود ہی مٹا دو، امیر غریب کی تفریق دور کر دو، بھوک کا مستقل علاج کر دو، پیٹ کی بھوک، جنس کی بھوک، ان پر قابو پائے ہوئے معاشرے اور نظام کے ارتقاء اور خوشحالی کا شاید تم لوگ تصور بھی نہ کر سکو۔ بہرحال میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ انسان اور معاشرے سے ناہمواریاں دور کر دوں!"

مجمع سے ایک ساتھ آوازیں گونجیں۔"روحِ جاویدان! ہم تجھ پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح اپنے آقا بابک کے وجود پر!"

اس مجمع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عورتیں بھی اتنی ہی تھیں جتنے مرد، اور یہ دونوں دوش بدوش کھڑے اپنے جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے، بابک نے کہا۔"ہم اپنے آبائی قلعے بذ واپس جا رہے ہیں، یہ قلعہ ہمارے نائب سنبھال لیں گے، جو لوگ ہمارے ساتھ بذ چلنا چاہیں وہ دو دن میں چلنے کی تیاری کر لیں۔"

تقریباً سبھی ساتھ جانے کو تیار تھے، بابک نے کہا۔"میں چاہتا ہوں، کچھ لوگ یہاں بھی رہیں کیونکہ اگر سبھی ہمارے ساتھ چلے گئے تو یہاں کون رہے گا؟ اس قلعے کی حفاظت کون کرے گا؟ لوگو! صبر اور ہمت سے کام لو۔ منزل زیادہ دور نہیں ہے بس چند قدم رہ گئی ہے!" اس کے بعد اس نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کیا، اور انہیں بتایا کہ ان کی جانیں انسانوں میں مساوی معاشرے کے قیام کی راہ میں قربان ہو جانی چاہئیں، ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ ان کی ہڈیوں اور خون کی آمیزش سے جو عمارت تعمیر ہوگی، اس کی حدود میں آنے والی نسل انسانی آرام اور سکون کی سانسیں لے سکے گی بالکل کھجور کے درخت کی طرح جس کا فائدہ مستقبل کی نسلیں اٹھاتی ہیں!"

سپاہیوں نے جوش و خروش میں اپنی تلواریں نیام سے نکال کر فضا میں لہرائیں اور سبلے شمار نیزے اس طرح بلند ہو گئے جیسے باجرے کے کھیت میں اس کی بالیاں۔

بابک نے کہا "بذ کا ہر قیمت پر دفاع کرنا ہے کیونکہ بذ ہی وہ مقام ہے جہاں سے مساواتِ انسانی کا آفتاب اپنی شعاعیں پوری دنیا پر بکھیرے گا!"

پھر بابک کی خدمت میں فرداً فرداً لوگ پیش کئے جانے لگے، ان میں بابک کے مبلّغین بھی تھے اور امام بھی جو اس کی تحریک کو پھیلانے کی خدمت انجام دے رہے تھے، وہ لوگ بھی جو فرشتگان کہلاتے تھے اور نامہ بری کے علاوہ دوسری خدمات سرانجام دیتے تھے، ان کے بعد ان لوگوں کی باری آئی جو ابھی تک خرمیہ فرقے میں باقاعدہ شریک تو نہیں ہوئے تھے لیکن کسی حد تک رضامند ضرور ہو گئے تھے اور یا وہ لوگ جن سے بابک کوئی خاص خدمت لینے والا تھا۔ ان آخری لوگوں میں سفیان بھی شامل تھا۔

سفیان کو دیکھتے ہی بابک نے کہا "تمہاری رگوں میں عرب بدوؤں کا خون گردش کر رہا ہے، قبائلی اور نسلی عصبیت کا خون میں چاہتا ہوں تم عصبیت کے خول سے ذرا باہر آجاؤ!"

سفیان اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ بابک نے اس کی وضاحت کر دی، "تم خلافت اور بادشاہت کے خاتمے کی کوششوں میں میرا ساتھ دو، عربوں میں واپس جاؤ اور اپنے جیسے پُرجوش نوجوانوں کو یہ بتاؤ کہ خلافت، بادشاہت، امارت اور حکومت یہ فضول چیزیں ہیں، وہ سب ایک معاشرے کی تشکیل میں ہمارا ساتھ دیں، جہاں صرف انسان ہوں گے، عورتیں ہوں گی، مرد ہوں گے، بچے ہوں گے، جہاں ذاتی املاک نہیں ہوں گی، یہاں تک کہ مرد اور عورت کے مالکانہ حقوق تک باقی نہ رہیں گے، زمین خدا کی ہے، انسان خدا کا ہے، عورت خدا کی ہے، اور مرد خدا کا ہے، خدا کی ہر شے میں ہر انسان کا پورا پورا حق ہے!"

سفیان نے پوچھا "اگر سب کچھ خدا کا ہے تو بیچ میں یہ شیطان کہاں سے آ گیا، دنیا کی ساری خرابیاں شیطان کے دم قدم سے ہیں!"

بابک نہایت عالمانہ انداز میں مسکرایا، پوچھا "کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ شیطان کیا ہے؟"

سفیان نے جواب دیا۔ شیطان معلم الملوک تھا، شیطان راندہ بارگاہِ ایزدی ہے، شیطان آدمؑ کو جنت سے نکالنے والا نسل انسانی کا حاسد اور دشمن ہے؟"

بابک نے ہنستے ہوئے کہا "ہاں تمہیں یہی کچھ بتایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، شیطان خدا سے الگ کوئی چیز نہیں، بہت پہلے جب خدا نے کائنات کی تخلیق کی تھی اور اس پوری کائنات میں وہ تنہا تھا تو خدا کو اس کی تنہائی کا احساس بُری طرح ستانے لگا تھا، تنہائی کی گھبراہٹ میں کوئی بُری فکر پیدا ہوئی جو بعد میں مجسّم ہو گئی اور ظلمت میں تبدیل ہو گئی اور اس کو مجوسیوں نے اہرمن اور دوسرے مذاہب نے شیطان کہا خدا نے اس بُری مجسّم فکر کو خود دور رکھنا چاہا لیکن اس پر قادر نہ رہا بالآخر اس کے مقابلے میں نیکیاں پیدا کرنے لگا۔ اب عالم یہ ہے کہ اہرمن بدی کو وجود میں لا رہا ہے اور خدا نیکیوں کو دونوں کی کشمکش جاری ہے، لیکن یہ کشمکش آخر کار ختم ہو کر رہے گی اور خدا جیت جائے گا!"

سفیان خدا اور شیطان کی اس عجیب و غریب تشریح سے محظوظ ہوا۔ بابک کی باتوں میں وہاں سے نکل بھاگنے کی صورت پائی جاتی تھی، سفیان نے سوچا بابک کے مبلغ کی حیثیت سے نکل بھاگنا آسان بات ہے لیکن بابک نے اس خیال کی تردید کر دی، کہا "پہلے تمہیں ایک سال تک ہمارے ائمہ اور مبلغین سے تربیت حاصل کرنا ہوگی اور جب ہمارے مقرر کردہ امام مبلغ اور فرشتگان تم سے پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے تب تمہیں یہاں سے چلا جانے دیا جائے گا!" پھر حکم دیا "ہم دو دن بعد بذ روانہ ہو رہے ہیں، ہمارے ساتھ تمہیں بھی چلنا ہے!"

سفیان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ بابک نے دریافت کیا "اس کا کیا حال ہے جو جنسی بھوک کی تسکین اور آسودگی کے لئے تمہارے حوالے کی گئی تھی"

سفیان نے جواب دیا "میں ابھی خرمیہ رسم و رواج کا عادی نہیں ہو سکا ہوں"

بابک نے اک شان بے نیازی سے مسکرا کر کہا "تو گویا تم ابھی تک بھوکے ہو" پھر متانت سے کہا "خدا نے جسے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے، تم اسے خواہ خود پر حرام نہ کرو جس طرح خالی پیٹ سے عالمی کاروبار اور خدا کی عبادت دشوار ہے اسی طرح جنسی بھوک بھی طمانیت اور سکون کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے، بہتر یہی ہے کہ ان دونوں بھوکوں کا تدارک اور علاج کرتے رہو، اس سے تمہاری کارکردگی کی صلاحیتیں بڑھ جائیں گی اور تم ایک فعّال انسان ثابت ہو گے!"

سفیان ان باتوں کا کیا جواب دیتا۔ اس گفتگو کے دوران حمدونہ بھی وہیں پہنچ گئی۔ اس نے پہلے تو بابک کے ہاتھوں کو بوسہ دیا پھر سفیان سے رجوع ہوگئی۔ بولی "چند دن میں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں!"

سفیان نے جواب دیا "شوق سے لیکن میں دو دن بعد روحِ جاویدان کے ساتھ بذجا رہا ہوں!"

"میں بھی ساتھ چلوں گی!" حمدونہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔

بابک نے فرشتگان کو کوئی اشارہ کیا۔ چند فرشتے سفیان کی طرف بڑھے اور اسے مطلع کیا کہ اب وہ گھر جا سکتا ہے، حمدونہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی بدصورت فرشتہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ راستے میں اس نے سفیان کو آگاہ کیا کہ عصمہ کے لئے ایک دوسرے نوجوان کا انتظام کر دیا گیا ہے، سفیان کے ساتھ حمدونہ رہے گی۔ اس خبر سے سفیان کو دکھ پہنچا اور شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ عصمہ کی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا۔

حمدونہ نے تشویش سے پوچھا "یہ عصمہ کون ہے؟"

فرشتے نے جواب دیا "سفیان کی محبوبہ جو ابھی تک سفیان کی شریک خانہ ہے، دونوں کئی دن سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں لیکن بدقسمت لڑکی ہنوز محروم اور تشنہ ہے!"

حمدونہ نے سفیان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور خاموشی کی زبان سے ایک ایسا سوال کر بیٹھی جو اگر زبان سے کیا جاتا تو اسکی بلاغت مجروح ہو جاتی۔

سفیان نے جواب دیا "عصمہ کم گو اور سہمی سہمی لڑکی ہے، میں وہاں جبر سے کام نہیں لے سکتا تھا، ورنہ میرا دل بھی شوق سے خالی ۔۔۔۔ ۔۔۔ میرے سینے میں بھی خواہشاتِ نفسانی کا سرکش طوفان موجزن ہے اس کا تمہیں بھی بہت جلد اندازہ ہو جائے گا!"

حمدونہ قہقہہ مار کے ہنس دی، بولی "تو گویا وہ لڑکی قید خانے کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے!"

"یعنی؟" سفیان نے حیرت سے سوال کیا۔

حمدونہ نے ہنس کر جواب دیا "وہ دنیا جو خرمیہ عقائد اور معاشرے سے دور ہے قید خانہ ہے، انسان آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں سنِ شعور کو پہنچتے پہنچتے رسم و

رواج، افکار اور نظریات کا غلام بنا لیا جاتا ہے۔ آہ بے چارہ انسان!"

حمدونہ نے عصمہ کو اور عصمہ نے حمدونہ کو غور سے دیکھا۔ عصمہ سناٹے میں آ گئی لیکن حمدونہ کھلکھلا کر ہنس دی، فرشتے نے واپس جاتے ہوئے سفیان سے کہا۔

"میں اپنے آقا سے عصمہ کے لئے کوئی واضح حکم لے کر آتا ہوں عصمہ کے لئے جس نوجوان کو نامزد کر دیا جائے گا میں اس کے حوالے کر دوں گا!"

جب فرشتہ چلا گیا تو حمدونہ سفیان سے چمٹ گئی اور اسکی آغوش میں بیٹھ کر عصمہ کو آواز دی، عصمہ نے غصے اور نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سفیان اس قسم کی بے تکلفی کے حق میں ہرگز نہ تھا لیکن حمدونہ کو منع بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنا خرمی معاشرے کے خلاف تھا۔

عصمہ کمرے سے باہر نکل گئی اور برآمدے میں اپنے سونے کا بندوبست کرنے لگی حمدونہ نے سفیان کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور گردن پر دونوں ہاتھ لے جا کر چہرے کو اپنے منہ پر جھکا لیا۔ اور بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگی اور سوال کیا۔

"یہ عصمہ کیسی لڑکی ہے؟ ہمیں دیکھ کر برآمدے میں کیوں چلی گئی؟"

سفیان نے جواب دیا "وہ خرمیہ معاشرے کا خود کو عادی نہیں بنا پا رہی ہے!"

حمدونہ نے سفیان کا چہرہ جھکا کے اس کے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے، ذرا دیر بعد سر اٹھا کر بولی "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم دونوں بڑے پرانے شناسا ہیں تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو!"

حمدونہ کی باتیں عصمہ کے کانوں میں بھاری سیسے کی طرح اتر رہی تھیں، اس نے پوری توجہ سے حمدونہ کی بات کے جواب پر کان لگا دیئے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر اس بات کا سفیان کیا جواب دے گا لیکن سفیان نے خاموشی اختیار کی۔

حمدونہ نے کہا "کیا تم بھی مجھے پسند کرتے ہو؟"

سفیان نے جواب دیا "کسی حد تک!"

حمدونہ بگڑ گئی، بولی "کسی حد تک کا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے عصمہ بھی بیحد پسند ہے اور خاص طور پر اسکی مسکراہٹ، اس کا سہما سہما چوروں جیسا انداز ایسا ہے کہ اس کی اس ادا پر جان دی جا سکتی ہے!"

سفیان کا خیال تھا حمدونہ اس کی ان باتوں کا برا مان جائے گی، لیکن حمدونہ ہنسنے لگی، بولی "وہ فرشتہ جو کچھ کہہ گیا ہے، اس پر عمل نہیں ہونے دیا جائے گا یعنی یہ

عصمہ بھی یہیں ہمارے ساتھ رہے گی!"
سفیان نے بے بسی سے کہا "میں اس معاشرے کے اصولوں اور رسوم سے سراسر واقف ہوں، فرشتے کہتے ہیں کہ میں دو عورتیں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا!"
"فرشتے کو بکنے دو!" حمدونہ نے کہا "میں خود روکوں گی عصمہ کو، تم اس راز سے شاید واقف نہیں کہ اگر ایک مرد ہو اور دو عورتیں تو زندگی زیادہ پُرلطف اور لذت آمیز ہو جاتی ہے، میں اپنے ساتھ عصمہ کو بھی رکھنا چاہتی ہوں!"
سفیان نے کہا "لیکن وہ شاید اس پر راضی نہ ہو!"
"دیکھوں گی!" حمدونہ نے کہا "میں نے آج تک کسی بھی معاملے میں مایوسی اور ناکامی کا منہ نہیں دیکھا!"
رات سونے سے پہلے بڑا ہنگامہ ہوا۔ حمدونہ عصمہ کو بھی کمرے میں سلانا چاہتی تھی لیکن عصمہ کسی قیمت پر بھی ایسا کرنے کو تیار نہ تھی، اس ہنگامے کے دوران بدشکل فرشتہ آ گیا اور حمدونہ کو ایک گوشے میں لے جا کر کچھ راز کی باتیں کرنے لگا۔ سفیان عصمہ کے پاس چلا گیا اور چپکے چپکے سمجھاتا ہوا بولا "عصمہ مان جاؤ، تم وقت اور حالات کی نزاکت پر غور کیوں نہیں کرتیں حمدونہ کی کوشش ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھے!"
عصمہ بھری بیٹھی تھی سفیان کی باتوں پر رونے لگی، بولی "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، معلوم نہیں کن بے شرموں اور بے غیرتوں میں پھنس گئی ہوں!"
سفیان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے سرزنش کی۔
"زور سے مت بولو۔ عصمہ تم نہیں جانتیں کہ انہوں نے تمہارے لئے کیا فیصلہ کیا ہے، اگر تم مجھ سے اسی طرح کھنچی کھنچی رہیں تو وہ لوگ تمہیں مجبوراً کسی اور نوجوان کے حوالے کر دیں گے، اور پھر تم خود ہی سمجھ سکتی ہو کہ دوسرا نوجوان تم سے کس قسم کا سلوک کرے گا!"
عصمہ نے جوش سے کہا "میں خودکشی کر لوں گی، میں مر جاؤں گی!"
"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں!" سفیان نے مایوسی سے کہا "ورنہ یہ وہ لوگ ہیں کہ تمہیں خودکشی بھی نہ کرنے دیں گے!"
عصمہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی "میں نے تمہیں مایوس تو نہیں کیا تھا جو اس بدذات فاحشہ کو گھر لے آئے، تم نے میری محبت اور خلوص کا کیا اچھا جواب دیا ہے!"
سفیان نے صفائی پیش کی "اسے میں خود نہیں لایا یہ خود اپنی مرضی سے چلی آئی ہے!"
عصمہ نے کہا "اسے یہاں سے دفعان کر دو!"

سفیان نے مجبوری کا اظہار کیا۔ بولا "بسر دست میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں
" میں تم سے محبت کرتی ہوں، میری محبت کی خاطر ایسا کر گزرو!"
" افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا!"
" تب پھر تم مکار اور دغاباز ہو، تم مجھ سے محبت نہیں کرتے، محض باتیں کرتے ہو!"
اسی وقت حمدونہ واپس آگئی اور سفیان سے کہنے لگی "میں نے اس بد فرشتے کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ عصمہ بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گی اسے میرے قریب بلا لاؤ!"

فرشتہ انہیں سلام کر کے چلا گیا اور حمدونہ، عصمہ کو زبردستی کمرے میں لے آ
یہاں دو دن اور دو رات متواتر ایسی باتیں دیکھنا پڑیں جن کے لئے وہ تیار نہ تھی، پھر جو حمدونہ نے آناً فاناً سفیان کو ایسی راہ پر ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا بھی لڑکھڑانے لگی کہ اسے بھی حمدونہ جیسی خود سپردگی اختیار کرنا چاہیے، وہ خوفزدہ کہ کہیں کسی دن وہ خود بھی حمدونہ ہی جیسی نہ ہو جائے۔

حمدونہ کی شوخیاں اور جوش و خروش ایسے نہ تھے جو سفیان کے دل کو فتح نہ کر عصمہ اب بھی دور ہی دور رہ رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عصمہ کو بڑی حد تک نظر انداز کر

بابک کا قافلہ بذ روانہ ہوا تو یہ لوگ بھی قافلے کے ساتھ چل پڑے، راستے خلافتِ عباسی کا جرنیل افشین خرمی کی راہ روکنے کے لئے تیار کھڑا تھا، لیکن چالاک با افشین کو دھوکا دے کر بذ کے قلعے میں داخل ہو گیا۔ قلعے والوں نے جوش اور سرگرمی کا منظ کیا اور نعروں سے زمین آسمان ایک کر دیئے۔

سفیان کس طرح بابک کی طرف جھک گیا۔ یہ خود اسے بھی نہیں معلوم ہو سک عصمہ ان تبدیلیوں پر دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی لیکن روک نہ سکتی تھی، وہ صاف ط یہ محسوس کر رہی تھی کہ جب سے حمدونہ سفیان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی سفیان بد جا رہا تھا۔ حمدونہ جو کہہ دیتی سفیان جلد یا بدیر اسے مان لیتا۔ اور پھر وہ یہاں تک گیا کہ عصمہ سے بھی بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک دن سازش کر کے دونوں نے عصمہ کو بھی کمرے کے اندر ہی روک لیا دونوں مل کر عصمہ کے سامنے خلوت کا کھیل کھیلنے لگے۔ عصمہ نے منہ چھپانے کی کوشش تو حمدونہ نے اسے زبردستی اپنی طرف کھینچ لیا اور سفیان کو حکم دیا "سفیان! اب نہیں برداشت کر سکتی، میں تم سے اس وقت تک روٹھی رہوں گی جب تک تم عصمہ کو

ں لذت سے ہمکنار نہ کردو گے جس سے یہ اب تک بچتی رہی ہے، اگر اسے تم معاف
دو گے تو میں اسے کسی اور نوجوان کے حوالے کرا دوں گی!"
سفیان جوش اور سرمستی میں عصمہ کی طرف بڑھا اور اسے پکڑ کر حیوانیت کا
مظاہرہ کیا کہ حمدونہ کو بھی مزا آ گیا، وہ شروع سے آخر تک سفیان کی معاون و مددگار رہی۔
جب جذبات اور خواہشات کی چڑھی ہوئی ندی اتر گئی اور سفیان کی طبیعت
معمول پر آ گئی تو اسے بڑی ندامت ہوئی۔
سفیان ٹھوڑی کو دونوں ہتھیلیوں پر رکھ عصمہ سے ملاقات اور تھوڑی دیر
گزر جانے والے سانحے پر بالترتیب غور کرتا رہا، وہ اپنے کیے پر نادم تھا۔ عصمہ کی
ہوں کی آوازیں وہ بھی سن رہا تھا اور ہر ہچکی دل پر چوٹ لگا رہی تھی، سوچتے سوچتے
اٹھا اور عصمہ کے پاس پہنچ گیا۔ عصمہ بستر پر اوندھے منہ پڑی سسکیاں بھر رہی تھی۔
سفیان بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ عصمہ نے سر اٹھا کر سفیان کو قہر کی نظروں
دیکھا اور غصّے سے بولی۔
"تم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں نقصان پہنچا دوں گی!"
سفیان نے نرمی اور خجالت سے کہا "میں اپنے کیے پر نادم ہوں عصمہ، اور اس
معافی مانگنے آیا ہوں!"
عصمہ نے دیوانگی میں سفیان کے بال پکڑ لیے اور انہیں جھٹکا دے کر بولی "میں
ں قیامت تک نہیں معاف کروں گی، مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا
سے اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا بلکہ تم نے فاحشہ اور بدکردار لڑکی کو خوش
نے کے لیے کیا تھا۔"
سفیان نے بیچارگی سے کہا "تم میرے سر کا ایک ایک بال نوچ کر پھینک دو میں
نہ کروں گا لیکن خدا کے لیے مجھے معاف ضرور کر دو!"
"نہیں کرونگی، نہیں کرونگی، میں تمہیں کبھی بھی معاف نہ کرونگی!" عصمہ کہ جو
میں آیا بکتی رہی اور سفیان کے بال نوچتی رہی۔
اسی دن سہ پہر کو حمدونہ بدصورت فرشتے کے ساتھ واپس آئی اور عصمہ اور سفیان
طلع کیا کہ چند دنوں کے لیے بابک عصمہ کو اپنے شبستان میں رکھنا چاہتا ہے، حمدونہ نے
کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا "اس وقت تم دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہو، اسے
ن میرا آقا تجھے طلب کرتا!"

عصمہ نے سرکشی سے جواب دیا "میں اس خبیث کے پاس ہرگز نہ جاؤں گی!"
فرشتہ آگے بڑھا اور بے اختیار عصمہ کے منہ پر اپنا ہاتھ بھیجا اور ہٹا ہاتھ
دیا۔ بولا " خبردار جو دوبارہ ایسی بات کہی، وہ ناجی ہے انسانوں کا نجات دہندہ
عصمہ پھر چیخی۔ "میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی
سفیان بھی اس حکم پر چونکا ہوا۔ اس نے بھی عصمہ کی عقلمندی سے تائید
بولا " جب عصمہ میرے حوالے کی جا چکی ہے تو پھر تمہارا آقا اسے اپنے شبستان کے لئے
کیوں طلب کر رہا ہے؟"
حمدونہ نے سفیان کو ڈانٹ دیا "تم ایک معمولی انسان اتنی بڑی جرأت کیو
کر رہے ہو کہ ہمارے مولا اور آقا کے کسی حکم یا فعل پر نکتہ چینی کرو۔ اس کی حیثیت نکتہ
اور تنقید سے اونچی ہے۔"
عصمہ پھر چیخی "لیکن میں کسی قیمت پر بھی نہ جاؤں گی، میں مر جاؤں گی لیکن وہ
نہیں جاؤں گی!"
"یہ فضول باتیں ہیں!" فرشتے نے کہا۔ "ہم تجھے لینے آئے ہیں اور ساتھ لے کر جائیں
آقا کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا!"
سفیان نے اداسی اور بے بسی سے کہا "میں بابک سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر خر
معاشرے میں واقعی انصاف اور مساوات ہے تو تم لوگ مجھے بابک کی خدمت میں لے چلو
اپنا مقدمہ بابک کی عدالت میں خود پیش کروں گا، وہاں میں مدعی ہوں گا اور تمہارا آقا
مدعا علیہ، میں اس سے کہوں گا کہ جس شے کو انہوں نے مجھے بخش دیا تھا اب اسے وہ اپ
شبستان کے لئے واپس کیوں لے رہا ہے؟"
حمدونہ نے فرشتے سے کہا "یہ ابھی تک ہمارے آقا بابک کی عظمت کا د
سے قائل نہیں ہوا ہے، حالانکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ہمارے معاشرے
ایک دشمن کی حیثیت سے آیا تھا اور ہم نے اسے کوئی سزا نہیں دی، اسے آسائش
بہم پہنچائیں اور نہایت آرام سے رکھا لیکن انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے!"
عصمہ بیٹھی رو رہی تھی، فرشتے نے کہا "اچھا میں ایک تجویز پیش کرتا
میں سمجھتا ہوں، اس سے تم دونوں متفق ہو گے!"
سفیان نے کہا "کہو، بیان کرو!"
فرشتے نے کہا "لیکن اس سے تم یہ ہرگز نہ سمجھ لینا کہ میں تم دونوں کی

اور ہٹ دھرمی کے آگے مجبور ریا بے بس ہو گیا ہوں اور عصمہ کو جبراً یہاں سے نہیں لے جا سکتا، یہ بات ہرگز نہیں ہے، بلکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم دونوں ہمارے آقا کی منصف مزاجی اور عظمت پر کسی قسم کا کوئی شبہ کرو۔ یہ تم دونوں کی بدنصیبی ہے جو اب تک اس پر ایمان نہیں لائے، بہرحال تجویز یہ ہے کہ تم دونوں میرے ساتھ چلو اور آقا کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر دو، پھر وہ جیسا فیصلہ کرے گا اس پر فوری عمل درآمد ہو جائے گا۔

حمدونہ نے ہنس کر کہا "نہایت مناسب تجویز ہے!"

سفیان نے عصمہ کی طرف دیکھا اور پوچھا "میں سمجھتا ہوں، یہ واقعی نہایت مناسب تجویز ہے اور ہمیں مان لینا چاہیے، بہرحال اب تم بتاؤ کہ اس سے کس حد تک متفق ہو!"

عصمہ نے جواب دیا "بس اس میں ذرا سی تبدیلی کر لو!"

فرشتے نے تجسس سے پوچھا "یعنی؟ وہ کیا؟"

عصمہ نے جواب دیا "وہ یہ کہ تمہارے ساتھ میں نہیں جاؤں گی۔ سفیان کو ساتھ لے جا سکتے ہو!"

فرشتے نے فوراً انکار کیا۔ بولا "نہیں تمہیں ہمارے ساتھ تو چلنا ہی پڑے گا!"

عصمہ نے مضبوط لہجے میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا "ہرگز نہیں، کبھی نہیں، میں ساتھ نہیں جاؤں گی، کسی قیمت پر بھی نہیں، کسی طرح بھی نہیں!"

حمدونہ نے فرشتے سے کہا "عصمہ کی جگہ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میرا خیال ہے ہمیں عصمہ کو ساتھ چلنے پر واقعی مجبور نہیں کرنا چاہیے، اگر آقا نے یہ فیصلہ دے دیا کہ عصمہ کو ان کے شبستان میں داخل ہی کر دیا جائے تو یہ کوئی ایسا مشکل عمل تو نہیں ہو گا!"

سفیان نے حمدونہ کو تشکّر آمیز نظروں سے دیکھا۔

جانے سے پہلے عصمہ، سفیان کو ایک طرف لے گئی اور آہستہ آہستہ سوگوار لہجے میں سمجھانے لگی "تم بابک کو ہر طرح اس بات پر مجبور کر دینا کہ وہ مجھے اپنے شبستان میں نہ داخل کرے!"

سفیان نے اسے تسلّی دی، بولا "تم مطمئن رہو، میں کوشش کروں گا۔ یہاں تک کہ اگر بابک کے دین میں داخل ہو کر بھی تمہیں اس کے شبستان میں

جانے سے روک سکا تو میں یہ بھی کر گزروں گا!"
عصمہ نے ناگواری سے کہا "اس کی کوئی ضرورت نہیں!"
دونوں نے کنکھیوں سے دیکھا، حمدونہ اور بد شکل فرشتہ دونوں ہی آپس میں بات چیت تو کر رہے تھے لیکن بار بار شک و شبہے کی نظر سے انہیں دیکھتے بھی جا رہے تھے۔
سفیان نے کہا "عصمہ! خواہشاتِ نفسانی نے مجھ سے جو اخلاقی جرم سرزد کرایا ہے، میں اس پر نادم ہوں، اور میں اس کا کفارہ یوں ادا کرنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے موقع مل جائے تو میں حمدونہ سے کنارہ کشی اختیار کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں" پھر ذرا رک کر التجا آمیز نظروں سے عصمہ کو دیکھا اور آہستہ سے کہا "اگر تم پسند کرو گی تو ورنہ کفارے کی کوئی اور تدبیر کروں گا!"
عصمہ نے کہا "اس موضوع پر پھر بات کرونگی۔ تم نے جو کچھ کیا حمدونہ کو خوش کرنے کے لئے کیا اور مجھے اسی احساس نے زیادہ پریشان کیا ہے، تم خبیث بابک کے پاس جاؤ اور مقدمے کو اپنے حق میں جیتنے کی کوشش کرو!" پھر نظریں جھکا کر کہا "محبت تو میں خود بھی تم سے کرتی ہوں اور شاید تمہیں ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کروں گی، تم خود ہی مجھے ٹھکرا دو تو بات دوسری ہے"
فرشتے نے آواز دی "بات چیت مختصر کرو اور میرے آقا کے پاس چلو، دیر ہو رہی ہے!"
سفیان عصمہ سے الگ ہو گیا اور حمدونہ اور فرشتے کے قریب پہنچ کر بولا "چلو چلتا ہوں!"
راستے میں حمدونہ نے سفیان سے پوچھا "عصمہ کیا کہہ رہی تھی؟"
سفیان نے جواب دیا "وہ کسی قیمت پر بھی تمہارے آقا کے شبستان میں داخلے پر تیار نہیں!"
حمدونہ نے شک و شبہے سے کہا "بات صرف اتنی سی ہی نہ ہوگی، کچھ اور بھی ہوئی ہیں جنہیں تم چھپا رہے ہو!"
سفیان نے کہا۔ "جو باتیں بھی ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے"!
فرشتہ خاموش رہا، وہ دونوں کی باتوں میں دخل نہیں دینا چاہتا تھا۔
بابک نے سختی سے اپنا فیصلہ سنا دیا "عصمہ کو چند راتیں میرے شبستان میں

ارنا ہی پڑیں گی!"
سفیان نے حمدونہ کی طرف دیکھا کہ وہ شاید اس کی سفارش کرے۔ لیکن وہ
موش رہی، آخر خود اس نے زبان کھولی، کہا "روحِ جاویدان عصمہ کو میرے حوالے
چکی ہے کیا عطیات واپس لینا اخلاقاً ناجائز نہیں ہے؟"
بابک نے ڈانٹ دیا "بکواس بند کر، او جاہل نوجوان۔ عصمہ تیرے حوالے
س لئے کی گئی تھی کہ تو کچھ عرصہ خوشگوار اور پرلطف زندگی گزار لے، یہ تیری بھول ہے
تو نے عصمہ کو میری طرف سے تحفہ یا عطیہ سمجھ لیا!"
سفیان نے بابک کے غصّے کی پروا کئے بغیر کہا "بہرحال اب تک میں اسی غلط
ی میں تھا کہ عصمہ عطیے کے طور پر مجھے دی گئی ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"
بابک نے غصے میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا "عطیہ! کیسا عطیہ، کس بات کا
لیہ؟ تو خدا کی منکر ذات ہے، تو نے خدا کو جھٹلایا۔ روحِ جاویدان کا انکار کیا، میری
ظمت کا اقرار نہیں کیا۔ پھر تو کس بات کا عطیہ چاہتا ہے؟"
سفیان نے مضبوط لہجے میں کہا "میں عصمہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ہر وہ قدم
ٹھانے کو تیار رہوں جو اس سلسلے میں میرے سامنے رکھا جائے!"
بابک بدستور ٹہلتا رہا، بے نیازی سے بولا "تو جھوٹ بولتا ہے، تو ہنستا ہے
ہمیں بیوقوف سمجھتا ہے یا پھر ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے!"
سفیان نے جواب دیا "میں ہر امتحان سے گزرنے کو تیار رہوں!"
لہجے اور آواز کی استقامت نے بابک کو رک جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے
ٹ کر سفیان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا "تو جو کچھ کہہ رہا ہے کیا اس کے معنی
ور مفہوم سے خوب اچھی طرح واقف ہے؟"
"اپنے کلمات کے معنی اور مفہوم سے واقف ہونا کیا معنی، میں جو کچھ کہہ رہا
ہوں، خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں!"
بابک اپنی جگہ پر دوبارہ جا بیٹھا اور سفیان کو حکم دیا "اچھا تو میرے
ریب آجا، میں تجھ سے ایک عہد لوں گا!"
سفیان اس کے قریب چلا گیا، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صرف دو
دم کا فاصلہ رہ گیا، بابک کے فرشتے اس کے پیچھے اور دائیں بائیں ادب سے کھڑے تھے
بک نے اپنا سیدھا ہاتھ سفیان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا

اور مجھ سے عہد کر کہ جو میں کہوں گا تو اس پر عمل کرے گا!"
سفیان پر عصمہ کے عشق کا بھوت سوار تھا اس نے اپنا سیدھا ہاتھ بابک کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دیا اور کہا "یہ میرا عہد ہے، سفیان، حماد کے بیٹے سفیان کا عہد، وہ سفیان جو خاندان بنو عباس سے قرابت رکھتا ہے، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر عصمہ ہمیشہ کے لئے مجھے بخش دی جائیگی تو میں تمہاری ہر بات مان لوں گا؟"
بابک کے ہونٹوں پر ہنسی آگئی "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے پاس سامرا واپس جائے اور کسی طرح اسے قتل کر کے میرے پاس واپس آجائے!
سفیان سوچ میں پڑ گیا، اسے قطعاً یہ اندازہ نہ تھا کہ بابک اس سے اتنا خطرناک کام لینا چاہے گا وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ بابک زیادہ سے زیادہ اس سے یہ کہے گا کہ وہ خرمی مذہب میں داخل ہو جائے۔
بابک نے طنز سے پوچھا "کیا سوچ رہا ہے؟ انکار سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ تو نے میرے ہاتھ پر عہد کیا ہے، روح جاویدان کے ہاتھ پر اور اس عہد سے پھر جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ تو اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا ہے یہاں منافقین کے لئے کوئی جگہ نہیں!"
سفیان نے سوال کیا "ہاں یا نہ کرنے سے پہلے میں ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں"
بابک نے بے نیازی سے کہا "پوچھ۔ کیا پوچھنا چاہتا ہے؟"
سفیان نے کہا "میں اس عہد کے فوراً بعد سامرا چلا جاؤں گا۔ کیا اس سفر میں عصمہ میرے ساتھ ہوگی؟"
بابک کو ہنسی آگئی، پر وقار ہنسی، جس میں طنز اور تمسخر کی آمیزش تھی، بولا "یا تو حد درجہ سادہ لوح نوجوان ہو یا پھر مجھے عقل سے گیا گزرا سمجھتے ہو، کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ جب کسی معاملے میں شرط باندھ دی جاتی ہیں تو جب تک ایک فریق اس شرط باندھ کو پورا نہیں کرتا دوسرا فریق مشروط شے اس کے حوالے نہیں کرتا!"
سفیان نے پریشان ہو کر پوچھا "پھر عصمہ کہاں رہے گی؟"
"میرے پاس، میری تحویل میں، میرے فرشتوں کی نگرانی میں!"
سفیان اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ پوچھا "تمہارے فرشتے مسلمان ہیں؟"
"نہیں!" بابک نے جواب دیا "جب تک تم تمہاری طرف سے بے پرواہ نہ ہو جاؤ عصمہ میرے شبستان میں نہیں داخل کی جائے گی!"
"اس بات کی ضمانت ہے" سفیان نے کہا "میں اس بات کا کوئی اعتبار کر لوں گا"

بھونڈی شکل والا فرشتہ آگے بڑھا اور ڈانٹتا ہوا بولا "ادب، ادب، او جاہل نوجوان اپنی زبان پر قابو رکھ، تو یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اس وقت تو روحِ جاویدان سے مخاطب ہے!"

بابک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور رہنے کا اشارہ کیا اور کہا "اس کا جرم قابل معافی ہے کیونکہ یہ ابھی تک میری ذات پر ایمان نہیں لایا۔ پھر سفیان سے کہا "یہ بابک کا عہد ہے، روحِ جاویدان کا عہد، تجھے اس پر اعتبار کرنا چاہیئے، وعدہ خلافی، عہد شکنی یا فریب کاری اور دروغ گوئی میرے شایان شان نہیں!"

حمدونہ نے ادب سے سر جھکا کے عرض کیا "سفیان! تمہیں روحِ جاویدان کے عہد اور زبان پر یقین رکھنا چاہیئے اور اگر کوئی ضمانت ہی چاہتے ہو تو وہ مجھ سے لے لو!"

سفیان نے جواب دیا "میں عصمہ کا تحفظ چاہتا ہوں"

حمدونہ نے جواب دیا "میں سامرا تمہارے ساتھ چلوں گی، اور اس کام میں تمہاری مدد کرونگی، یہاں تک کہ اگر تمہاری جگہ معتصم باللہ کو مار دینے میں، میں کامیاب رہی تو میں روحِ جاویدان سے سفارش کروں گی کہ پھر بھی تمہی کو کامیاب قرار دیا جائے اور عصمہ تمہارے حوالے کر دی جائے!"

بابک نے حمدونہ کو نظر بھر کے دیکھا اور کہا "میری بچی! تو کتنی مخلص اور ایماندار ہے میں نے تیری تائید کی اور تیرے عہد اور ارادے کو شرفِ قبولیت بخشتا ہوں!"

سفیان نے کہا "بہتر ہے میں حمدونہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ اپنا عہد پورا کر دوں، لیکن اگر میں ناکام رہا تو کبھی کسی کو اپنی شکل تک نہ دکھاؤں گا۔"

سفیان بابک سے جدا ہو کر حمدونہ کے ساتھ واپس ہوا۔ حمدونہ چپ چپ اسکے ساتھ چلتی رہی، سفیان نے اس کے چہرے پر غیر معمولی تفکرات اور پریشانی دیکھ کر سوال کیا "حمدونہ! تم کیوں پریشان ہو؟"

حمدونہ نے جواب دیا "میری پریشانی بالکل جائز ہے، جب میں یہ سوچتی ہوں، کہ میں نے تمہیں لذت بخش زندگی کے بہترین لطف سے نوازا۔ تو تم نے میری کوئی پروا نہ کی اور عصمہ کے لئے تم سب کچھ کرنے پر تیار ہو گئے، وہ عصمہ جس نے بخوشی تمہیں کچھ بھی نہ دیا، وہ اس خزانے کی طرح ہے جس میں داخلے کے لئے اس کا قفل زبردستی توڑنا ضروری ہو، وہ بیجا شرم وحیا کی پوٹلی، اس میں تمہیں کیا نظر آ گیا کہ تم روحِ جاویداں سے اتنا بڑا عہد کر بیٹھے!"

سفیان نے بھی پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا "اس میں جو کچھ ہے وہ خرمیہ معاشرے کی لڑکیاں اور عورتیں نہیں سمجھ سکیں گی۔ وہ میرے معاشرے کی لڑکی ہے، اس کی شرم وحیا اس کا کھنچا کھنچا، سمٹا سمٹا انداز قیامت ہے، اسی انداز نے تو میرے دل کو جیت لیا ہے!"

حمدونہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میں تمہارے ساتھ چلنے اور تمہارے عہد کو پورا کرنے کے لئے اس لئے تیار ہو گئی ہوں کہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی!" پھر کچھ تامل کے بعد کہا "اگر میں تمہارا عہد پورا کر دوں تو کیا اس سلسلے میں تم مجھ سے بھی ایک عہد کرو گے؟"

"لولو!" سفیان نے تذبذب سے کہا "کیا یہ عہد تو نہیں کہ میں عصمہ کے بجائے تمہیں قبول کر لوں، تم سے شادی کر لوں!"

"نہیں، یہ عہد نہیں!" حمدونہ نے کہا "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اگر تمہارا عہد میری کوششوں سے پورا ہو جائے تو تم عصمہ کے ساتھ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی رکھو گے میں تمہاری جدائی نہیں برداشت کر سکوں گی!"

سفیان نے جواب دیا "حمدونہ!" میں تمہیں بھی چاہتا ہوں اور میں تمہیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ہی رہو گی!"

حمدونہ نے کسی خیال میں ڈوب کر کہا "حالانکہ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں ہی صرف تمہارے ساتھ رہوں گی۔ عصمہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکے گی، لیکن یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم سے عہد چاہتی ہوں، وعدہ لینا چاہتی ہوں!"

سفیان چونک پڑا، پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو کہ عصمہ میرے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ بابک اپنے عہد سے پھر جائے گا۔ وہ عصمہ کو میرے حوالے نہیں کرے گا؟"

حمدونہ بُرا مان کر کہنے لگی "روحِ جاویداں کے بارے میں مؤدبانہ لہجہ اختیار کرو۔ کہنا تو درکنار یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ روحِ جاویداں اپنے وعدے یا عہد سے پھر جانے کا خیال تک اپنے دل میں لا سکتی ہے، اس نے جو کچھ کہا ہے پتھر کی لکیر ہے، روحِ جاویداں کا عہد خدا کا عہد ہے۔ کیا خدا اپنے عہد سے پھر سکتا ہے؟"

سفیان نے زچ ہو کر کہا "پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ عصمہ میرے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔ آخر کیوں اور کس طرح؟.."

حمدونہ نے معنی خیز انداز میں کہا "وہ خود تمہارے ساتھ نہیں رہے گی، وہ تمہیں ٹھکرا دے گی، اور تم اسے ٹھکرا دو گے، یہ ایک اٹل حقیقت ہے تقدیر کا اٹل فیصلہ مستقبل کا یقینی عمل!"

سفیان پریشان تھا۔ اس نے سوچا۔ یا تو حمدونہ پاگل ہو گئی ہے یا پھر کوئی ایسی بات چھپا رہی ہے، جو کسی نہ کسی طرح بابک کی بدعہدی سے متعلق ہو گی۔ اس نے کہا "حمدونہ!" خدا کے لئے معموں میں بات نہ کرو، تم کہنا کیا چاہتی ہو، صاف

صاف بتاؤ۔ میں عصمہ کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا!"

"ابھی نہیں، پھر کبھی!" اس نے کہا "پہلے گھر چل کر خدا اور اس کے کلام کی قسم کھا کر مجھے یہ یقین ضرور دلا دینا کہ جب ایسا وقت آجائے تو تم مجھے ضرور معاف کر دو گے کیونکہ اس بات کا میری ذات سے بس اتنا ہی تعلق ہوگا کہ روحِ جاویداں نے مجھے اس بات کا حکم دیا تھا اور میں نے اس کی تعمیل کر دی، میں بے گناہ ہوں، بے قصور ہوں!"

جیسے جیسے حمدونہ مبہم انداز اختیار کرتی جا رہی تھی، ویسے ویسے سفیان کا تجسّس بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ جب وہ حمدونہ کو لے کر سامرا پہنچ جائے گا اور اپنا عہد پورا کر چکا ہوگا تو حمدونہ اسے سب کچھ بتا دے گی۔

اب اس کے سامنے دشوار مسئلہ یہ تھا کہ وہ بابک سے کئے جانے والے عہد کا ذکر کیوں کر کرے، کیونکہ اگر عصمہ کو وہ سب کچھ صاف صاف بتاتا تھا تو عصمہ معتصم باللہ کے قتل اور بابک کی نگرانی اور تحویل میں چلے جانے پر قطعی رضامند نہ ہوگی، اس سلسلے میں اس نے حمدونہ سے بھی مشورہ لیا۔ حمدونہ نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ عصمہ سے گول مول بات کرے، چنانچہ گھر میں داخل ہوتے ہی آنکھ کے اشارے سے حمدونہ کو ہٹا دیا اور خود عصمہ کو ایک گوشے میں لے جا کر باتیں کرنے لگا۔ عصمہ خاصی پریشان اور فکرمند تھی، اور ڈر رہی تھی کہ کہیں اسے بابک کے شبستان میں جانا ہی نہ پڑ جائے۔

عصمہ نے پریشانی سے پوچھا "کیا طے پایا؟"

سفیان نے زبردستی خوشی کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کی، بولا "جو میں چاہتا تھا بابک نے اسے منظور کر لیا۔"

عصمہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا "تو گویا اب مجھے اس خبیث کے شبستان میں نہیں جانا پڑے گا!"

"ہاں، اب تم ہمیشہ میری رہو گی!" سفیان نے کہا "بابک نے مجھے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں!"

عصمہ خوش ہو گئی "یہ بہت اچھا ہوا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میرا یہ خیال تھا کہ وہ خبیث تمہاری بات نہیں مانے گا!"

"لیکن ایسا نہیں ہوا۔" سفیان نے کہا "ایک مشکل البتہ آپڑی ہے اس کا حل میں تم سے معلوم کروں گا!"

"یعنی؟ کیا مطلب؟" عصمہ تشویش سے اس کی صورت تکنے لگی۔

سفیان نے جواب دیا "وہ کہتا ہے کہ ہم دونوں فوراً ہی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں!"

عصمہ نے شرما کر گردن جھکالی آہستہ سے بولی "پھر اس میں قباحت کیا ہے؟"

سفیان نے کہا "بہت بڑی قباحت ہے تعجب ہے کہ تم اتنی ذہین اور سمجھ دار ہونے کے باوجود اسے نہیں محسوس کر پا رہی ہو!"

عصمہ سوچ میں پڑ گئی۔ ذرا دیر بعد گردن اٹھا کر بولی "میں تو نہیں سمجھ سکی، تم ہی بتاؤ کچھ؟"

سفیان نے کہا "عصمہ! یہ اس وقت ہم لوگ جس آبادی میں رہ رہے ہیں یہاں مسلمان کتنے رہتے ہیں؟"

عصمہ نے جواب دیا "شاید ہمارے سوا ایک بھی نہیں، سبھی خرمیہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں!"

"اب تم ہی بتاؤ!" سفیان نے جلدی سے کہا "رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کے لئے قاضی کہاں ملے گا، اسے کہاں سے پکڑ لایا جائے گا!"

عصمہ بھی چونک پڑی، بولی "ہاں یہ مشکل تو یہاں ہے، پھر اس کا حل تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

سفیان نے جواب دیا "میں چند دنوں کے لئے آس پاس کی مسلمان آبادیوں میں چلا جاؤں گا، اور وہاں سے نکاح خواں کو پکڑ لاؤں گا! اسکی مجھے اجازت مل گئی ہے!"

عصمہ نے وحشت سے پوچھا "اور میں کہاں رہوں گی؟"

سفیان نے رک رک کر جواب دیا "یہاں کے سب سے زیادہ معتبر انسان کے پاس، میری اس سے بات ہو گئی ہے اور عہد و پیمان بھی، تم مت ڈرنا!"

عصمہ کچھ کچھ سمجھ کر بولی "یعنی بابک کے پاس، تمہاری عدم موجودگی میں، میں بابک کے پاس رہوں گی۔ تم اس پر اعتبار کرتے ہو، تمہیں بابک پر اعتماد ہے؟ تمہیں ہو تو ہو، مجھے تو رائی برابر بھی نہیں، میں اس کے پاس ہرگز نہ رہوں گی!"

سفیان نے تنگ آ کر کہا "میں کہتا ہوں تم اس پر چند دنوں کے لئے اعتبار کر لو۔ وہ تمہیں اسی طرح رکھے گا جس طرح ایک باپ اپنی بیٹی کو رکھتا ہے۔"

عصمہ نے پوچھا "اور حمدونہ کہاں رہے گی؟"

اس نے جواب دیا "میرے ساتھ کیونکہ میں ان علاقوں سے بالکل واقف نہیں ہوں حمدونہ میری رہنمائی کرے گی!"

عصمہ ہنس دی طنز سے کہنے لگی "عورت اور رہنمائی! خوب، میں خوب سمجھتی ہوں
ی باتوں کو، مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم مجھے بابک کے شبستان میں بھیج دینے
آمادہ ہو گئے ہو، اور خود حمدونہ کے ساتھ رہو گے!"

ایسی کوئی بات نہیں!" سفیان نے جواب دیا "میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں
ڑوں گا تم مجھ پر اعتبار کرو عصمہ۔ میں جو کہتا ہوں، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا!"

عصمہ فکرمند ہو کر چپ ہو رہی، پھر کچھ دیر بعد پوچھا "قاضی کی تلاش میں کب جاؤ گے؟"

سفیان نے جواب دیا "چاہو تو ابھی جا سکتا ہوں لیکن میں چھ سات دن تمہارے ساتھ
ارنا چاہتا ہوں!"

عصمہ نے مایوسی سے کہا "جیسی تمہاری مرضی۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جو گھڑیاں
تمہارے ساتھ گزر جائیں گی وہی میرا مقدر رہوں گی پھر ایک طویل جدائی ہو گی، لامتناہی
مفارقت کی گھڑی"

سفیان نے تسلی دی "عصمہ، اتنی مایوس نہ ہو، میں اگر تمہیں دھوکا ہی دینا چاہتا
نی باتیں ہرگز نہ کرتا بلکہ تمہیں نہایت بیدردی اور بے حسی سے مایوس کر دیتا، لیکن
یہ نہیں ہے بات وہی ہے جس کا میں تمہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہوں!"

"خیر یہ بھی دیکھ لوں گی!" عصمہ نے جواب دیا "لیکن یہ چھ سات دن جنہیں تم میرے
گزارنا چاہتے ہو، ان میں حمدونہ کے حصے کا ایک پل بھی نہ ہو گا اس کا تم مجھ سے وعدہ کرو!"

سفیان نے جواب دیا "وعدہ۔ میں حمدونہ کو سمجھا دوں گا!"

عصمہ پھر بھی بابک کے خیال سے ڈرنے سہمنے لگی، اسے کسی طرح بھی اس کا یقین
ا کہ وہ بابک کی نگرانی اور تحویل میں چلی جائے اور وہ اسے معاف کر دے۔ اس نے دل
یہ مصمم تہیہ کر لیا کہ اگر سفیان کی عدم موجودگی میں بابک نے ستایا تو وہ پیار و محبت کا
نگ رچا کے بابک کو ٹھکانے لگا دے گی۔

بابک کے فرشتے عصمہ کو لینے پہنچ گئے لیکن سفیان نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا
نے آقا اور مولا سے جا کر کہہ دو کہ جب میں یہاں سے جانے لگوں گا تو عصمہ کو خود ہی
دوں گا!

لیکن حمدونہ نے اس خیال سے اختلاف کیا بولی "تم عصمہ کو فوراً ہی آقا کی
ں میں دے دو، کیونکہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے!"

سفیان نے ناخوشی سے حمدونہ کو گھورا "تم یہ اس لئے کہہ رہی ہو کہ تمہیں عصمہ سے
ہے تم اس سے جلتی ہو، دل ہی دل میں اس سے نفرت کرتی ہو!"

''یہ بات نہیں ہے'' احمدونہ نے جواب دیا ''تم مجھے غلط نہ سمجھو بلکہ بعض باتیں ایسی
جن کا قبل از وقت اظہار ضروری نہیں ہے بس تم یہ سمجھ لو کہ تم دونوں کی بہتری اسی میں ہے ک
عصمہ ہمارے آقا کے حوالے کر دی جائے!''
سفیان نے غصے میں کہا ''حمدونہ! تم چند دنوں کے لئے یہاں سے دفعان ہو جا
تم میرے منصوبے کی نزاکت اور مضرت سے خوب واقف ہو معلوم نہیں، میں یہاں وا
بھی آسکوں گا یا نہیں اور دوبارہ عصمہ سے ملنا نصیب بھی ہو گا یا نہیں، اسی خطے
تشویش کے پیش نظر میں چھ سات دن پوری طرح عصمہ کو دے دینا چاہتا ہوں، ہم دو
یہ چند دن ایک ساتھ آرام اور سکون سے گزاریں گے تا کہ بعد میں محرومی کا احساس پریشا
نہ کرے!''
حمدونہ مخالفت کرتی ہوئی بولی ''لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، پہلے تم آ
سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو اس کے بعد کچھ اور سوچو، تم عصمہ کو اسی وقت آقا کے فرشتگ
کے حوالے کر دو!''
عصمہ بھی سفیان کی ہم خیال تھی، بولی ''تم لوگ دھوکے باز ہو اور ہم دونوں کے
معلوم نہیں کیسا منصوبہ بنا رکھا ہے!''
حمدونہ نے جواب دیا ''اگر ہمارا منصوبہ تم دونوں کے خلاف ہوتا تو میرا آقا مجھے
کے ساتھ ہرگز نہ بھیجتا اور سفیان کے ساتھ میری جگہ کسی اور کو روانہ کر دیتا، رہا تمہیں آ
کے شبستان میں داخل کرنے کا مسئلہ تو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے، تمہیں تمہارے
سفیان کی مرضی اور خواہش کے خلاف زبردستی بھی آقا کے شبستان میں داخل کیا جا
ہے آخر وہ کون سی طاقت ہے جس کا لحاظ ڈر خوف تم دونوں سے برابری کی سطح پر ہمار
آقا کو معاملہ کرنے پر مجبور کر سکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں، تم دونوں کو آقا کی نرمی اور مہربانیو
غلط مطلب نہیں لینا چاہئے!''
سفیان نے نرمی سے سوال کیا ''حمدونہ! مجھے تو تم بس ایک بات بتا دو، تم عص
مجھے دور کیوں رکھنا چاہتی ہو؟ کیا اس میں تمہارا حاسدانہ جذبہ تو نہیں کام کر رہا ہے''
حمدونہ نے جواب دیا ''ہرگز نہیں، عصمہ تمہاری ہے اور ہمیشہ تمہاری رہے
لیکن یہ بات میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ عصمہ تمہیں خود ہی مسترد
گی، تم اسے اپنانا چاہو گے تب بھی یہ تمہیں جھڑک دے گی، عصمہ کو تم سے زیادہ میں سمجھ
سفیان اور عصمہ دونوں ہی حمدونہ کو پاگل سمجھنے لگے۔
سفیان نے عصمہ کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بابک کے

اسے زبردستی لے گئے اور بابک کے محل میں پہنچا دیا۔ عصمہ زاروقطار روتی رہی، سفیان بے بسی سے رخصتی کا منظر دیکھتا رہا۔ اور حمدونہ اطمینان اور سکون سے دونوں کی نفسی کیفیات کا اندازہ لگاتی رہی۔

سفیان نے روانگی سے پہلے ایک جامع منصوبہ بنایا۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے بغداد جائے گا، اور نانا جواد سے ملے گا، اور انہیں بابک خرمی کی قید و بند کی ایک دلچسپ لیکن دکھ بھری داستان سنائے گا اور حمدونہ کو پیش کر کے یہ بتائے گا کہ اگر اس لڑکی کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو وہ بابک کی قید سے کبھی بھی نجات حاصل نہ کر سکتا۔ پھر وہ نانا جواد کے ساتھ خلیفہ سے ملنے جائے گا اور حمدونہ کو خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دے گا۔ معتصم باللہ اس حسین اور گداز جسم والی حسینہ پر مر مٹے گا۔ اور جب وہ اس کے ساتھ رنگ رلیوں اور عیش و عشرت میں مشغول ہوگا تو حمدونہ خلیفہ کے کسی مشروب یا کھانے میں زہر ملا کے اس کا کام تمام کر دے گی اور نہایت ہوشیاری سے بھاگ کر سفیان سے آن ملے گی، پھر یہ دونوں فرار ہو کر بذ میں بابک خرمی سے آن ملیں گے اور عصمہ کو واپس لے لیں گے۔

لیکن ابھی یہ دونوں وہاں سے نکلے بھی نہ تھے کہ خلافت کے افشین حیدر نامی جنرل نے اپنی بہت بڑی سپاہ کے ساتھ بذ کے قریب کی پہاڑیوں پر پڑاؤ کیا اور وہ محاصرے کا انتظام کرنے لگا۔ افشین سے پچھلے سال بھی بابک کا معرکہ ہو چکا تھا لیکن یہ معرکہ زیادہ خطرناک نظر آتا تھا۔ بابک نے بذ سے نکل کر نہایت ہوشیاری سے افشین کی کارکردگی اور منصوبوں کا جائزہ لینا چاہا۔ لیکن افشین کا انتظام اتنا سخت تھا کہ بابک کے لئے اس کی باریکیاں سمجھنا بہت دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا۔ بذ کے آس پاس خندقیں کھودی جا رہی تھیں اور پتھروں کے ڈھیر لگا کے حفاظت کی خاطر فصیلیں کھڑی کی جا رہی تھیں۔

چالاک بابک کے فرشتے سفیان کے پاس یہ پیغام لے کر پہنچے کہ وہ فوراً ان کے آقا سے ملاقات کرے۔ سفیان اسی وقت بابک کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بابک اپنے اماموں اور مشیروں کے درمیان گھرا بیٹھا تھا، اور گرما گرم بحثیں جاری تھیں، فرشتگان ادب سے ایستادہ تھے۔ سفیان کے پہنچتے ہی خاموشی طاری ہو گئی۔

بابک نے کسی تمہید کے بغیر سفیان کو مخاطب کیا "اب تم بغداد یا سامرا نہیں جاؤ گے بلکہ تم ہمارے وفد کے ساتھ خلافت کے جنرل افشین حیدر سے ملنے جاؤ گے، یہ غریب فوج کی بھاری جمعیت کے ساتھ یہاں آ گیا ہے اور بہت خوفزدہ ہے، مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اسکی سپاہ ایک عرصے سے ستو وغیرہ پر گذر کر رہی ہے اور اچھی غذا کو ترس گئی ہے، میں مہمان

نوازی کے پیشِ نظر اسے پھلوں کے تحائف بھیجنا چاہتا ہوں، وہ ہم سے لڑنے آیا ہے اور ہم اسے کھانے پینے کا سامان بھیجیں گے کیونکہ ہم دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری پر مجبور ہیں!
بابک کا ایک مشیر کھڑا ہوا اور عرض کیا "افشین حیدر اور خلافتی افواج ایک لمبا سفر طے کر کے ان دشوار گزار کوہستانی سلسلوں تک پہنچی ہیں ہم اگر چاہیں تو ان کی رسد کی راہیں روک کر انہیں تباہ کر سکتے ہیں، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کھانے پینے کی اشیاء کی ناکہ بندی کر کے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کریں؟"
"نہیں!" بابک کی آواز گونجی "ہم اپنے دشمنوں کا اخلاقی حربوں سے بھی مقابلہ کریں گے!"
سفیان نے دریافت کیا "یہ وفد کب جائے گا؟"
بابک نے جواب دیا "دو دن بعد، تمہیں اس بات کا اختیار ہو گا کہ تم وفد کے ساتھ واپس آؤ یا وہیں رہ جاؤ!"
سفیان نے پریشانی سے سوال کیا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا! عصمہ کا کیا ہو گا؟"
"جب تک تم واپس نہ آؤ گے عصمہ تمہاری امانت کے بطور میرے محل میں رہے گی!"
"لیکن تم تو مجھے یہ اختیار دے رہے ہو کہ اگر چاہوں تو وہیں رہ سکتا ہوں!"
"ہاں!" بابک نے کہا "تم خلافت کی فوج میں رک کر میری ایک عظیم خدمت انجام دے سکتے ہو، تم نہایت ہوشیاری اور دانائی سے فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو یہ بتاؤ گے کہ خرمیہ دین میں مساوات ہے، یہاں پابندیاں نہیں، دین خرمیہ میں آزادیاں ہیں، عورت کی آزادی، شراب کی آزادی اور ہر اس شے کی آزادی جس پر انسان کا دل راغب ہو، اگر تم نے اس منصوبے کو بخیر و خوبی انجام دے دیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک عصمہ کیا بہت ساری حسین و جمیل لڑکیاں تمہاری خدمت میں حاضر کر دی جائیں گی، اور تمہیں دین خرمیہ میں داخلے پر بھی مجبور نہ کیا جائے گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے قلعے کا محافظ بنا دیا جائے گا، اور ایسی ایسی عنایات اور مہربانیاں کی جائیں گی کہ تم ان کا وقت سے پہلے تصور تک نہ کر سکو گے!"
سفیان پس و پیش میں پڑ گیا۔ کبھی دل یہ کہتا کہ بابک کی تجویز مان لی جائے اور اس کے لئے یہ کام کیا جائے۔ کبھی دل یہ کہتا کہ وہ مسلمان ہے اور ایسا کرنا اسلام کے خلاف غداری ہے، بہر حال وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔
سینکڑوں جانور، خربوزے، کھیرے اور ککڑیوں سے لدے ہوئے تیار کھڑے تھے، یہ بابک کا افشین حیدر کی خدمت میں ایک تحفہ تھا۔ وفد تیار کھڑا تھا۔

بک کے فرشتگان کی جمعیت ثمر بردار جانوروں کے ساتھ تھی، عورتوں اور مردوں
، ایک بڑی تعداد نے وفد کو رخصت کیا۔ بابک کے امام وفد کے ارکان کو کچھ ہدایات
ے رہے تھے، حمدونہ سفیان کو الگ لے گئی اور سوگواری سے سوال کیا۔ "سفیان! تم وفد کے
ساتھ تنہا جا رہے ہو، سنا ہے آقا نے تمہیں یہ اختیار دیا ہے کہ اگر تم وہیں رکنا چاہو تو رک
سکتے ہو، کیا تم واقعی اب واپس نہیں آؤ گے؟"

سفیان نے جواب دیا، "تمہارے آقا کی خواہش اور ہدایات پر وہیں رک جانا
ہے گا اور میں خود نہیں جانتا کہ میں واپس آ بھی سکوں گا یا نہیں!"

حمدونہ نے حسرت سے پوچھا "اور عصمہ کا کیا بنے گا؟"

"پتہ نہیں!" سفیان نے کہا۔ "اگر کامیاب اور کامران واپس آیا تو عصمہ کی واپسی
مطالبہ کروں گا، ورنہ تقدیر کا فیصلہ کوئی نہیں جانتا!"

"اور میرے لئے کیا فیصلہ ہے؟"

سفیان نے جواب دیا۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن ان حالات میں، میں
ئی وعدہ کس طرح کر سکتا ہوں!"

حمدونہ نے پوچھا "کیا میں تمہارے ساتھ چلوں اور خلافتی افواج میں تمہارے
ئے کوئی خدمت انجام دوں؟"

"نہیں!" سفیان نے کہا "تم میرا یہیں انتظار کرو!"

حمدونہ نے افسردگی سے کہا "تم یہ سوچتے ہو گے کہ خرمیہ دین میں مجھے آزادی
حاصل ہے، اور میں تمہاری عدم موجودگی میں دوسرے پسندیدہ نوجوانوں سے دل
بہلا سکتی ہوں، لیکن یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے لیکن معاملات قلب
سمجھ میں نہیں آتے، دل کی خوشی اور لذتِ نفس ہر مرد سے یکساں نہیں حاصل ہوتی،
ھے تم پسند ہو، میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا نوجوان مشکل اور
تفاق ہی سے لے سکتا ہے!"

سفیان نے حمدونہ کو آغوش میں لے لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے
رکھا۔ آہستہ آہستہ پشت پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ بولا "حمدونہ! ایک ہی بات بار بار دہرانا
یسا ہے، جیسے چبائے ہوئے نوالوں کا بار بار چبانا، میں آخری بار تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ
ے عصمہ کے ساتھ ہی تم سے بھی بیحد محبت ہے، اگر کسی وقت مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا
ئے کہ عصمہ اور تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لوں تو میں پریشان ہو سکتا ہوں!"

حمدونہ نے مایوسی اور رقت سے سفیان کو رخصت کر دیا۔

بابکی وفد افشین کی حدود میں داخل ہوا اور اس کے آدمیوں نے انہیں
سپہ سالار کی خدمت میں پیش کر دیا۔
افشین نے سینکڑوں ثمر بردار جانوروں کا نظری جائزہ لیتے ہوئے سوال
"میرے دوست بابک نے مجھے یہ کیا بھیجا ہے؟"
وفد کے سربراہ نے کہا "ہمارے آقا کو آپ کی تکلیفوں کا احساس ہوا کہ آپ لوگ
لمبی اور دشوار گزار مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور کھانے پینے کی اشیاء کو ترس
رہے ہیں، ہمارے آقا نے ازراہِ مہمان نوازی یہ سامان آپ کے لئے روانہ کیا ہے' اور
درخواست کی ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں"۔
ترک سپہ سالار افشین حیدر طنزیہ ہنسی ہنستا ہوا بولا "میں نے اپنے دوست
بابک کا اصل پیغام وصول کر لیا ہے"۔ پھر اپنے سرداروں سے کہا "ساتھیو! جانتے ہو
سفارت کا اصل مقصد کیا ہے؟ دراصل میرا دوست بابک غیر معمولی ذہین انسان
حقیقتاً اس طرح وہ ہماری چھاؤنی کا جائزہ لینا چاہتا ہے میں بابک کے تحائف بخوشی
قبول کرتا ہوں اور اس کی مہمان نوازی کا جواب مہمان نوازی سے دینا چاہتا ہوں"۔
اس نے اپنے چند سرداروں کو اشارے سے قریب بلا کر حکم دیا "یہ لوگ جو بظاہر
وفد کے ارکان ہیں بابک کی فوج کے جنگی ماہرین ہیں انہیں ہمارے تمام مورچے دکھاؤ"
افشین کے سرداروں نے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور وفد کے جملہ ارکان
میلوں میں پھیلے ہوئے جنگی استحکامات اور مورچے دکھاتے رہے۔ پہاڑیوں کے
کے مورچے، چوٹیوں کے استحکامات، غرضیکہ ایک ایک جگہ انہیں دکھادی گئی۔
یہ لوگ افشین کی خدمت میں واپس آئے تو اس نے بابک کو پیغام دیا "میرے دوست
بابک سے کہہ دینا کہ یہ اس کی زندگی کی آخری مہم ہے اگر وہ درخواست کرے تو امیر المؤمنین
سے اسے امان نامہ دلوایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بذکے در
ہماری سپاہ کے لئے کھول دے اگر نہیں تو پھر اپنی تقدیر کے نوشتے کا انتظار کرے"
بابکی ارکان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ثمر بردار جانوروں کا رکھوالا بوڑھا
اور ان پر متعین بابکی فرشتگان وفد کے ارکان کی واپسی کے منتظر تھے، اسی وقت
کے اندر سے ایک بوڑھا نمودار ہوا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وفد کے قریب آیا
نے ان کا سرسری جائزہ لیا اور سفیان پر نظر پڑتے ہی ایک لمحے کے لئے جھجکا، اس نے
بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا اور بے ساختہ کہا "سفیان! میرے بیٹے!"
سفیان بھی بے اختیار چمٹ گیا "نانا، میرے شفیق نانا، آپ یہاں کہاں؟"

افشین اس منظر کو غور اور تعجب سے دیکھتا رہا۔ سفیان نے بابکی وفد کو کیا "تم لوگ واپس جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا!"

وفد واپس گیا اور سفیان اپنے نانا کے پاس، افشین کی سپاہ میں رک گیا۔

سفیان کے نانا جواد نے اسے بتایا کہ وہ ایک مدت سے اس کی جستجو میں لگا ہوا تھا ن نے اسے اپنی داستان سنائی اور بابک سے متعلق قابل ذکر تفصیلات نانا کے گوش ردیں لیکن عصمہ، حمدونہ اور ان ہدایات اور عہد کا ذکر نہیں کیا جو وہ بابک سے کر کے آیا تھا۔

پہلے تو بابک کے دستوں سے معمولی معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن افشین نے غیر معمولی نت اور چالاکی کا ثبوت دیا اور نہایت احتیاط سے رک رک کر بذ کے قلعے کی طرف بڑھتا اس پیشقدمی کے دوران افشین کے کئی سوار گھوڑوں سمیت زمین کے اندر غائب ہو گئے۔ افشین پیشقدمی روک دی۔ اور تحقیقات سے اس بات کا پتہ چلا لیا کہ بابک نے راہ میں بہت سارے ں کھدوا رکھے ہیں اور ان پر گھاس پھوس اور پتے وغیرہ ڈال کر چھپا دیا ہے۔ افشین نے فوج یک دستے کو کنوؤں کی تلاش اور پٹائی کے کام پر متعین کر دیا۔ پہاڑی پتھروں اور بابکی ؤں کے مکانوں کے ملبوں سے کنوؤں کو پاٹ دیا گیا اور افشین فوج کے ساتھ دوبارہ ے بڑھا، وہ بذ کے قلعے میں داخلے کے لئے پہاڑی پر چڑھنے لگے، بابک نے اوپر ایک چرخ ب کر رکھا تھا۔ اور اس چرخ پر ایک بہت بڑا پتھر بار کر رکھا تھا، افشین کی سپاہ کو اوپر ھتے دیکھ کر بابک کے حکم پر چرخی سے پتھر کو لڑھکا دیا گیا۔ چٹان جیسا پتھر ایک شور کے ساتھ ھکتا ہوا افشین کی سپاہ کی طرف بڑھا۔ پتھر کے آنے کا رخ دیکھ کر خلافتی فوج ادھر ھر ہو گئی۔ اور یہ پتھر ایک کھڈ میں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد افشین کے حکم پر مسلمان تیزی اوپر چڑھنے لگے۔ اور بہت جلد بذ کے دروازے پر پہنچ گئے، افشین کے مختلف سردار مختلف ِوں سے اوپر چڑھ رہے تھے اور بابکی سپاہ قدم قدم پر انکی مزاحمت کر رہی تھی، لمبی مسافت کی بفیں جھیلے ہوئے مسلمان خونخوار درندوں کی طرح اپنے دشمن پر جھپٹ رہے تھے۔

افشین بذ سے تقریباً ایک میل دور ایک ٹیلے سے جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا اور فوج کے احکام جاری کر رہا تھا ٹیلے پر ایک پوستین بچھی تھی، اور اس پوستین پر افشین کی کرسی رکھی تھی جس ہ بیٹھا ہوا بذ کے قلعے کا دروازہ دیکھ رہا تھا۔ اس دروازے پر اس کی سپاہ اور بابکی سپاہیوں سخت جنگ ہو رہی تھی افشین کے قریب اس کی کرسی کے داہنی طرف سفیان کا نانا جواد بھی بیٹھا تھا اور نانا کے روبرو سفیان کھڑا تھا اور جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا بظاہر تو یہی نظر آ رہا ہ بذ پر مسلمان قابض ہو جائیں گے۔ لیکن سفیان بابک کی ذہانت کا بھی بہت قائل تھا اور تھا کہ وہ کسی وقت بھی کوئی ایسی تدبیر کر سکتا ہے جو جنگ کا پالنسہ اپنے حق میں پلٹ

دے، اس محاربے میں، اسے عصمہ یاد آ رہی تھی، حمدونہ کی یاد ستا رہی تھی، اس نے بابک کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اگر جنگ کا فیصلہ بابک کے حق میں ہوا تو عصمہ اور حمدونہ کو وہ کس طرح حاصل کرے گا؟ اور اگر وہ شکست کھا گیا تو ان دونوں کا حشر کیا ہو گا؟ بہرحال وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

افشین نے سفیان کو قریب بلا کر دریافت کیا "تمہارا کیا خیال ہے بابکی افواج کو مکمل شکست دینے میں کتنا وقت اور لگے گا؟"

سفیان نے جواب دیا "کیا آپ کو اپنی فتح پر پورا یقین ہے؟"

افشین نے غصّے میں کہا "او بزدل نوجوان! کیا بکتا ہے کیا اب بھی ہماری فتح مندی پر شبہ کیا جا سکتا ہے؟"

سفیان نے کہا "میں ان سے واقف ہوں یہ بہت خطرناک لوگ ہیں، ان کا بچہ روحِ جاویداں پر کٹ مرے گا۔ اگر کسی طرح آپ لوگ قلعے میں داخل ہو گئے تو اندر بڑی خوفناک جنگ ہو گی۔"

"بابک سے یہ ہماری آخری جنگ ہے!" افشین نے تقریباً چیخ کر کہا "اس کے بعد کوئی اور جنگ کبھی بھی نہ ہو گی۔ ہم بابک کو زندہ یا مردہ یہاں سے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیں گے!"

"شاید!" سفیان نے آہستہ سے کہا۔

اسی وقت ایک طرف سے چند مقامی لوگ افشین کو پوچھتے ہوئے اس کے قریب آئے لیکن فاصلہ اتنا قریب نہ تھا۔ یہ چند آدمیوں کا ایک دستہ تھا اور یہ سب نہتے تھے اس دستے کا ہر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ ان میں سے ایک گھڑ سوار دستے سے جدا ہو کر گھوڑا دوڑاتا ہوا افشین کے قریب آیا اور پکار کر پوچھا "افشین کہاں ہے؟"

افشین نے اپنے ایک سوار کو حکم دیا "اس کے قریب جا کر معلوم کرو، یہ ہمیں کیوں پوچھ رہا ہے؟"

تھوڑی دیر بعد جواب آ گیا "یہ بابک کا آدمی ہے، بابک اپنے فرشتگان کے ساتھ سامنے کھڑا ہے اور جناب والا سے بات کرنا چاہتا ہے!"

افشین نے سفیان سے پوچھا "کیا تم بابک کو پہچان لو گے؟"

"خوب اچھی طرح!"

افشین اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک گھوڑے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
"سفیان!" ایک دوسرے گھوڑے پر تم سوار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو تم بابک کو

شناخت کر سکو گے!"

سفیان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ افشین کا محافظ دستہ پہلے ہی اس کے آس پاس گھوڑوں پر سوار آ کھڑا ہوا تھا۔ افشین نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے محافظ دستے کو حکم دیا "آؤ میرے ساتھ آگے بڑھو!"

ایک ساتھ لگامیں ڈھیل دے کر چھوڑ دی گئیں، اور افشین مردانہ وار بابکی دستے کی طرف بڑھا۔ جب یہ لوگ بابک سے اتنے قریب پہنچ گئے کہ بابکی فرشتگان کی باتیں سنائی دینے لگیں تو افشین نے لگام کھینچ کر گھوڑا روک لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے محافظ بھی رک گئے۔ افشین نے پیچھے پلٹ کر سفیان کو حکم دیا "پہچانو، ان میں بابک موجود ہے یا نہیں!"

سفیان نے بابک کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اسکی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"سردار! میں بابک کو پہچانتا ہوں، وہ سفید اور کالے رنگ کا گھڑ سوار بابک ہے!"

افشین گھوڑا دوڑا کے بابک کے سامنے لے گیا اور چیخ کر کہا "بابک! اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھو، میں افشین حیدر تم سے باتیں کرنے آیا ہوں!"

بابک بھی اپنا گھوڑا بھگا کر افشین کے قریب لے آیا، اب دونوں سردار ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

افشین نے مچلتے اور اپنے پیروں کو بار بار ٹپکتے ہوئے گھوڑے کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے بابک سے سوال کیا۔

"میرے دوست! تمہیں خدا صحیح راہ دکھائے، تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

بابک کا گھوڑا بھی اڑ رہا تھا، اور زمین پر بار بار پیر ٹپک رہا تھا۔ بابک نے جواب دیا "میں خون خرابے سے نفرت کرتا ہوں، تم نے وفد کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں امان نامہ حاصل کر لوں، آج میں اسی لئے تم سے ملنے آیا ہوں کہ مجھے امان دے دی جائے!"

افشین کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ بولا "میں تو بار بار یہی چاہا کہ تم خلافت سے امان نامہ طلب کر کے پر سکون زندگی گزارو لیکن تم اس پر تیار نہ ہوئے!"

"میں جنگ بندی کا حکم دے دوں گا اور اسی وقت امان کا مطالبہ کرتا ہوں!"

"میں تمہیں امان دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم ہمیں بذ میں داخل ہو جانے دو اور یرغمال کے طور پر اپنی جان سے زیادہ قیمتی چیزیں میرے حوالے کر دو!"

سفیان نے سوچا افشین کو منع کر دے کہ اس سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، بابک کی نظریں سفیان پر بھی پڑ گئیں، اس نے ہاتھ کے اشارے سے سفیان کو اپنے قریب بلایا، اور افشین سے کہا "ہم عہد کے پکے لوگ ہیں اور میری اس بات کی سچی گواہی یہ نوجوان دے گا

جو کچھ عرصہ ہماری قید میں بھی رہ چکا ہے!"

سفیان بابک کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو عصمہ اور حمدونہ بابک ہی کے پاس ہیں اور وہ سفیان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے سفیان نے کہا "ہاں یہ گواہی میں بھی دے سکتا ہوں کہ بابک عہد کا پکا ہے!"

افشین نے بابک سے کہا "جاؤ اپنے محل واپس جاؤ اور جنگ بندی کا اعلان کر کے قلعے کے دروازے کھول دو، میں اپنی طرف سے تمہیں امان دیتا ہوں!"

بابک نے کہا "میں ابھی اسی وقت خاندان کے قریبی اور خونی رشتے داروں کو لے کر حاضر ہوا جاتا ہوں، لیکن یہ یاد رہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے!"

بابک نے جاتے جاتے سفیان سے کہا "تمہاری امانت محفوظ ہے، جب چاہنا مجھ سے لے لینا۔ اچھا پھر ملاقات ہوگی!"

بابک کے جاتے ہی افشین نے بذ کے دروازے کی طرف دیکھا جس میں مسلمان داخل ہو رہے تھے، پھر ایک غلغلہ بلند ہوا "بذ فتح ہوگیا۔ بابکی محلوں پر خلافت کا پرچم لہرا دیا گیا!"

افشین اپنا دستہ لے کر تیزی سے بذ کی طرف بڑھا اور قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ سفیان بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی ان کی نظریں ان سیاہ پرچموں پر پڑ گئیں۔ جو خلافت عباسیہ کی طرف سے بابکی محلات اور مکانات پر لہرا دیئے گئے تھے۔ افشین کا خیال تھا کہ بابک اپنے آدمیوں کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دے دے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بذ کے اندر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ایک دروازے پر مسلمانوں کو روکا گیا۔ افشین نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بابکیوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عمارتیں اور مکانات بھی گراتے چلیں، افشین کی طرف سے بابکیوں پر آتشبازی شروع کر دی گئی، اور پوری آبادی کو آگ کی لپیٹ میں دے دیا اسی عالم میں افشین بابک کے محل تک پہنچ گیا، اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر قصر کے مکینوں کو حکم دیا "سب نہتے نکل کر خود کو ہمارے حوالے کر دیں، ورنہ محل کو آگ لگا دی جائے گی!"

بابک کے رشتے داروں نے محل سے خالی ہاتھ نکل کر خود کو افشین کے حوالے کر دیا لیکن ان میں بابک موجود نہ تھا وہ فرار ہو چکا تھا۔

بذ کے قلعے کی عمارتیں ڈھا دی گئیں، وہاں کے مختلف محلات اور قید خانوں سے سات ہزار چھ سو مرد اور عورتیں افشین نے برآمد کیں جو مسلمان تھیں اور بابک نے انہیں قید کر رکھا تھا۔ پورا قافلہ فوج کے ایک دستے کے ہمراہ سامرا روانہ کر دیا گیا اور افشین نے حکم دیا کہ جب تک وہ خود سامرا نہ پہنچ جائے ان لوگوں کو فوج کی نگرانی ہی میں رکھا جائے وہ خود اپنی نگرانی میں ان لوگوں کو ان کے اصل وارثوں اور متعلقین کے حوالے کرنا چاہتا

ا سفیان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ افشین سے عصمہ کا ذکر کر کے حصولیابی کی کوشش کرتا۔
بابک کے جن عقیدتمندوں اور پرستاروں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی ان کی تعداد تین ہزار
ن سو نو تھی یہ واقعات ۲۲۲ھ میں پیش آئے۔
سفیان اپنے نانا جواد کے ساتھ شکستہ و افسردہ بغداد واپس آ گیا۔ اور اپنی افسردگی
راز کسی کو بھی نہ بتایا۔ اب وہ افشین کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ افشین
بک کا پیچھا کرتا ہوا آرمینیہ پہنچ گیا۔ بابک وہاں کے حاکم سہل ابن ساباط کا مہمان بنا ہوا
ا اور ابن ساباط نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے روم پہنچا دے گا لیکن اس نے بابک
موجودگی سے خفیہ طور پر افشین کو مطلع کر دیا۔ منصوبے کے مطابق ایک دن جب ابن ساباط
ور بابک شکار کھیلنے میں مصروف تھے، افشین کے آدمیوں نے انہیں چاروں طرف سے
ر لیا۔ اس وقت بابک سفید کرتے، سفید عمامے میں ملبوس تھا، اور پیروں میں چھوٹا سا
وزہ پہنے ہوئے تھا۔ شکاری باز بابک کے ہاتھ پر بیٹھا تھا، اس نے خود کو فوجیوں میں گھرا
یکھ کر سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"
ایک نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ "ابو سعید، افشین کی فوج کا ایک سردار!
م گھوڑے سے نیچے آ جاؤ اور خود کو گرفتار سمجھو!"
بابک گھوڑے سے اتر پڑا اور ابن ساباط پر نظر ڈالی، ابن ساباط بھی اسی کی
ف دیکھ رہا تھا۔ بابک نے اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ "او ذلیل النسان، لونڈی کے
ے! تو نے مجھے معمولی مال کے عوض ان یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے، تجھ سے خدا سمجھے
ر تو مجھ سے یہ رقم طلب کرتا تو میں تجھے اس سے کہیں زیادہ دے دیتا!"
ابن ساباط خاموش کھڑا رہا۔ جب افشین کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ
ا گا ہوا وہیں پہنچ گیا اور بابک پر لعن طعن کرتا ہوا بولا۔ "او بدعہد! کیا تو نے مجھ سے
ان نہیں طلب کی تھی، اور جب میں نے امان دے دی تو، تو مجھے دھوکا دے کر
ار ہو گیا!"
بابک نے نفرت سے جواب دیا، میں نے کوئی بدعہدی نہیں کی، جب تو نے مجھے
ان دینے کا وعدہ کیا تھا، اس وقت تیری مشتعل اور بپھری ہوئی فوج بذ میں
تحانہ داخل ہو چکی تھی، میں نے سوچا اس حالت میں تجھ سے امان کی خواہش کرنا
ضول سی بات ہے، یہی سوچ کر میں آرمینیہ چلا آیا۔ اور لونڈی کے جنے ابن ساباط نے
ھے دھوکا دے کر تیرے حوالے کر دیا!"
افشین نے پوچھا۔ "تیری کوئی خواہش؟"

اس نے جواب دیا "سامرا بھیجنے سے پہلے مجھے ایک بار بذ میں گھوم پھر لینے دیا جائے"
افشین اپنی افواج اور بابک کے ساتھ بذ واپس آیا، اور بابک کو ایک دستے کی نگرانی میں بذ کے گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا، چاندنی رات میں بابک اپنے محلات کے آس پاس پھرتا رہا۔ جن میں سے بیشتر جلا دیئے گئے تھے، یہیں اس نے اپنے پرستاروں کی لاشیں پڑی دیکھیں جو سڑ گل رہی تھیں۔ اور یہیں اس نے اپنے پیرؤں کے مکانات دیکھے جو کھنڈرات میں بدل دیئے گئے تھے، بابک ایک آنسو بہائے بغیر یہ سارے مناظر دیکھتا رہا اور صبح ہوتے ہوتے افشین کے پاس پہنچ گیا۔ افشین اسے لے کر سامرا روانہ ہو گیا۔

بابک کو دیکھنے کے لئے پورا سامرا اور اس کے پاس پاس کی آبادیاں امنڈ آئیں، خود خلیفہ معتصم باللہ اسے دیکھنے لئے بے چین تھا۔ آخر بھیس بدل کر ایک عام آدمی کی طرح اسے دیکھنے پہنچ گیا۔ جب اسے ان لوگوں کے سامنے سے گزارا گیا جو اس کی قید سے رہا کرا کے لائے گئے تھے تو وہ بابک کو گرفتار دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے افشین نے انہیں ملامت کی، کہا "بدبختو! پہلے تو تم یہ کہتے تھے کہ بابک نے تمہیں تمہارے عزیزوں سے چھڑا دیا ہے اور اپنی قید میں رکھ چھوڑا ہے، لیکن اب اس کی گرفتاری پر آنسو بہا رہے ہو؟"

انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا "لیکن یہ ایک مہربان شخص تھا اور اس نے ہم پر احسانات بھی کئے ہیں!"

افشین نے ان پر لعنت بھیجی۔

سفیان اور زنانا جواد بھی سامرا پہنچ گئے اور بابک کو دیکھنے کے لئے قصر منظیرہ میں داخل ہوئے کیونکہ خلیفہ کے حکم پر بابک کو یہیں رکھا گیا تھا۔ بابک نے سفیان کو دیکھا تو نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سفیان نے کہا "تو نے منہ ندامت سے پھیرا ہے، یا کسی اور سبب سے؟"

بابک نے جواب دیا "تو نے مجھ سے جو عہد کیا تھا" اسے پورا نہیں کیا" اب تو ہی بتا کہ ندامت اور شرمندگی سے منہ تجھے پھیرنا چاہیئے یا مجھے۔ تو نے مجھ سے بدعہدی کی ہے

سفیان نے اسے برا بھلا کہا" اور اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا "تجھے اپنے اس حشر پر افسوس کرنا چاہیئے، تو غلط راہ پر تھا۔ اس لئے خدا نے تجھے ذلیل کیا اور یہ برا دن دکھایا!"

"تو جھوٹا ہے!" بابک نے جواب دیا "میری گرفتاری اور قید و بند کا یہ مطلب

ہرگز نہیں کہ میں ہار گیا، سچ کی فتح کبھی کبھی ہوتی ہے، اور جھوٹ اکثر فاتح رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر نہ بھیجے جاتے!"

سفیان نے نانا سے نظریں بچا کے سوال کیا "عصمہ کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتہ؟" بابک نے جواب دیا "ان اسیروں میں وہ بھی شامل ہوگی جو افشین نے مجھ سے پہلے ہی سامرا روانہ کر دیئے تھے!"

سفیان اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ عصمہ کے ساتھ بد دیانتی تو نہیں ہوئی لیکن اس سوال کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے، بابک نے خود ہی کہا "تو نے مجھ سے بدعہدی کی، جس کا مجھے پہلے ہی علم تھا لیکن تو یہ نہ سمجھ کہ میں نے تجھے معاف کر دیا ہوگا میں نے تجھے ایک ایسی سزا دی ہے کہ جب تو اس سے واقف ہو جائے گا تو اپنا سر دیواروں سے ٹکراتا پھرے گا اور زندگی بھر خون کے آنسو روتا رہے گا!"

سفیان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

دوسرے دن صبح، جمعرات کے روز بابک کو ہاتھی پر بٹھا کر بغرض تشہیر گھمایا پھرایا گیا، ہزاروں آدمی اسے دیکھنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ بابک کو دیبا کی قبا اور سمور کی گول ٹوپی پہنا کے پورے شہر میں گھمایا پھرایا گیا اس کے بعد بابک کو معتصم باللہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے اسے اپنے قریب تخت پر بٹھا لیا اور اپنا تاج بابک کے سر پر رکھ دیا اور کہا "اسی خواہش نے تجھے اب تک سرگرداں رکھا تھا آج میں اسے پوری کئے دے رہا ہوں!"

بابک نے جواب دیا "نہیں، تاج و تخت کی خواہش بادشاہوں کو ہوا کرتی ہے اس کی مجھے کبھی بھی خواہش نہیں رہی۔ میں جو چاہتا تھا، وہ ہر انسان چاہتا ہے، مساوات، آزادی، سچ کا بول بالا اور باطل کی موت!"

خلیفہ نے کہا "لیکن تو گمراہ تھا تو نے ایک عظیم فتنے کو جنم دیا!"

بابک نے بے باکی سے جواب دیا "سچ سب سے بڑا فتنہ ہے جو اپنے داعیان کو ہلاک کرا دیتا ہے!"

خلیفہ نے دربار میں موجود قصائی کو حکم دیا "اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں!"

قصائی نے بابک کو تخت سے کھینچ کر نیچے گرا دیا اور دو ضربوں سے اسکے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ بابک چیخ مار کر گر گیا۔ قصائی کی دوسری ضربات پیروں پر پڑیں اور دونوں پیر کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا "اب ذبح کر دیا جائے"

قصائی نے بابک کو اپنے گھٹنے میں داب کر حلق پر چھری پھیر دی، اور بعد میں پیٹ چاک کر کے آنتیں باہر نکال لیں۔

درباری امرا اور ناظرین اس دل دوز منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

خلیفہ نے کہا "فنا فی النار سقر!"

گرفتار عورتوں اور مردوں کو ان کے وارثوں اور ولیوں کے حوالے کیا جانے لگا سفیان ان میں عصمہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ جب تھک ہار کر مایوس اور ناکام نانا کے پاس واپس پہنچا تو وہ بہت خوش نظر آئے اور سفیان کو دوڑ کر گلے لگا لیا۔ بولے "تو کہاں تھا سفیان؟ خدا کتنا مسبب الاسباب اور بچھڑوں کو ملانے والا ہے، ایک ایسی بیٹی جس کی ملاقات کا میں دل میں خیال تک نہ لا سکتا اتفاق سے مل گئی ہے، بابک بہت ظالم انسان تھا، چل میرے ساتھ اندر چل، دیکھ میں تجھے کس سے ملاتا ہوں، اس سے مل کر تیری روح خوش ہو جائے گی، پہلے میں یہ دیکھوں گا کہ تو اسے پہچانتا بھی ہے یا نہیں!"

نانا جواد کی باتیں اس کی سمجھ سے بالا تھیں، جب وہ اندر جانے لگا تو اسکی پہلی ملاقات حمدونہ سے ہو گئی، حمدونہ دروازے سے لگی اس کی آمد کی منتظر تھی، اس نے سفیان کو روک لیا اور کہا "سفیان! میں نے تمہارے نانا کی باتیں سن لی ہیں اور میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں جو کچھ بھی ہوا وہ ہمارے آقا کی مرضی اور حکم پر ہوا تھا کیونکہ وہ یہی چاہتے تھے!"

سفیان کا دل دھڑک رہا تھا، اور یہ باتیں اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں!

نانا جواد نے پلٹ کر سفیان کو دیکھا اور کہنے لگے "ارے تم وہاں کہاں رک گئے ادھر آؤ میرے پاس، میں تمہیں عصمہ سے ملانا چاہتا ہوں، وہ عصمہ جسے تم پہچانتے تک نہیں!"

اس کے بعد نانا جواد نے اسے عصمہ کے روبرو لے جا کر کھڑا کر دیا۔ عصمہ نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اور گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔ سفیان بے تابانہ اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا، لیکن عصمہ نے ہاتھ جھٹک دیا اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

نانا جواد یہ تماشا حیرت اور تجسس سے دیکھتے رہے، پھر سفیان سے پوچھا "کیا تم عصمہ کو پہچانتے ہو؟"

جب سفیان نے یوں ہی انکار میں گردن ہلا دی تو نانا جواد نے فرطِ جوش میں عصمہ کا تعارف کرایا۔

"سفیان! تیرا باپ حماد جن دو بچوں کو چھوڑ کر بابک کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ ان میں سے ایک یہ عصمہ ہے۔ تیری بہن عصمہ، افسوس کہ تیرا بھائی عرفان بابک کی سختیوں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیارا ہوا۔ مجھے افشین نے جب یہ بتایا کہ عصمہ نامی ایک لڑکی اپنے ورثا میں تمہارا نام لیتی ہے تو میں اسے لینے پہنچ گیا، اور جب عصمہ نے اپنا تعارف کرایا تو میں خدا کی قدرت کا دل سے قائل ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے، عجیب واقعہ ہے!!"

سفیان گنگ ہو کر رہ گیا۔ دل زور زور سے دھڑک کر رکنے لگا، اور کھلی ہوئی آنکھیں گویا اپنی بصارت کھو بیٹھیں۔

نانا جواد عصمہ کے پاس دوسرے کمرے میں چلے گئے

حمدونہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سفیان کی پشت پر کھڑی ہو گئی۔ شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی: "میں بے قصور ہوں، بالکل بے قصور، میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عصمہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تم میرے ہو اور میرے ہی ساتھ رہ سکتے ہو!"

سفیان نے پلٹ کر اشکبار آنکھوں سے حمدونہ کی طرف دیکھا اور بھرائی آواز میں کہا: "اب کیا ہو گا حمدونہ؟"

حمدونہ نے جواب دیا: "جو کچھ ہو چکا ہے، اسے بھول جاؤ اور مجھے لے کر بذ واپس چلو، ہم وہیں رہ سکتے ہیں، اور کہیں نہیں۔"

سفیان نے حمدونہ کے مشورے پر عمل کیا اور کسی نہ کسی طرح بذ کی قلعہ داری کا فرمان حاصل کر لیا۔

نانا جواد جب تک زندہ رہے یہی کوشش کرتے رہے کہ سفیان بذ سے واپس آ جائے لیکن وہ بغداد واپس نہیں گیا۔ شوخ و طرار حمدونہ نے سفیان کا دل قابو میں لے لیا لیکن اسے جب بھی عصمہ کا خیال آتا تو اس کا دل یہ حقیقت ماننے پر تیار نہ ہوتا کہ عصمہ اسکی حقیقی بہن ہے، وہ سوچتا کہ اگر عصمہ اس کی واقعی حقیقی بہن ہے تو پھر اس کے دل میں کبھی کبھی اس کی یاد کے ساتھ ایک چبھن سی کیوں ہوتی ہے؟ ہوک سی کیوں اٹھتی ہے؟ رہ رہ کر اس کا دل کیوں بھر آتا ہے؟ لیکن یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا وہ زندگی بھر تشفی آمیز جواب نہ پا سکا۔

اندر کا آدمی

ایک آدمی میں دوسرا آدمی بھی موجود تھا اور یہ دوسرا آدمی اس کے اندر یوں چھپا بیٹھا رہا کہ اسے ذہین اور عقلمند امیر کے قیاس اور گمان بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ انتہا کا سچا تھا مگر اس کے اندر کا آدمی تشدد کا دیوتا۔ ایک ایسی داستان جو ہمیشہ یاد اور یادگار رہے گی۔

دریائے بھیما اور کرشنا کے دوآبے میں سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر
یر علائی کا قصر میلوں دور سے دکھائی دیتا تھا، بیجاپور کا یہ حصہ جہاں یہ قصر کھڑا تھا،
یم مندروں اور عمارتوں سے گھرا ہوا تھا۔ علائی امیران سندھ سے تعلق رکھتا تھا، بیجاپور
یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ اس نے یہیں مستقلاً اقامت اختیار کرلی اور زرِ کثیر صرف
کے اپنے لئے سنگ سماق سے یہ محل تعمیر کرایا، اس کے گرداگرد مضبوط پتھروں کی دیواریں
ی کردی گئیں، اس سنگین چہار دیواری کے اندر دور تک کنارے کنارے خدمت گاروں اور
ہیوں کے لئے رہائش گاہیں اور بیرکیں بنی ہوئی تھیں، درمیان میں سبزہ اور پھولدار درختوں
تختہ تھا، اس حد سے گزر کر ایک پھاٹک کی راہ سے آپ اس حصے میں داخل ہوں گے، جہاں
یر علائی کے عزیز و اقارب رہتے تھے، پھر ایک مسجد ملے گی، مسجد سے ملحق سنگ مرمر سے زیادہ
م و نازک اور سفید پتھر کا وہ قصر ہے جس میں امیر علائی رہتا تھا۔

امیر کی طبیعت میں تلوّن اور بے قراری بہت زیادہ تھی، احساس برتری مرض کی حد تک
خل تھا۔ اس کے لئے یہ مشہور تھا کہ وہ اپنی تلون مزاجی اور بے چین طبیعت کی وجہ سے کسی
ی عورت سے پائیدار محبت نہیں کرسکتا۔ حسین سے حسین عورت آتی اور کچھ ہی دنوں بعد طبیعت
ے اتر کر یا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہو جاتی یا پھر کسی خدمت گار اور مقرب بارگاہ کو
ش دی جاتی۔ حسین عورتوں کی سواریاں جب قصر میں داخل ہوتیں تو خدمت گاروں اور سپاہیوں
، ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی، جو ذرا متقی ہوتے دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ درندہ ان
یاریوں کے دامن عصمت کو بھی چاک کر دے گا، جوان تماشوں کو دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے
ر خود بھی حسین عورتوں کے لئے ہوا و ہوس رکھتے تھے دعائیں مانگ مانگ کر دن گزارتے کہ
دا کرے ان میں سے ایک آدھ انہیں بھی انعام میں عطا ہو جائے۔

امیر علائی کے تلوّن کی طرح اس کی سفاکی اور بربریت بھی مشہور تھی، خفگی اور

ناراضی کا اظہار عموماً قتل کی صورت میں ہوتا تھا اس کی سپاہ، خدمت گار اور مقربین بارگاہ نہایت ہوشیاری، چالاکی، اعلیٰ درجے کی چاپلوسی میں شب و روز گزارتے تھے۔ ممکن تھا اس کی سفاکی اور بربریت کا خوف لوگوں کو اس سے دور کر دیتا لیکن امیر علائی میں کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو کشش رکھتی تھیں، جس پر مہربان ہوتا توقع سے زیادہ نواز دیتا، اس نوازش میں مال دولت اور زر و جواہر ہی کی قید نہ تھی بلکہ حسین عورتیں تک تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

دشوار گزار پہاڑیوں میں گھرا ہوا قصر علائی بظاہر تغلق حکومت کا باجگزار تھا لیکن اپنے جملہ معاملات میں آزاد اور خود مختار تھا، امیر علائی کی سواری اس تزک و احتشام سے گزرتی جس طرح شاہوں کی سواریاں گزرا کرتی ہیں اس کی رعایا گزرگاہ کے آس پاس اس کی ایک نظر دیکھنے کے لئے گھنٹوں کھڑی رہتی اس میں ان کی خوشیوں کی جگہ جبر اور خوف کا زیادہ دخل حاصل ہوتا۔

حرم سرا کے گرد بنی ہوئی غلام گردشوں میں مسلح خواتین گشت لگاتی رہتیں۔

بڑے بڑے تناور اور گھنیرے درختوں کے درمیان سے علائی کی شاہانہ سواری گزر رہی تھی۔ جلو میں خوفناک نیزہ بردار اور بھیانک تلوار باز، عریاں شمشیریں لہراتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ امیر علائی کی نظریں سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تماشائیوں پر پڑ رہی تھیں ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، یکایک امیر علائی کا داہنا ہاتھ اٹھا اور درشت کرخت چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، وحشت ناک چہروں والے خدام ایک دم مستعد ہو گئے اور ان کی نظریں امیر علائی کے اٹھے ہوئے ہاتھ پر اٹک گئیں۔ ہاتھ کو حرکت ہوئی اور گلاب کا ایک پھول ہوا میں اڑتا ہوا ایک دوشیزہ کے سر پر جا گرا۔ خدام دوڑے اور اس دوشیزہ کو زبردستی مجمع سے کھینچ کر امیر علائی کے رتھ تک لئے چلے۔ سہمی ہوئی خوفزدہ اور آہ و بکا کرتی ہوئی دوشیزہ کو زبردستی امیر علائی کے آغوش میں ڈال دیا گیا۔ مجمع میں معمولی سی، خوفزدہ اور سہمی سہمی سی ہلچل مچی اور پھر ایک لاٹھی دیوانہ وار امیر کے رتھ کی طرف بڑھا اور گلا پھاڑ کر چلایا "ظالم امیر! میری بیٹی چھوڑ دے، یہ پاپ ہے!"

یہ کہتے کہتے وہ رتھ کے سامنے آ گیا۔ رتھ بان کو کچھ تامل ہوا لیکن امیر علائی نے آنکھ کے اشارے سے حکم دیا "رفتار جاری رہے!"

گھوڑے کے سُم اور رتھ کے پہیئے بوڑھے کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتے اور پیٹ کو زمین میں ڈبوتے ہوئے آگے بڑھ گئے ایک کربناک طویل چیخ گھٹتی ہوئی دور تک چلی گئی

اسے زبردستی لے گئے اور بابک کے محل میں پہنچا دیا۔ عصمہ زاروقطار روتی رہی، سفیان بے بسی سے رُخصتی کا منظر دیکھتا رہا۔ اور حمدونہ اطمینان اور سکون سے دونوں کی نفسی کیفیات کا اندازہ لگاتی رہی۔

سفیان نے روانگی سے پہلے ایک جامع منصوبہ بنایا۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے بغداد جائے گا، اور نانا جواد سے ملے گا، اور انہیں بابک خرمی کی قید و بند کی ایک دلچسپ لیکن دکھ بھری داستان سنائے گا اور حمدونہ کو پیش کرکے یہ بتائے گا کہ اگر اس لڑکی کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو وہ بابک کی قید سے کبھی بھی نجات حاصل نہ کرسکتا۔ پھر وہ نانا جواد کے ساتھ خلیفہ سے ملنے جائے گا اور حمدونہ کو خلیفہ کی خدمت میں پیش کردے گا۔ معتصم باللہ اس حسین اور گداز جسم والی حسینہ پر مرمٹے گا۔ اور جب وہ اس کے ساتھ رنگ رلیوں اور عیش و عشرت میں مشغول ہوگا تو حمدونہ خلیفہ کے کسی مشروب یا کھانے میں زہر ملا کے اس کا کام تمام کردے گی اور نہایت ہوشیاری سے بھاگ کر سفیان سے آن ملے گی، پھر یہ دونوں فرار ہوکر بذ میں بابک خرمی سے آن ملیں گے اور عصمہ کو واپس لے لیں گے۔

لیکن ابھی یہ دونوں وہاں سے نکلے بھی نہ تھے کہ خلافت کے افشین حیدر نامی جنرل نے اپنی بہت بڑی سپاہ کے ساتھ بذ کے قریب کی پہاڑیوں پر پڑاؤ کیا اور وہ محاصرے کا انتظام کرنے لگا۔ افشین سے پچھلے سال بھی بابک کا معرکہ ہوچکا تھا لیکن یہ معرکہ زیادہ خطرناک نظر آتا تھا۔ بابک نے بذ سے نکل کر نہایت ہوشیاری سے افشین کی کارکردگی اور منصوبوں کا جائزہ لینا چاہا۔ لیکن افشین کا انتظام اتنا سخت تھا کہ بابک کے لئے اس کی باریکیاں سمجھنا بہت دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا۔ بذ کے اس پاس خندقیں کھودی جارہی تھیں اور پتھروں کے ڈھیر لگا لگا کے حفاظت کی خاطر فصیلیں کھڑی کی جارہی تھیں۔

چالاک بابک کے فرشتے سفیان کے پاس یہ پیغام لے کر پہنچے کہ وہ فوراً ان کے آقا سے ملاقات کرے۔ سفیان اسی وقت بابک کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بابک اپنے ماموں اور مشیروں کے درمیان گھرا بیٹھا تھا، اور گرما گرم بحثیں جاری تھیں، فرشتگان دب سے ایستادہ تھے۔ سفیان کے پہنچتے ہی خاموشی طاری ہوگئی۔

بابک نے کسی تمہید کے بغیر سفیان کو مخاطب کیا۔ "اب تم بغداد یا سامرا نہیں جاؤ گے بلکہ تم ہمارے وفد کے ساتھ خلافت کے جنرل افشین حیدر سے ملنے جاؤ گے۔ یہ غریب فوج ہماری جمعیت کے ساتھ یہاں آگیا ہے اور بہت خوفزدہ ہے، مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس کی سپاہ ایک عرصے سے ستو وغیرہ پر گذر کررہی ہے اور اچھی غذا کو ترس گئی ہے، میں مہمان

نوازی کے پیش نظر اسے پھلوں کے تحائف بھیجنا چاہتا ہوں، وہ ہم سے لڑنے آیا ہے اور ہم اسے کھانے پینے کا سامان بھیجیں گے کیونکہ ہم دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری پر مجبور ہیں!
بابک کا ایک مشیر کھڑا ہوا اور عرض کیا " افشین حیدر اور خلافتی افواج ایک لمبا سفر طے کر کے ان دشوار گزار کوہستانی سلسلوں تک پہنچی ہیں ہم اگر چاہیں تو ان کی رسد کی راہیں روک کر انہیں تباہ کر سکتے ہیں، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کھانے پینے کی اشیاء کی ناکہ بندی کر کے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کریں؟"
" نہیں!" بابک کی آواز گونجی " ہم اپنے دشمنوں کا اخلاقی حربوں سے بھی مقابلہ کریں گے!"
سفیان نے دریافت کیا " یہ وفد کب جائے گا؟"
بابک نے جواب دیا " دو دن بعد، تمہیں اس بات کا اختیار ہوگا کہ تم وفد کے ساتھ واپس آؤ یا وہیں رہ جاؤ!"
سفیان نے پریشانی سے سوال کیا " میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا! عصمہ کا کیا ہوگا؟"
" جب تک تم واپس نہ آؤ گے عصمہ تمہاری امانت کے بطور میرے محل میں رہے گی!"
" لیکن تم تو مجھے یہ اختیار دے رہے ہو کہ اگر چاہوں تو وہیں رہ سکتا ہوں!"
" ہاں!" بابک نے کہا " تم خلافت کی فوج میں رک کر میری ایک عظیم خدمت انجام دے سکتے ہو، تم نہایت ہوشیاری اور دانائی سے فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو یہ بتاؤ گے کہ خرمیہ دین میں مساوات ہے، یہاں پابندیاں نہیں، دین خرمیہ میں آزادیاں ہیں، عورت کی آزادی، شراب کی آزادی اور ہر اس شئے کی آزادی جس پر انسان کا دل راغب ہو، اگر تم نے اس منصوبے کو بخیر و خوبی انجام دے دیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک عصمہ کیا بہت ساری حسین و جمیل لڑکیاں تمہاری خدمت میں حاضر کر دی جائیں گی، اور تمہیں دین خرمیہ میں داخلے پر بھی مجبور نہ کیا جائے گا تمہیں تمہارے باپ کے قلعے کا محافظ بنا دیا جائے گا، اور ایسی ایسی عنایات اور مہربانیاں کی جائیں گی کہ تم ان کا وقت سے پہلے تصور تک نہ کر سکو گے!"
سفیان پس و پیش میں پڑ گیا۔ کبھی دل یہ کہتا کہ بابک کی تجویز مان لی جائے اور اس کے لئے یہ کام کیا جائے۔ کبھی دل یہ کہتا کہ وہ مسلمان ہے اور ایسا کرنا اسلام کے خلاف غداری ہے، بہر حال وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔
سینکڑوں جانور، خربوزے، کھیرے اور ککڑیوں سے لدے ہوئے تیار کھڑے تھے، یہ بابک کا افشین حیدر کی خدمت میں ایک تحفہ تھا۔ وفد تیار کھڑا تھا۔

ابک کے فرشتگان کی جمعیت ثمر بردار جانوروں کے ساتھ تھی، عورتوں اور مردوں
، ایک بڑی تعداد نے وفد کو رخصت کیا۔ بابک کے امام وفد کے ارکان کو کچھ ہدایات
ے رہے تھے، حمدونہ سفیان کو الگ لے گئی اور سوگواری سے سوال کیا "سفیان! تم وفد کے
ساتھ تنہا جا رہے ہو، سنا ہے آقا نے تمہیں یہ اختیار دیا ہے کہ اگر تم وہیں رکنا چاہو تو رک
سکتے ہو، کیا تم واقعی اب واپس نہیں آؤ گے؟"

سفیان نے جواب دیا "تمہارے آقا کی خواہش اور ہدایات پر وہیں رک جانا
پڑے گا اور میں خود نہیں جانتا کہ میں واپس آ بھی سکوں گا یا نہیں!"

حمدونہ نے حسرت سے پوچھا "اور عصمہ کا کیا بنے گا؟"

"پتہ نہیں!" سفیان نے کہا "اگر کامیاب اور کامران واپس آیا تو عصمہ کی واپسی
ا مطالبہ کروں گا، ورنہ تقدیر کا فیصلہ کوئی نہیں جانتا!"

"اور میرے لئے کیا فیصلہ ہے؟"

سفیان نے جواب دیا "میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن ان حالات میں، میں
ئی وعدہ کس طرح کر سکتا ہوں!"

حمدونہ نے پوچھا "کیا میں تمہارے ساتھ چلوں اور خلافتی افواج میں تمہارے
ئے کوئی خدمت انجام دوں؟"

"نہیں!" سفیان نے کہا "تم میرا یہیں انتظار کرو!"

حمدونہ نے افسردگی سے کہا "تم یہ سوچتے ہو گے کہ خرمیہ دین میں مجھے آزادی
حاصل ہے اور میں تمہاری عدم موجودگی میں دوسرے پسندیدہ نوجوانوں سے دل
بہلا سکتی ہوں، لیکن یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے لیکن معاملات قلب
سمجھ میں نہیں آتے، دل کی خوشی اور لذتِ نفس ہر مرد سے یکساں نہیں حاصل ہوتی،
مجھے تم پسند ہو، میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا نوجوان مشکل اور
تفاق ہی سے لے سکتا ہے!"

سفیان نے حمدونہ کو آغوش میں لے لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے
رکھا۔ آہستہ آہستہ پشت پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ بولا "حمدونہ! ایک ہی بات بار بار دہرانا
ایسا ہے، جیسے چبائے ہوئے نوالوں کا بار بار چبانا، میں آخری بار تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ
ے عصمہ کے ساتھ ہی تم سے بھی بیحد محبت ہے، اگر کسی وقت مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا
ائے کہ عصمہ اور تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لوں تو میں پریشان ہو سکتا ہوں!"

حمدونہ نے مایوسی اور رقت سے سفیان کو رخصت کر دیا۔

بابکی وفد افشین کی حدود میں داخل ہوا اور اس کے آدمیوں نے انہیں ا
سپہ سالار کی خدمت میں پیش کر دیا۔

افشین نے سینکڑوں ثمر بردار جانوروں کا نظری جائزہ لیتے ہوئے سوال ک
"میرے دوست بابک نے مجھے یہ کیا بھیجا ہے؟"

وفد کے سربراہ نے کہا "ہمارے آقا کو آپ کی تکلیفوں کا احساس ہوا کہ آپ لوگ ا
لمبی اور دشوار گزار مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور کھانے پینے کی اشیاء کو ترس
رہے ہیں، ہمارے آقا نے ازراہِ مہمان نوازی یہ سامان آپ کے لئے روانہ کیا ہے، او
درخواست کی ہے کہ آپ اسے قبول فرمالیں۔"

ترک سپہ سالار افشین حیدر طنزیہ ہنسی ہنستا ہوا بولا "میں نے اپنے دوست
بابک کا اصل پیغام وصول کر لیا ہے۔" پھر اپنے سرداروں سے کہا "ساتھیو! جانتے ہو
سفارت کا اصل مقصد کیا ہے؟ دراصل میرا دوست بابک غیر معمولی ذہین انسان ہے
حقیقتاً اس طرح وہ ہماری چھاؤنی کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ میں بابک کے تحائف بخوشی
قبول کرتا ہوں اور اس کی مہمان نوازی کا جواب مہمان نوازی سے دینا چاہتا ہوں۔" پھ
اس نے اپنے چند سرداروں کو اشارے سے قریب بلا کر حکم دیا "یہ لوگ جو بظاہر
وفد کے ارکان ہیں بابک کی فوج کے جنگی ماہرین ہیں انہیں ہمارے تمام مورچے دکھا دو

افشین کے سرداروں نے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور وفد کے جملہ ارکان
میلوں میں پھیلے ہوئے جنگی استحکامات اور مورچے دکھاتے رہے۔ پہاڑیوں کے اند
کے مورچے، چوٹیوں کے استحکامات غرضیکہ ایک ایک جگہ انہیں دکھا دی گئی جب

یہ لوگ افشین کی خدمت میں واپس آئے تو اس نے بابک کو پیغام دیا "میرے دوست
بابک سے کہہ دینا کہ یہ اس کی زندگی کی آخری مہم ہے اگر وہ درخواست کرے تو امیر المومن
سے اسے امان نامہ دلوایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بذ کے دروا
ہماری سپاہ کے لئے کھول دے، اگر نہیں تو پھر اپنی تقدیر کے نوشتے کا انتظار کرے!

بابکی ارکان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ثمر بردار جانوروں کا ریوڑ خالی کھڑا
اور ان پر متعین بابکی فرشتگان وفد کے ارکان کی واپسی کے منتظر تھے، اسی وقت خیمے
کے اندر سے ایک بوڑھا نمودار ہوا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وفد کے قریب آیا، ا
نے ان کا سرسری جائزہ لیا اور سفیان پر نظر پڑتے ہی ایک لمحے کے لئے جھجکا، اس کے
بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا اور بے ساختہ کہا "سفیان! میرے بیٹے!"

سفیان بھی بے اختیار چمٹ گیا "نانا، میرے شفیق نانا، آپ یہاں کہاں؟"

افشین اس منظر کو غور اور تعجب سے دیکھتا رہا۔ سفیان نے بابکی وفد کو طلع کیا "تم لوگ واپس جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا!"

وفد واپس گیا اور سفیان اپنے نانا کے پاس، افشین کی سپاہ میں رک گیا۔

سفیان کے نانا جواد نے اسے بتایا کہ وہ ایک مدت سے اس کی جستجو میں لگا ہوا تھا سفیان نے اسے اپنی داستان سنائی اور بابک سے متعلق قابل ذکر تفصیلات نانا کے گوش زار دیں لیکن عصمہ، حمدونہ اور ان ہدایات اور عہد کا ذکر نہیں کیا جو وہ بابک سے کر کے آیا تھا۔

پہلے تو بابک کے دستوں سے معمولی معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن افشین نے غیر معمولی ذہانت اور چالاکی کا ثبوت دیا اور نہایت احتیاط سے رک رک کر بذ کے قلعے کی طرف بڑھتا رہا۔ اس پیشقدمی کے دوران افشین کے کئی سوار گھوڑوں سمیت زمین کے اندر غائب ہو گئے۔ افشین نے پیشقدمی روک دی۔ اور تحقیقات سے اس بات کا پتہ چلا لیا کہ بابک نے راہ میں بہت سارے کنویں کھدوا رکھے ہیں اور ان پر گھاس پھوس اور پتے وغیرہ ڈال کر چھپا دیا ہے۔ افشین نے فوج کے ایک دستے کو کنوؤں کی تلاش اور پٹائی کے کام پر متعین کر دیا۔ پہاڑی پتھروں اور بابکی بیروؤں کے مکانوں کے ملبوں سے کنوؤں کو پاٹ دیا گیا اور افشین فوج کے ساتھ دوبارہ آگے بڑھا، وہ بذ کے قلعے میں داخلے کے لئے پہاڑی پر چڑھنے لگے، بابک نے اوپر ایک چرخ نصب کر رکھا تھا۔ اور اس چرخ پر ایک بہت بڑا پتھر بار کر رکھا تھا، افشین کی سپاہ کو اوپر چڑھتے دیکھ کر بابک کے حکم پر چرخی سے پتھر کو لڑھکا دیا گیا۔ چٹان جیسا پتھر ایک شور کے ساتھ لڑھکتا ہوا افشین کی سپاہ کی طرف بڑھا۔ پتھر کے آنے کا رخ دیکھ کر خلافتی فوج ادھر ادھر ہو گئی۔ اور یہ پتھر ایک کھڈ میں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد افشین کے حکم پر مسلمان تیزی سے اوپر چڑھنے لگے۔ اور بہت جلد بذ کے دروازے پر پہنچ گئے، افشین کے مختلف سردار مختلف سمتوں سے اوپر چڑھ رہے تھے اور بابکی سپاہ قدم قدم پر انکی مزاحمت کر رہی تھی، لمبی مسافت کی تکلیفیں جھیلے ہوئے مسلمان خونخوار درندوں کی طرح اپنے دشمن پر جھپٹ رہے تھے۔

افشین بذ سے تقریباً ایک میل دور ایک ٹیلے سے جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا اور فوج کے نام احکام جاری کر رہا تھا ٹیلے پر ایک پوستین بچھی تھی، اور اس پوستین پر افشین کی کرسی رکھی تھی جس پر وہ بیٹھا ہوا بذ کے قلعے کا دروازہ دیکھ رہا تھا۔ اس دروازے پر اس کی سپاہ اور بابکی سپاہیوں میں سخت جنگ ہو رہی تھی افشین کے قریب اس کی کرسی کے داہنی طرف سفیان کا نانا جواد بھی بیٹھا ہوا تھا اور نانا کے روبرو سفیان کھڑا تھا اور جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا بظاہر تو یہی نظر آ رہا تھا کہ بذ پر مسلمان قابض ہو جائیں گے۔ لیکن سفیان بابک کی ذہانت کا بھی بہت قائل تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی کوئی ایسی تدبیر کر سکتا ہے جو جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹ

دے، اس محاربے میں' اسے عصمہ یاد آ رہی تھی' حمدونہ کی یاد ستا رہی تھی' اس نے بابک کے لئے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اگر جنگ کا فیصلہ بابک کے حق میں ہوا تو عصمہ اور حمدونہ کو وہ کس طرح حاصل کرے گا؟ اور اگر وہ شکست کھا گیا تو ان دونوں کا حشر کیا ہو گا؟ بہرحال وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

افشین نے سفیان کو قریب بلا کر دریافت کیا "تمہارا کیا خیال ہے بابکی افواج کو مکمل شکست دینے میں کتنا وقت اور لگے گا؟"

سفیان نے جواب دیا "کیا آپ کو اپنی فتح پر پورا یقین ہے؟"

افشین نے غصے میں کہا "او بزدل نوجوان! کیا بکتا ہے کیا اب بھی ہماری فتح مندی پر شبہ کیا جا سکتا ہے؟"

سفیان نے کہا "میں ان سے واقف ہوں یہ بہت خطرناک لوگ ہیں' ان کا بچہ بچہ روحِ جاویداں پر کٹ مرے گا۔ اگر کسی طرح آپ لوگ قلعے میں داخل ہو گئے تو اندر بڑی خوفناک جنگ ہو گی۔"

"بابک سے یہ ہماری آخری جنگ ہے" افشین نے تقریباً چیخ کر کہا "اس کے بعد کوئی اور جنگ کبھی بھی نہ ہو گی۔ ہم بابک کو زندہ یا مردہ یہاں سے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیں گے!"

"شاید!" سفیان نے آہستہ سے کہا۔

اسی وقت ایک طرف سے چند مقامی لوگ افشین کو پوچھتے ہوئے اس کے قریب آئے لیکن فاصلہ اتنا قریب نہ تھا۔ یہ چند آدمیوں کا ایک دستہ تھا اور یہ سب نہتے تھے اس دستے کا ہر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ ان میں سے ایک گھڑ سوار دستے سے جدا ہو کر گھوڑا دوڑاتا ہوا افشین کے قریب آیا اور پکار کر پوچھا "افشین کہاں ہے؟"

افشین نے اپنے ایک سوار کو حکم دیا "اس کے قریب جا کر معلوم کرو، یہ ہمیں کیوں پوچھ رہا ہے؟"

تھوڑی دیر بعد جواب آ گیا "یہ بابک کا آدمی ہے' بابک اپنے فرشتگان کے ساتھ سامنے کھڑا ہے اور جناب والا سے بات کرنا چاہتا ہے!"

افشین نے سفیان سے پوچھا "کیا تم بابک کو پہچان لو گے؟"

"خوب اچھی طرح!"

افشین اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک گھوڑے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"سفیان!" ایک دوسرے گھوڑے پر تم سوار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو تم بابک کو

شناخت کر سکو گے!"

سفیان ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ افشین کا محافظ دستہ پہلے ہی اس کے آس پاس گھوڑوں پر سوار آ کھڑا ہوا تھا۔ افشین نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے محافظ دستے کو حکم دیا "آؤ میرے ساتھ آگے بڑھو!"

ایک ساتھ لگامیں ڈھیل دے کر چھوڑ دی گئیں اور افشین مردانہ وار بابکی دستے کی طرف بڑھا۔ جب یہ لوگ بابک سے اتنے قریب پہنچ گئے کہ بابکی فرشتگان کی باتیں سنائی دینے لگیں تو افشین نے لگام کھینچ کر گھوڑا روک لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے محافظ بھی رک گئے۔ افشین نے پیچھے پلٹ کر سفیان کو حکم دیا "پہچانو، ان میں بابک موجود ہے یا نہیں!"

سفیان نے بابک کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ اسکی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"سردار! میں بابک کو پہچانتا ہوں، وہ سفید اور کالے رنگ کا گھڑ سوار بابک ہے!"

افشین گھوڑا دوڑا کے بابک کے سامنے لے گیا اور چیخ کر کہا "بابک! اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھو، میں افشین حیدر تم سے باتیں کرنے آیا ہوں!"

بابک بھی اپنا گھوڑا بھگا کر افشین کے قریب لے آیا، اب دونوں سردار ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

افشین نے مچلتے اور اپنے پیروں کو بار بار ٹپکتے ہوئے گھوڑے کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے بابک سے سوال کیا۔

"میرے دوست! تمہیں خدا صحیح راہ دکھائے، تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

بابک کا گھوڑا بھی اڑ رہا تھا، اور زمین پر بار بار پیر ٹپک رہا تھا۔ بابک نے جواب دیا

"میں خون خرابے سے نفرت کرتا ہوں، تم نے وفد کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں امان نامہ حاصل کر لوں، آج میں اسی لئے تم سے ملنے آیا ہوں کہ مجھے امان دے دی جائے!"

افشین کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ بولا "میں تو بار بار یہی چاہا کہ تم خلافت سے امان نامہ طلب کر کے پرسکون زندگی گزارو لیکن تم اس پر تیار نہ ہوئے!"

"میں جنگ بندی کا حکم دے دوں گا اور اسی وقت امان کا مطالبہ کرتا ہوں!"

"میں تمہیں امان دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم ہمیں بذ میں داخل ہو جانے دو اور یرغمال کے طور پر اپنی جان سے زیادہ قیمتی چیزیں میرے حوالے کر دو!"

سفیان نے سوچا افشین کو منع کر دے کہ اس سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، بابک کی نظریں سفیان پر بھی پڑ گئیں، اس نے ہاتھ کے اشارے سے سفیان کو اپنے قریب بلایا، اور افشین سے کہا "ہم عہد کے پکے لوگ ہیں اور میری اس بات کی سچی گواہی یہ نوجوان دے گا

جو کچھ عرصہ ہماری قید میں بھی رہ چکا ہے!"

سفیان بابک کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو عصمہ اور حمدونہ بابک ہی کے پاس ہیں اور وہ سفیان کو کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے سفیان نے کہا، "ہاں یہ گواہی میں بھی دے سکتا ہوں کہ بابک عہد کا پکا ہے!"

افشین نے بابک سے کہا "جاؤ اپنے محل واپس جاؤ اور جنگ بندی کا اعلان کر کے قلعے کے دروازے کھول دو، میں اپنی طرف سے تمہیں امان دیتا ہوں!"

بابک نے کہا "میں ابھی اسی وقت خاندان کے قریبی اور خونی رشتے داروں کو لے کر حاضر ہو جاتا ہوں، لیکن یہ یاد رہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے!"

بابک نے جاتے جاتے سفیان سے کہا "تمہاری امانت محفوظ ہے جب چاہنا مجھ سے لے لینا۔ اچھا پھر ملاقات ہو گی!"

بابک کے جاتے ہی افشین نے بذ کے دروازے کی طرف دیکھا جس میں مسلمان داخل ہو رہے تھے، پھر ایک غلغلہ بلند ہوا "بذ فتح ہو گیا۔ بابکی محلوں پر خلافت کا پرچم لہرا دیا گیا!"

افشین اپنا دستہ لے کر تیزی سے بذ کی طرف بڑھا اور قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ سفیان بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی ان کی نظریں ان سیاہ پرچموں پر پڑ گئیں۔ جو خلافت عباسیہ کی طرف سے بابکی محلات اور مکانات پر لہرا دیئے گئے تھے۔ افشین کا خیال تھا کہ بابک اپنے آدمیوں کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دے دے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بذ کے اندر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ایک دروازے پر مسلمانوں کو روکا گیا۔ افشین نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بابکیوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عمارتیں اور مکانات بھی گراتے چلیں، افشین کی طرف سے بابکیوں پر آتشبازی شروع کر دی گئی، اور پوری آبادی کو آگ کی لپیٹ میں دے دیا اسی عالم میں افشین بابک کے محل تک پہنچ گیا، اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر قصر کے مکینوں کو حکم دیا "سب نہتے نکل کر خود کو ہمارے حوالے کر دیں، ورنہ محل کو آگ لگا دی جائے گی!"

بابک کے رشتے داروں نے محل سے خالی ہاتھ نکل کر خود کو افشین کے حوالے کر دیا لیکن ان میں بابک موجود نہ تھا وہ فرار ہو چکا تھا۔

بذ کے قلعے کی عمارتیں ڈھا دی گئیں، وہاں کے مختلف محلات اور قید خانوں سے سات ہزار چھ سو مرد اور عورتیں افشین نے برآمد کیں جو مسلمان تھیں اور بابک نے انہیں قید کر رکھا تھا۔ پورا قافلہ فوج کے ایک دستے کے ہمراہ سامرا روانہ کر دیا گیا اور افشین نے حکم دیا کہ جب تک وہ خود سامرا نہ پہنچ جائے ان لوگوں کو فوج کی نگرانی ہی میں رکھا جائے وہ خود اپنی نگرانی میں ان لوگوں کو ان کے اصل وارثوں اور متعلقین کے حوالے کرنا چاہتا

ما۔ سفیان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ افشین سے عصمہ کا ذکر کر کے حصولیابی کی کوشش کرتا۔
بک کے جن عقید تمندوں اور پرستاروں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی ان کی تعداد تین ہزار
ن سو نو تھی یہ واقعات ۲۲۲ھ میں پیش آئے۔

سفیان اپنے نانا جواد کے ساتھ شکستہ وافسردہ بغداد واپس آ گیا۔ اور اپنی افسردگی
ا راز کسی کو بھی نہ بتایا۔ اب وہ افشین کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ افشین
ابک کا پیچھا کرتا ہوا آرمینیہ پہنچ گیا۔ بابک وہاں کے حاکم سہل ابن ساباط کا مہمان بنا ہوا
ھا اور ابن ساباط نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے روم پہنچا دے گا لیکن اس نے بابک
ی موجودگی سے خفیہ طور پر افشین کو مطلع کر دیا منصوبے کے مطابق ایک دن جب ابن ساباط
ور بابک شکار کھیلنے میں مصروف تھے' افشین کے آدمیوں نے انہیں چاروں طرف سے
یر لیا۔ اس وقت بابک سفید کرتے' سفید عمامے میں ملبوس تھا' اور پیروں میں چھوٹا سا
وزہ پہنے ہوئے تھا۔ شکاری باز بابک کے ہاتھ پر بیٹھا تھا، اس نے خود کو فوجیوں میں گھرا
یکھ کر سوال کیا "تم کون ہو؟"

ایک نے کرخت لہجے میں جواب دیا "ابوسعید' افشین کی فوج کا ایک سردار!
م گھوڑے سے نیچے آ جاؤ اور خود کو گرفتار سمجھو!"

بابک گھوڑے سے اتر پڑا اور ابن ساباط پر نظر ڈالی ابن ساباط بھی اسی کی
ف دیکھ رہا تھا۔ بابک نے اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا "او ذلیل انسان' لونڈی کے
ے! تو نے مجھے معمولی مال کے عوض ان یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے' تجھ سے خدا سمجھے
گر تو مجھ سے یہ رقم طلب کرتا تو میں تجھے اس سے کہیں زیادہ دے دیتا!"

ابن ساباط خاموش کھڑا رہا۔ جب افشین کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ
ھاگا ہوا وہیں پہنچ گیا اور بابک پر لعن طعن کرتا ہوا بولا "او بدعہد! کیا تو نے مجھ سے
مان نہیں طلب کی تھی' اور جب میں نے امان دے دی تو' تو مجھے دھوکا دے کر
رار ہو گیا!"

بابک نے نفرت سے جواب دیا' میں نے کوئی بدعہدی نہیں کی' جب تو نے مجھے
مان دینے کا وعدہ کیا تھا' اس وقت تیری مشتعل اور بپھری ہوئی فوج بذ میں
فاتحانہ داخل ہو چکی تھی' میں نے سوچا اس حالت میں تجھ سے امان کی خواہش کرنا
فضول سی بات ہے' یہی سوچ کر میں آرمینیہ چلا آیا۔ اور لونڈی کے جنے ابن ساباط نے
مجھے دھوکا دے کر تیرے حوالے کر دیا!"

افشین نے پوچھا "تیری کوئی خواہش؟"

اس نے جواب دیا "وہ سامرا بھیجنے سے پہلے مجھے ایک بار بذ میں گھوم پھر لینے دیا جائے" افشین اپنی افواج اور بابک کے ساتھ بذ واپس آیا، اور بابک کو ایک دستے کی نگرانی میں بذ کے گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا، چاندنی رات میں بابک اپنے محلات کے آس پاس پھرتا رہا۔ جن میں سے بیشتر جلا دیئے گئے تھے، یہیں اس نے اپنے پرستاروں کی لاشیں پڑی دیکھیں جو سڑ گل رہی تھیں۔ اور یہیں اس نے اپنے پیرؤوں کے مکانات دیکھے جو کھنڈرات میں بدل دیئے گئے تھے، بابک ایک آنسو بہائے بغیر یہ سارے مناظر دیکھتا رہا اور صبح ہوتے ہوتے افشین کے پاس پہنچ گیا۔ افشین اسے لے کر سامرا روانہ ہو گیا۔

بابک کو دیکھنے کے لئے پورا سامرا اور اس کے پاس پاس کی آبادیاں امنڈ آئیں، خود خلیفہ معتصم باللہ اسے دیکھنے لئے بے چین تھا۔ آخر بھیس بدل کر ایک عام آدمی کی طرح اسے دیکھنے پہنچ گیا۔ جب اسے ان لوگوں کے سامنے سے گزارا گیا جو اس کی قید سے رہا کرا کے لائے گئے تھے تو وہ بابک کو گرفتار دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے افشین نے انہیں ملامت کی، کہا "بدبختو! پہلے تو تم یہ کہتے تھے کہ بابک نے تمہیں تمہارے عزیزوں سے چھڑا دیا ہے اور اپنی قید میں رکھ چھوڑا ہے، لیکن اب اس کی گرفتاری پر آنسو بہا رہے ہو؟"

انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا "لیکن یہ ایک مہربان شخص تھا اور اس نے ہم پر احسانات بھی کئے ہیں!"

افشین نے ان پر لعنت بھیجی۔

سفیان اور رنانا جواد بھی سامرا پہنچ گئے اور بابک کو دیکھنے کے لئے قصر منظرہ میں داخل ہوئے کیونکہ خلیفہ کے حکم پر بابک کو یہیں رکھا گیا تھا۔ بابک نے سفیان کو دیکھا تو نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سفیان نے کہا "تو نے منہ ندامت سے پھیرا ہے، یا کسی اور سبب سے؟"

بابک نے جواب دیا "تو نے مجھ سے جو عہد کیا تھا، اسے پورا نہیں کیا، اب تو ہی بتا کہ ندامت اور شرمندگی سے منہ، مجھے پھیرنا چاہیئے یا مجھے۔ تو نے مجھ سے بدعہدی کی ہے"

سفیان نے اسے برا بھلا کہا، اور اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا "تجھے اپنے اس حشر پر افسوس کرنا چاہیئے، تو غلط راہ پر تھا۔ اس لئے خدا نے تجھے ذلیل کیا اور یہ برا دن دکھایا!"

"تو جھوٹا ہے!" بابک نے جواب دیا "میری گرفتاری اور قید و بند کا یہ مطلب

ہرگز نہیں کہ میں ہار گیا، سچ کی فتح کبھی کبھی ہوتی ہے، اور جھوٹ اکثر فاتح رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر نہ بھیجے جاتے!"

سفیان نے نانا سے نظریں بچا کے سوال کیا "عصمہ کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتہ؟" بابک نے جواب دیا "ان اسیروں میں وہ بھی شامل ہو گی جو افشین نے مجھ سے پہلے ہی سامرا روانہ کر دیئے تھے!"

سفیان اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ عصمہ کے ساتھ بد دیانتی تو نہیں ہوئی لیکن اس سوال کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے، بابک نے خود ہی کہا "تو نے مجھ سے بد عہدی کی، جس کا مجھے پہلے ہی علم تھا لیکن تو یہ نہ سمجھ کہ میں نے تجھے معاف کر دیا ہو گا میں نے تجھے ایک ایسی سزا دی ہے کہ جب تو اس سے واقف ہو جائے گا تو اپنا سر دیواروں سے ٹکراتا پھرے گا اور زندگی بھر خون کے آنسو روتا رہے گا!"

سفیان کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

دوسرے دن صبح، جمعرات کے روز بابک کو ہاتھی پر بٹھا کر لغرض تشہیر گھمایا پھرایا گیا، ہزاروں آدمی اسے دیکھنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ بابک کو دیبا کی قبا اور سمور کی گول ٹوپی پہنا کے پورے شہر میں گھمایا پھرایا گیا اس کے بعد بابک کو معتصم باللہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے اسے اپنے قریب تخت پر بٹھالیا اور اپنا تاج بابک کے سر پر رکھ دیا اور کہا "اسی خواہش نے تجھے اب تک سرگرداں رکھا تھا آج میں اسے پوری کئے دے رہا ہوں!"

بابک نے جواب دیا "نہیں، تاج و تخت کی خواہش بادشاہوں کو ہوا کرتی ہے اس کی مجھے کبھی بھی خواہش نہیں رہی۔ میں جو چاہتا تھا، وہ ہر انسان چاہتا ہے مساوات، آزادی، سچ کا بول بالا اور باطل کی موت!"

خلیفہ نے کہا "لیکن تو گمراہ تھا تو نے ایک عظیم فتنے کو جنم دیا!"

بابک نے بے باکی سے جواب دیا "سچ سب سے بڑا فتنہ ہے جو اپنے داعیان کو ہلاک کرا دیتا ہے!"

خلیفہ نے دربار میں موجود قصائی کو حکم دیا "اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں!"

قصائی نے بابک کو تخت سے کھینچ کر نیچے گرا دیا اور دو ضربوں سے اسکے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ بابک چیخ مار کر گر گیا۔ قصائی کی دوسری ضربات پیروں پر پڑیں اور دونوں پیر کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا "اب ذبح کر دیا جائے"

قصائی نے بابک کو اپنے گھٹنے میں داب کر حلق پر چھری پھیر دی، اور بعد میں پیٹ چاک کر کے آنتیں باہر نکال لیں۔

درباری امرا اور ناظرین اس دل دوز منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

خلیفہ نے کہا "فناقی النّار سقر!"

گرفتار عورتوں اور مردوں کو ان کے وارثوں اور ولیوں کے حوالے کیا جانے لگا سفیان ان میں عصمہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ جب تھک ہار کر مایوس اور ناکام نانا کے پاس واپس پہنچا تو وہ بہت خوش نظر آئے اور سفیان کو دوڑ کر گلے لگا لیا۔ بولے "تو کہاں تھا سفیان؟ خدا کتنا مسبب الاسباب اور بچھڑوں کو ملانے والا ہے، ایک ایسی بیٹی جس کی ملاقات کا میں دل میں خیال تک نہ لا سکتا اتفاق سے مل گئی ہے، بابک بہت ظالم انسان تھا، چل میرے ساتھ اندر چل دیکھ میں تجھے کس سے ملاتا ہوں، اس سے مل کر تیری روح خوش ہو جائے گی، پہلے میں یہ دیکھوں گا کہ تو اسے پہچانتا بھی ہے یا نہیں!"

نانا جواد کی باتیں اس کی سمجھ سے بالا تھیں، جب وہ اندر جانے لگا تو اسکی پہلی ملاقات حمدونہ سے ہو گئی، حمدونہ دروازے سے لگی اس کی آمد کی منتظر تھی، اس نے سفیان کو روک لیا اور کہا "سفیان! میں نے تمہارے نانا کی باتیں سن لی ہیں، اور میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں جو کچھ بھی ہوا وہ ہمارے آقا کی مرضی اور حکم پر ہوا تھا کیونکہ وہ یہی چاہتے تھے!"

سفیان کا دل دھڑک رہا تھا، اور یہ باتیں اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں!

نانا جواد نے پلٹ کر سفیان کو دیکھا اور کہنے لگے "ارے تم وہاں کہاں رک گئے ادھر آؤ میرے پاس، میں تمہیں عصمہ سے ملانا چاہتا ہوں، وہ عصمہ جسے تم پہچانتے تک نہیں!"

اس کے بعد نانا جواد نے اسے عصمہ کے روبرو لے جا کر کھڑا کر دیا۔ عصمہ نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اور گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔ سفیان بے تابانہ اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ لیکن عصمہ نے ہاتھ جھٹک دیا اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

نانا جواد یہ تماشا حیرت اور تجسس سے دیکھتے رہے، پھر سفیان سے پوچھا "کیا تم عصمہ کو پہچانتے ہو؟"

جب سفیان نے یوں ہی انکار میں گردن ہلا دی تو نانا جواد نے فرطِ جوش میں عصمہ کا تعارف کرایا۔

"سفیان! تیرا باپ حماد جن دو بچوں کو چھوڑ کر بابک کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ ان میں سے ایک یہ عصمہ ہے۔ تیری بہن عصمہ، افسوس کہ تیرا بھائی عرفان بابک کی سختیوں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیارا ہوا۔ مجھے افشین نے جب یہ بتایا کہ عصمہ نامی ایک لڑکی اپنے ورثا میں تمہارا نام لیتی ہے تو میں اسے لینے پہنچ گیا، اور جب عصمہ نے اپنا تعارف کرایا تو میں خدا کی قدرت کا دل سے قائل ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے، عجیب واقعہ ہے!!"

سفیان گنگ ہو کر رہ گیا۔ دل زور زور سے دھڑک کرنے لگا، اور کھلی ہوئی آنکھیں گویا اپنی بصارت کھو بیٹھیں۔

ناناجواد عصمہ کے پاس دوسرے کمرے میں چلے گئے

حمدونہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سفیان کی پشت پر کھڑی ہو گئی۔ شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی: "میں بے قصور ہوں، بالکل بے قصور، میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عصمہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ تم میرے ہو اور میرے ہی ساتھ رہ سکتے ہو!"

سفیان نے پلٹ کر اشکبار آنکھوں سے حمدونہ کی طرف دیکھا اور بھرائی آواز میں کہا: "اب کیا ہو گا حمدونہ؟"

حمدونہ نے جواب دیا: "جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ اور مجھے لے کر بذ واپس چلو، ہم وہیں رہ سکتے ہیں، اور کہیں نہیں۔"

سفیان نے حمدونہ کے مشورے پر عمل کیا اور کسی نہ کسی طرح بذ کی قلعہ داری کا فرمان حاصل کر لیا۔

ناناجواد جب تک زندہ رہے یہی کوشش کرتے رہے کہ سفیان بذ سے واپس آ جائے لیکن وہ بغداد واپس نہیں گیا۔ شوخ و طرار حمدونہ نے سفیان کا دل قابو میں لے لیا لیکن اسے جب بھی عصمہ کا خیال آتا تو اس کا دل یہ حقیقت ماننے پر تیار نہ ہوتا کہ عصمہ اسکی حقیقی بہن ہے، وہ سوچتا کہ اگر عصمہ اس کی واقعی حقیقی بہن ہے تو پھر اس کے دل میں کبھی کبھی اس کی یاد کے ساتھ ایک چبک سی کیوں ہوتی ہے؟ ہوک سی کیوں اٹھتی ہے؟ رہ رہ کر اس کا دل کیوں بھر آتا ہے؟ لیکن یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا وہ زندگی بھر تشفی آمیز جواب نہ پا سکا۔

اندر کا آدمی

ایک آدمی میں دوسرا آدمی بھی موجود تھا اور یہ دوسرا آدمی اس کے اندر یوں چھپا بیٹھا رہا کہ اسے ذہن اور عقلمند امیر کے قیاس اور گمان بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ انتہا کا بجاری تھا مگر اس کے اندر کا آدمی تشدد کا دیوتا۔ ایک ایسی داستان جو ہمیشہ یاد اور یادگار رہے گی۔

دریائے بھیما اور کرشنا کے دوآبے میں سطح سمندر سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر
یر علائی کا قصر میلوں دور سے دکھائی دیتا تھا، بیجاپور کا یہ حصّہ جہاں یہ قصر کھڑا تھا،
یم مندروں اور عمارتوں سے گھرا ہوا تھا۔ علائی امیران صدہ سے تعلق رکھتا تھا، بیجاپور
یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ اس نے یہیں مستقلاً اقامت اختیار کرلی اور زرِ کثیر صرف
کے اپنے لئے سنگ سماق سے یہ محل تعمیر کرایا، اس کے گرداگرد مضبوط پتھروں کی دیواریں
ی کردی گئیں، اس سنگین چہار دیواری کے اندر دور تک کنارے کنارے خدمت گاروں اور
اہیوں کے لئے رہائش گاہیں اور بیرکیں بنی ہوئی تھیں، درمیان میں سبزہ اور پھولدار درختوں
تختہ تھا، اس حد سے گزر کر ایک پھاٹک کی راہ سے آپ اس حصّے میں داخل ہوں گے، جہاں
یر علائی کے عزیز و اقارب رہتے تھے، پھر ایک مسجد ملے گی، مسجد سے ملحق سنگ مرمر سے زیادہ
م و نازک اور سفید پتھر کا وہ قصر ہے جس میں امیر علائی رہتا تھا۔

امیر کی طبیعت میں تلوّن اور بے قراری بہت زیادہ تھی، احساس برتری مرض کی حد تک
خل تھا۔ اس کے لئے یہ مشہور تھا کہ وہ اپنی تلون مزاجی اور بے چین طبیعت کی وجہ سے کسی
ی عورت سے پائیدار محبت نہیں کرسکتا۔ حسین سے حسین عورت آتی اور کچھ ہی دنوں بعد طبیعت
ے اُتر کر یا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہوجاتی یا پھر کسی خدمت گار اور مقرب بارگاہ کو
ش دی جاتی۔ حسین عورتوں کی سواریاں جب قصر میں داخل ہوتیں تو خدمت گاروں اور سپاہیوں
، ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی، جو ذرا منتقی ہوتے دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ درندہ ان
یاریوں کے دامن عصمت کو بھی چاک کردے گا، جوان تماشوں کو دیکھنے کے عادی ہوچکے تھے
ر خود بھی حسین عورتوں کے لئے ہوا و ہوس رکھتے تھے دعائیں مانگ کر دن گزارتے کہ
دا کرے ان میں سے ایک آدھ انہیں بھی انعام میں عطا ہوجائے۔

امیر علائی کے تلوّن کی طرح اس کی سفاکی اور بربریت بھی مشہور تھی، خفگی اور

ناراضی کا اظہار عموماً قتل کی صورت میں ہوتا تھا اس کی سپاہ، خدمت گار اور متقربین بارگاہ نہایت ہوشیاری، چالاکی، اعلیٰ درجے کی چاپلوسی میں شب و روز گزارتے تھے۔ ممکن تھا اس کی سفاکی اور بربریت کا خوف لوگوں کو اس سے دور کر دیتا لیکن امیر علائی میں کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو کشش رکھتی تھیں، جس پر مہربان ہوتا توقع سے زیادہ نواز دیتا، اس نوازش میں مال دولت اور زر و جواہر ہی کی قید نہ تھی بلکہ حسین عورتیں تک تقسیم کر دی جاتی تھیں۔
دشوار گزار پہاڑیوں میں گھرا ہوا قصر علائی بظاہر تغلق حکومت کا باجگزار تھا لیکن اپنے جملہ معاملات میں آزاد اور خود مختار تھا، امیر علائی کی سواری اس تزک و احتشام سے گزرتی جس طرح شاہوں کی سواریاں گزرا کرتی ہیں اس کی رعایا گزرگاہ کے آس پاس اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے گھنٹوں کھڑی رہتی اس میں ان کی خوشیوں کی جگہ جبر اور خوف کو زیادہ دخل حاصل ہوتا۔
حرم سرا کے گرد بنی ہوئی غلام گردشوں میں مسلح خواتین گشت لگاتی رہتیں۔
بڑے بڑے تناور اور گھنیرے درختوں کے درمیان سے علائی کی شاہانہ سواری گزر رہی تھی۔ جلو میں خوفناک نیزہ بردار اور بھیانک تلوار باز، عریاں شمشیریں لہراتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ امیر علائی کی نظریں سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تماشائیوں پر پڑ رہی تھیں ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، یکایک امیر علائی کا داہنا ہاتھ اُٹھا او درشت کرخت چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، وحشت ناک چہروں والے خدام ایک دم مستعد ہو گئے اور ان کی نظریں امیر علائی کے اٹھے ہوئے ہاتھ پر ٹک گئیں۔ ہاتھ کو حرکت ہوئی اور گلاب کا ایک پھول ہوا میں اڑتا ہوا ایک دوشیزہ کے سر پر جا گرا۔ خدام دوڑے اور اس دوشیزہ کو زبردستی مجمع سے کھینچ کر امیر علائی کے رتھ تک لئے چلے گئے سہمی ہوئی خوفزدہ اور آہ و بکا کرتی ہوئی دوشیزہ کو زبردستی امیر علائی کے آغوش میں ڈال دیا گیا۔ مجمع میں معمولی سی، خوفزدہ اور سہمی سہمی سی ہلچل مچی اور پھر ایک بوڑھا دیوانہ وار امیر کے رتھ کی طرف بڑھا اور گلا پھاڑ کر چلایا "ظالم امیر! میری بیٹی کو چھوڑ دے، یہ پاپ ہے!"
یہ کہتے کہتے وہ رتھ کے سامنے آ گیا۔ رتھ بان کو کچھ تامل ہوا لیکن امیر علائی نے آنکھ کے اشارے سے حکم دیا "رفتار جاری رہے!"
گھوڑے کے سُم اور رتھ کے پہیئے بوڑھے کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتے اور ریت کی تہ میں ڈوبتے ہوئے آگے بڑھ گئے ایک کربناک طویل چیخ گھٹتی ہوئی دور تک چلی گئی ——

تمام عورتوں کو رخصت کر دوں ؟ "
ناگلا نے بدمزاجی سے کہا " پھر میں یہ کیوں گوارا کر لوں کہ عورتوں کے اس جنگل میں اپنی انفرادیت کھو دوں ! "
امیر نے کہا " اس ہجوم میں تم منفرد ہی رہو گی اسکی ہم ضمانت لیتے ہیں ! "
" وہ کس طرح ؟ "
" یہ اس طرح کہ ہمارے رویّے سلوک اور والہانہ محبت کے انداز سے یہاں کی تمام عورتیں خوب اچھی طرح یہ جان لیں گی کہ تمہیں ان میں ہماری سب سے زیادہ نسبت حاصل ہے اور تم حرم سرا کی جان ہو ! "
ناگلا نے معصومیت سے سوال کیا " کیا تم میری موجودگی میں دوسری عورتوں کو بالکل نظر انداز کر دو گے ؟ "
" نہیں ! " امیر نے کہا " یہ کیونکر ہو سکتا ہے، جب تک یہ حرم میں ہیں انکی خواہشات کی تکمیل ہمارے ذمے ہے، ہمیں اپنی یہ ذمّے داری تو پوری کرنی ہی پڑیگی ! "
ناگلا نے مایوسی سے کہا " تم عجیب آدمی ہو کہ ایک ہی وقت میں کئی کشتیوں میں سوار ہونا چاہتے ہو ! "
امیر نے اس کا طنز نظر انداز کر دیا۔ پوچھا " تمہاری دوسری شرط ؟ "
ناگلا نے سادگی سے جواب دیا " میں بودھ ہوں اور بودھ ہی رہنا چاہتی ہوں ! "
امیر نے فوراً ہامی بھر لی، کہا " ہمیں تمہاری یہ دوسری شرط منظور ہے ! "
ناگلا پہلی شرط پر لوٹ آئی، بولی " تمہیں میری پہلی شرط بھی ماننا پڑیگی ! "
پھر ایک عجیب امید افزا بات کہہ دی، کنکھیوں سے مسکرا کر امیر کو دیکھا اور کہنے لگی
" امیر ! میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن حرم کی بے شمار تتلیوں کی موجودگی میں رقابت بھی محسوس کرتی ہوں۔ کم از کم میں خود تو اس پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ تمہارے التفاتِ عام کو جانوروں کی طرح برداشت کر لوں "
امیر نے ایک نئی تجویز پیش کی، کہا " تم اپنی شرط میں ذرا سی تبدیلی کر لو، اسے بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے ! "
" وہ کیا ؟ " ناگلا نے جستجو بھری نظروں سے امیر کو دیکھا،
امیر نے کہا " ہم تمہارے لیئے الگ محل کا انتظام کیئے دیتے ہیں جہاں خدم ہو گی اور تمہاری کنیزیں ہونگی، وہاں تو تم اپنی انفرادیت قائم رکھ سکو گی "

ناگلا نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سوچوں گی!"
امیر نے اپنی جیب سے خط نکال لیا اور کہنے لگا "تمہیں سوچنے کے لئے ہم کافی وقت دے رہے ہیں، کل ہم اپنی سپاہ کے ساتھ محمد تغلق کے مقابلے پر جا رہے ہیں، امیران صدہ نے محمد تغلق کے خلاف بغاوت کر دی ہے ہماری ہی طرح کے ایک دوسرا امیر علاء الدین حسن نے امیران صدہ کا متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے ہم امدد کو جا رہے ہیں اور جلد ہی واپس آنے کی کوشش کریں گے، ہمیں امید ہے کہ اس وقت تک تم ضرور اپنی شرط میں تبدیلی پر آمادہ ہو چکی ہو گی!"
ناگلا نے بدحواس ہو کر پوچھا "تمہارے چلے جانے کے بعد کپا کہاں رہے گا!"
امیر کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا، دل ٹٹولنے کے لئے بولا "وہ ولوٹا یا واپس جا
ناگلا مچل سی گئی، بولی "نہیں ایسا نہ کرو، اسے یہیں رہنے دو!"
امیر نے طنز سے پوچھا "اس بدوضع بھکشو میں کیا بات ہے جو اسے اپنے قریب رکھنے پر مصر ہو؟"
ناگلا نے محسوس کیا کہ امیر کی نظروں میں کینہ پایا جاتا ہے۔ بولی "اسے تمہی بلا کر لائے ہو، میں نے تو نہیں بلایا تھا!"
امیر نے حسد سے کہا "ہاں لیکن اس وقت ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ تم دونو میں کوئی خفیہ معاملہ چلا آ رہا ہے"
ناگلا نے تلملا کر نفرت سے امیر کو دیکھا اور تکلیف آمیز لہجے میں کہنے لگی "تم پاپی لوگ سب کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہو، تمہاری اپنی زندگی میں پاپ اور پن میں کوئی فرق نہیں!"
امیر نے درشت لہجے میں کہا "زیادہ باتیں مت بنا لڑکی، زبان بند رکھ ہم خوب سمجھتے ہیں تیری منشا!"
ناگلا نے افسوس سے کہا "تم بالکل نہیں سمجھے ہماری باتیں، اگر تمہیں گمان ہے کہ تم ہم پر قدرت اور اختیار رکھتے ہو تو یہ بالکل خیال خام ہے تمہیں جب چاہوں گی خودکشی کر کے تم سے نجات حاصل کر لوں گی"
امیر نے نرمی اختیار کی، کہنے لگا "ہماری واپسی تک تم کو زندہ رہنا ہے ہم نہیں چاہتے کہ تم حرام موت مرو کپا اسی طرح تمہارے قریب رہے گا لیکن ایک بات ہماری بھی یاد رکھنا، ہم نے کپا کو تہہ خانے کی وہ جگہ دکھا دی

ہماں ان گستاخ اور خطاکار انسانوں کے پنجے پڑے ہیں، جو ہماری نظر میں گناہگار ور خطاکار تھے، ہم معاف نہیں کرتے۔"

یہاں سے نکل کر امیر کمپا سے ملا اور اسے سب کچھ بتا کر حکم دیا "تم ماری واپسی تک یہیں رہنا، اگر تمہیں شکست ہو جائے تو تمہیں اس بات کا ختیار ہوگا کہ ناگلا کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلے جاؤ۔"

نوجوان بھکشو نے جواب دیا "امیر!" ایک بات میری بھی یاد رکھنا۔ ں بودھ ہوں اس لئے اسے ضروری سمجھتا ہوں کہ جانے سے پہلے تمہیں کچھ نصیحتیں روں" اس کے بعد خاص مبلغانہ انداز میں تلقین کی "امیر! خواہش نفسانی ، جڑ مایا ہے نام و نشان، حکومت، دولت، عزت، جسمانی اور روحانی لذتیں انی، حسن اور عشق یہ ساری چیزیں ناپائیدار ہیں اور دھوکے کی ٹٹیاں ہیں نسان ان کی طرف کتنی خوشی اور امنگوں سے ہاتھ بڑھاتا ہے لیکن یہ ساری یزیں اپنے وجود میں ہی دھوکا ہیں! اور دھوکے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے حاصل؟"

امیر نے اطمینان کا سانس لیا۔ بولا "شکر ہے مولا تیرا۔ ہمیں ایسا ی دیانتدار آدمی درکار تھا۔"

امیر کے چلے جانے کے بعد وہاں آزادی کی فضا پیدا ہو گئی۔ چندا دھ بھکشو کو گرویدہ کرنے کے ہتھکنڈے استعمال کرتی رہی۔ وہ چاہتی کسی طرح ناگلا کا وجود ناپید ہو جائے! اس کے بعد وہ اس بھکشو کو اپنے یب لانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ محلسرا کی اور عورتیں بھی اس نادر شے تغورا ور حسرت سے دیکھتی رہتیں۔

رات کے پچھلے پہر سب کو سوتا چھوڑ کر چندا باہر نکلی اور کمپا کے حجرے طرف چل پڑی۔ مسلح پہرے دار خواتین کے بھیانک سائے درو دیوار پر رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دور وہ گئی ہوگی کہ اسکی پشت میں کسی نے کوئی یلی چیز گھسیڑ دی۔ اس نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا! ایک پہرے دار عورت اس کا ستہ روک کر کھڑی ہو گئی "اتنی رات گئے کہاں جا رہی ہو؟"

چندا نے اپنی انگلی کی قیمتی انگوٹھی پہرے دار عورت کے حوالے کر دی اور سے انگوٹھی کے صلے میں رازداری کا عہد لے لیا۔ حجرے کے اندر ہلکی ہلکی روشنی رہی تھی چندا نے دروازے کی دراز سے جھانک کر اندر دیکھا۔ کمپا ننگے

فرش پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا، اس نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی
نوجوان بھکشو فوراً بیدار ہو گیا اور پوچھا ۔ "کون ؟"
چندا نے جواب کے بجائے پھر دستک دی ۔ کمپا اٹھ کر دروازے کے قریب
آ گیا اور پھر پوچھا ۔ "کون ؟"
چندا کو شرارت سوجھی، بہت ترنگ میں تھی، بولی "دروازہ کھولو ۔ میں
ہوں ناگلا !"
کمپا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا چندا فوراً اندر داخل ہو گئی ۔ کمپا ۔
حیرت سے کہا ۔ "دیوی یہ تم !! اس وقت !! کیا بات ہے ؟"
چندا نے خود ہی اندر سے دروازہ بند کر لیا اور اطمینان سے نوجوا
بھکشو کے روبرو زمین پر بیٹھ گئی ۔
کمپا نے اٹھ کر چادر بچھا دی اور نرمی سے بولا ۔ "دیوی ! اس پر بیٹھو !"
چندا نے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا ۔ "اس شرط پر بیٹھوں گی کہ اس کے دوسر
کنارے پر تم بھی بیٹھو گے ۔"
کمپا بھی سامنے ہی بیٹھ گیا ۔ پوچھا ۔ "ہاں دیوی ! اب بتاؤ کیسے آنا ہوا ا
پاپ کی طرح تاریک رات میں ۔"
چندا نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم سچ مچ ناگلا سے محبت کرتے ہو
کمپا نے جواب کو ٹالنا چاہا، بولا ۔ "دیوی ! ان باتوں کا یہ وقت نہیں
پھر کبھی پوچھ لینا یہ بات !"
چندا نے ضد سے کام لیا، بولی ۔ "نہیں، میں اسی وقت یہ جواب لے
جاؤں گی !"
بھکشو نے پوچھا "کیا ناگلا نے کہی ہے تم سے کوئی بات ؟"
"نہیں، ناگلا نے کوئی بات نہیں بتائی ؟"
بھکشو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کچھ سوچنے لگا جب وہ دیر تک کچھ
بولا تو چندا نے کہا ۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے !"
کمپا نے پھر گول مول جواب دیا ۔ "تمہارے سوال کا میرے پاس کوئی جوا
چندا نے غصے میں کہا ۔ "بدوضع بھکشو ! تو اپنے آپ کو آخر سمجھتا کیا ہے
اپنے اس حلیے میں کبھی تو نے آئینہ بھی دیکھا ہے بالکل ایسے لگتا ہے جیسے کسی .

دہ نکل بھاگا ہو، پھر بھی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے!"

کمپا نے تحمل سے جواب دیا "میں کچھ بھی نہیں دیوی۔ میں اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں
ت، دیوی نے جو کچھ سمجھا، یا کہا یہ اسکی بھول ہے!"

چندا پر جنون کا دورہ پڑ گیا، ذرا زور سے بولی "ناگلا کے سوا تجھے کوئی بھی
ہیں چاہ سکتا، میں جو تیرے پاس آئی ہوں تو اس لئے نہیں کہ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی
بلکہ محض اس لئے کہ تو جیسا کچھ بھی ہے ایک مرد ضرور ہے!" اسکے بعد زار و قطار
نے لگی "میں اس محلسرا نامی سنگی قبرستان میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤنگی لیکن میں
ہیں مرنا چاہتی" بھکشو! مجھے بچالو"

کمپا اس صورت حال سے گھبرا گیا تھر تھر کانپنے لگا۔ بولا "دیوی! ذرا دھیرے
دھیرے بات کرو، باہر کوئی سن نہ لے کہیں ہم دونوں کی باتیں!"

چندا کی آواز اور اونچی ہو گئی "میں نہیں ڈرتی۔ میں کسی سے بھی نہیں
ڈرتی، ادھر دیکھو میری طرف، اس سینے میں کتنے داغ پڑ چکے ہیں، یہ سینہ ضبط اور
برداشت کے تیروں سے چھلنی ہو چکا ہے!" یہ کہتے کہتے اس نے اپنا گریبان چاک
کر ڈالا، اس پر اختناق کا دورہ پڑ گیا۔

گریبان کے چاک ہوتے ہی نفسانی خواہشات اور ترغیبات کے بلبلے عریاں
ہو کر اس طرح حقیقت بن کر سامنے آ گئے کہ بھکشو کے ضبط و برداشت میں زلزلہ
سا آ گیا، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی اختناق کا شکار ہو گیا ہے، اعصاب
میں تشنج اور اعضا میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر لیٹ گیا اور گڑ گڑایا
او شاکیہ منی! "ناری کے شر سے بچا۔ مار آناری کے روپ میں نازل ہو کر میرے
گیان دھیان اور تپسیا کی تباہی پر آمادہ ہے!"

چندا نے اسے جھنجوڑ کر سیدھا کر دیا، مچھلی کی طرح تڑپ کر کھڑا ہوا، اور دوسرے
ہی لمحے حجرے کے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے ہی چندا بھی باہر نکلی لیکن وہاں سخت
تاریکی تھی اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ بھکشو کہاں چلا گیا۔ وہ مایوس، اداس اور شرمندہ
ہو کر وہاں سے چلی گئی لیکن یہ طے کر کے کہ اس بھکشو کو اس انحراف اور فرار کی
سخت سزا دلوائی جائے گی۔

صبح کمپا اپنے حجرے سے جا چکا تھا، ناگلا پریشان ہو گئی، چندا جانتی تھی کہ بھکشو
کیوں چلا گیا؟ وہ اپنے کئے پر نادم تھی، اب وہ ضرور یہ جاننا چاہتی تھی کہ بھکشو آخر

گیا کہاں۔ اس نے محلسرا کے ایک خواجہ سرا کو اس کی تلاش میں لگا دیا قصر کے صدر
پھاٹک کے دربانوں نے یہ بتایا کہ بھکشو ولٹوبا واپس گیا ہے۔

جب وہ کئی دن واپس نہ آیا تو ناگلا کو بڑی تشویش ہوئی اس نے چندا کو آمادہ کیا کہ وہ حرم سرا کے خواجہ سراؤں میں سے دو چار کو ساتھ لے کر ولٹوبا چلے اور بھکشو کی خیریت معلوم کر کے اسے واپس لانے کی کوشش کرے۔ چندا ساتھ جانے سے شرمائی لیکن پھر اس خیال سے آمادہ ہو گئی کہ بھکشو سے مل کر اس کے خیالات اور ارادوں کا پتہ چلانا بہت ضروری ہے تاکہ وہ وقت پڑنے پر کامیاب دفاع کر سکے۔

ان کا رتھ کھڑکھڑاتا ہوا ولٹوبا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک خواجہ سرا ولٹوبا کے اندر چلا گیا۔ اندر ستونوں اور دالانوں کی بھول بھلیوں سے گزر کر، تلاش کرتا اور پوچھتا پاچھتا جب وہ مہاتما بدھ کے اس مجسمے کے روبرو پہنچا، جہاں گوتم نروان پا کر بشاش بیٹھا تھا اور اس کے چہرے سے طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ خواجہ سرا اسے اس حال میں دیکھ کر واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ سرا کے حکم سے ولٹوبا کے دوسرے بھکشو ادھر ادھر روپوش ہو گئے اور ناگلا اور چندا آہستہ آہستہ سنسان دالانوں اور ستونوں سے گزر کر کمپا کے سر پر پہنچ گئیں۔

کمپا گڑگڑا رہا تھا "اے شاکیہ منی! آپ نے بھکشو کے دل کو وہی پہلے جیسا سکون اور پاپ کے خیال تک سے پاک ایمان عطا فرما۔ اے اہنسا کے اوتار! میرے دل کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ جدھر جاتا ہوں ہوس میرے پیچھے چلتی ہے۔ مجھ پر رحم کرو شاکیہ منی!"

چندا خوش ہوئی کہ اس کا گھائل اسے بھول جانے پر قادر نہیں رہا۔

ناگلا نے آہستہ سے پکارا "کمپا!" اور سر اٹھاؤ، دیکھو میں تم سے ملنے آئی ہوں۔

کمپا نے جیسے ہی سر اٹھایا پہلی نظر چندا پر پڑی، اس کے رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے، پھرتی سے کھڑا ہوا اور پاگلوں کی طرح ایک طرف بھاگ کر روپوش ہو گیا۔

ناگلا حیران تھی کہ کمپا کو آخر یہ ہو کیا گیا ہے۔

چندا نے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اس بھکشو کو تلاش کر کے زبردستی پکڑ کر اس کے سامنے لایا جائے لیکن وہ کہیں بھی نہ مل سکا، آخر یہ لوگ دل شکستہ وہاں سے واپس چلے آئے۔

ولٹوبا کے اس حصے میں جہاں شہزادے سدھارتھ (گوتم بدھ) کو رات کی

اریکی میں شاہی محل اور بیوی بچے کو چھوڑ کر جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور جانے سے پہلے وہ ان پر ایک الوداعی نظر ڈال رہا ہے۔ کمپا نے گوتم کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور گڑگڑا یا۔

" اے شاکیہ منی! وہی خلش اور وہی ضبط و برداشت مجھے بھی عطا کرو جس کا تم اس مورتی میں مظاہرہ کر رہے ہو، جنس اور ہوس نے میرے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا ہے!" اس کے بعد اس کی آواز رندھ گئی، بولا " اور مشکل تو یہ ہے کہ میں تمہارے چرنوں میں سر رکھ کر جھوٹ بھی نہیں بول سکتا، گناہ کی دیویاں بھی اچھی لگنے لگی ہیں!" اس پسند کو نفرت میں بدل دو شاکیہ منی!"

اچانک اسے ایسا لگا جیسے کوئی اس کے دل میں بیٹھا کہہ رہا ہے "کمپا گیان کرو، دھیان میں بیٹھو اور یکسوئی سے شاکیہ منی کا دھیان کر کے اس شیطانی وسوسے سے پیچھا چھڑا لو"۔

کمپا اٹھا اور اس اندر کی آواز کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک طرف روانہ ہو گیا۔

امیر علائی ایسا غائب ہوا کہ مدتوں حرم سرا کی خواتین اس کی خیر خبر سے محروم رہیں، انہیں کیا پتہ تھا کہ امیران صدہ کی پے در پے متحدہ لڑائیوں نے سلطان محمد تغلق کو جنوبی ہند سے بے تعلق کر دیا ہے اور اب دکن کے تاج و تخت پر ایک ایسے شخص کا قبضہ ہو چکا ہے جو کچھ دنوں پہلے خود بھی امیران صدہ میں ایک امیر شمار ہوتا تھا۔ ان باتوں کی اطلاع صرف اس شخص کو حاصل تھی جو امیر علائی کی عدم موجودگی میں اسکی نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن یہ بات اسے بھی نہیں معلوم تھی کہ خود امیر علائی ان جنگوں میں اپنا ایک پیر گنوا چکا ہے اور وہ ان دنوں دکن کے نئے تاجدار اور اپنے ساتھی علاء الدین حسن کے پاس زیر علاج ہے، اسی دوران امیر علائی کا ایک خط آیا جس میں اس نے کمپا کی بابت بہت سے سوال کئے تھے۔

اسکے روز مرہ کے مشاغل کیا ہیں؟ اسکی بابت کوئی ایسی ویسی افواہ تو نہیں سنی گئی؟ خواتین کی قربت نے کوئی رنگ دکھایا؟ وہ اب بھی وہی بھکشو ہے یا اس کی ظاہری وضع قطع میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے؟"

ان ساری تفصیلات کا جواب دو سطروں میں بھیج دیا گیا "کمپا امیر کے جانے کے کچھ دنوں بعد ہی کہیں چلا گیا، کچھ پتہ نہیں کیوں اور کہاں گیا؟"

امیر علائی کو جب یہ جواب ملا تو دل پکڑ کر رہ گیا، ناگلا کی یاد اب بھی اسے

ستا رہی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ کاٹی جا چکی تھی جس سرکش اور خود سر ناگلا کو وہ دو ٹانگ
کی مدد سے نہ پکڑ سکا تھا اب ایک ٹانگ سے کس طرح پا سکے گا، اسے اب کمپا کی زیادہ ضرورت
تھی، خود ناگلا بھی کمپا کے لئے بہت پریشان تھی۔ چندا یہ سوچتی کہ اگر اس نے اس
رات اتنا تجاوز نہ کیا ہوتا تو یہ زن بیزار بھکشو کبھی نہ جاتا اسے اپنی جلد بازی اور
مآل نااندیشی پر سخت شرمندگی تھی۔

لیکن ایک دن سہ پہر کو جب کہ دھواں دھار بارش ہو چکی تھی اور گھر سایہ
دار بادل اب بھی گھرے کھڑے تھے، کسی کسی لمحے کوندا بھی لپک رہا تھا اور کہیں قریب ہی
سے یکے بعد دیگرے موروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، قصر علائی کی
فصیل کے نیچے ابلتا ہوا نالا زور و شور سے بہہ رہا تھا اور حرم سرا کی خواتین برہا کی آگ میں
سلگ رہی تھیں۔ کفنی میں منہ چھپائے کمپا قصر کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوا
امیر کے نائب نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا، بھکشو کے جسم سے لپٹی ہوئی کفنی بھیگ
کر جسم سے چپک چکی تھی۔ نائب نے عجلت میں امیر علائی کی طرف سے اسکی مزاج پرسی کی
اور خیریت دریافت کی۔ بھکشو نزلے کا شکار تھا اس نے زبان سے کم اور اشاروں سے
زیادہ، یہ بتایا کہ اسے اس کے حجرے میں پہنچا دیا جائے، سوالات کے جوابات وہ ذرا
توقف سے دے گا، اسے اس کے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔

ناگلا خوشی سے دیوانی ہو گئی، وہ کمپا کو ایک نظر دیکھنے لئے بے چین تھی، اسکے
برعکس چندا کشمکش کا شکار تھی، اس کا جی تو چاہتا تھا کہ کمپا کے حجرے میں اسی وقت
پہنچ جائے، لیکن جانے میں تامل یوں تھا کہ کہیں بھکشو اسے دیکھتے ہی پھر واپس نہ چلا جائے
اس تشویش میں ایک امید کا پہلو بھی موجود تھا۔ چندا یہ بھی سوچتی تھی کہ بھکشو کی واپسی
کا سبب چندا کی چاہت بھی ہو سکتی ہے، بہت ممکن ہے کہ بھکشو اپنے کئے پر نادم ہو، اور
اسے اپنی خشک زندگی پر ندامت اور خجالت محسوس ہونے لگی ہو۔

ناگلا اس کے حجرے میں داخل ہوتے ہی بے قابو ہو گئی، بھکشو کھڑا ہو گیا، ناگلا نے
اسکی گیلی کفنی کا خیال کئے بغیر ہی اپنا سر اسکے کاندھے سے ٹکا دیا اور سسک سسک کر رونے
لگی۔ چندا باہر کھڑی، دراز سے جھانک کر تلملا رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے آخر؟" ناگلا سسک سسک کر بولی۔ "میں تو تم سے
مایوس ہو گئی تھی؟"

بھکشو نے محبت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ بولا، یہ ایک راز کی

بات ہے"۔ پھر پوچھا۔" وہ عورت کہاں ہے جو اکثر تمہارے ساتھ آیا کرتی تھی؟"۔
ناگلا نے سینے سے سر ہٹا کر غور سے بھکشو کو دیکھا اور بے دلی سے پوچھا "اس سے کیا کام ہے تمہارا؟"۔

"اسے بلاؤ!" وہ کہنے لگا "میں اپنے گذشتہ رویّے پر نادم ہوں!"

ناگلا نے ضد کی "مجھے سارے واقعات بتاؤ، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"۔

بھکشو نے تلخی سے کہا "ناگلا کسی کے ذاتی معاملوں کی کرید دھرم کے خلاف ہے تو اس دیوی کو میرے پاس بھیج دے، میں اپنے کئے کی اس سے معافی مانگوں گا!"

ناگلا نے کہا "اچھا بلا دوں گی، تم یہ گیلی چادر تو اتارو!"

حجرے میں دوبارہ آنے کے بعد پہلی بار بھکشو نے اپنے سامان کا جائزہ لیا، حجرے کی ہر شے پر گرد و غبار کی تہہ جمی ہوئی تھیں، لکڑی کا صندوق چوہوں نے کتر ڈالا تھا اور چوہوں کے لائے ہوئے چند روٹی کے ٹکڑوں پر پھپھوند جمی ہوئی تھی۔

ناگلا نے صندوق سے دوسری چادر نکالی جسے کفنی کی طرح کمپا نے لپیٹ لیا۔ اور بولا "ناگلا!" اب تم باہر جاؤ اور اگر وہ دیوی یہاں آنے پر آمادہ ہو تو اسے یہاں بھیج دو!"

ناگلا باہر نکل گئی اور چندرا سے کہنے لگی "شاید کمپا کی بات تم نے بھی سن لی ہوگی، معلوم نہیں کیوں وہ تمہیں اندر بلا رہا ہے"۔ یہ کہتے کہتے اس نے چندرا کو شک و شبہے کی نظروں سے دیکھا۔

چندرا کچھ تامّل کے بعد جھجکتی شرماتی اندر داخل ہو گئی بھکشو دو قدم پیچھے ہٹ گیا حیرت سے پوچھا "تو کیا تم یہیں کہیں موجود تھیں؟"

چندرا نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صحت گنوائے ہوئے بھکشو کا ہولناک چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ اب تو وہ بہت ہی ڈراؤنا ہو گیا تھا اسے حیرت تھی کہ جھرکی اس وحشت اور بھیانک پنے کو ناگلا نے کیوں نہیں محسوس کیا، اسے تو بھکشو سے ڈر لگ رہا تھا اس کے سارے وہ احساسات جو مرد کی کمی وجہ سے بھکشو پر مائل ہو جانے کی صورت میں کبھی پیدا ہوئے تھے اس وقت زائل ہو گئے۔

بھکشو اپنی حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھوں سے چندرا کو دیکھتا رہا، اچانک غیر ارادی طور پر اس کی نظریں چندرا کے گریبان پر جمی گئیں جو ایک مرتبہ اسکے سامنے چاک ہو چکا تھا۔ ایک بار پھر جذبات میں ہلچل مچی اور بھکشو کانپ گیا ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر کے پھر کھولدیں، اور جبراً اس طرح بولا گویا تمہیں دور سے بول رہا ہے "دیوی! تم نے مجھے ہلکان کر کے رکھ دیا ہے پہلے جو کچھ میں نے یہاں دیکھا تھا اس سے بھاگ کر میں نے جہاں بھی پناہ لینا چاہی تو نے میرا

پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جہاں تو خود نہ پہنچ سکی، تیرا خیال پہنچ گیا اور ریاست کے دو دو انگارے جنہوں نے میری تپسیا اور گیان دھیان کو جلا ڈالنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی ہر جگہ خیالوں میں آ آ کر میرا پیچھا کرتے رہے، عاجز آکر میں نے مہادیو کی پہاڑیوں میں مراقبہ کیا وہاں مارا در شیطان نے مختلف شکلوں میں آ آکر میرے گیان دھیان کا سلسلہ توڑ دینا چاہا لیکن میں بھی شاکیہ منی کا دھیان کئے وہیں بیٹھا رہا اور آخر ایک دن شاکیہ منی نے خود ظاہر ہو کر یہ ہدایت کی کہ ضبطِ نفس اسے نہیں کہتے کہ امتحان گاہ سے بھاگ کر اپنا پیچھا چھڑالو اور غلط فہمی سے یہ سمجھتے رہو کہ تم نفس کی آزمائش میں پورے اتر گئے ہو۔ میں نے شاکیہ منی سے پوچھا کہ اویزدانی مہاتما اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مہاتما نے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس واپس پہنچوں اور اس آگ کے سمندر سے پار اتر کر نفس کشی کا امتحان دوں، سودیوی! میں حاضر ہوں، تم اپنی ناز و ادا کے سارے تیر مجھ پر چلا سکتی ہو، اپنے عشووں اور غمزوں کے ہتھیار مجھ پر آزما سکتی ہو اور ناری کے سارے چرتر اس بھکشو پر آزما کے دیکھ لو، شاکیہ منی کی کرپا سے تم مجھے ہلا بھی نہ سکو گی"۔

چندا کے لئے بھکشو میں اب کوئی دلکشی باقی نہ رہی تھی لیکن اس کے بڑبولے پن نے چندا کے دل میں آگ لگا دی۔ یکایک مغربی گھاٹ کے پہاڑوں سے ٹکرا کر آنیوالے مانسونوں نے پھر بارش شروع کر دی اور حجرے میں پانی کی نمی میں ڈوبی ہوئی ہواؤں نے جسموں سے ٹکرا کر جذبات کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ بھکشو چٹان کی طرح آنکھیں کھولے چندا کو دیکھتا رہا۔ نفسانی موجوں نے جب بھی سر اٹھانے کی کوشش کی ضبط اور ارادے کی چٹانیں سینہ سپر ہو گئیں اور موجیں ان سے ٹکرا کر پھر انہی گہرائیوں میں گم ہو گئیں جہاں سے ابھری تھیں۔

چندا کو ظالم و جابر امیر علائی کی یاد آئی اور اسکی یاد میں اس نے اتنی شدید انگڑائی لی کہ جگہ جگہ سے کپڑے مسک گئے اور لباس کے مسکان کی لطیف آواز سن کر نفس کی ایک سرکش لہر اس زور سے ابھری کہ ضبط اور ارادے کی چٹانیں پھلانگتی ہوئی آرزو اور اشتیاق بناکر آنکھوں کی راہ سے چندا کے زور آور شباب کا جائزہ لینے لگی۔ اب شکست سے بچنے اور اس سرکش نفسانی موج کو باز رکھنے کی ایک ہی ترکیب رہ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں کے روزن بند کر لئے اور چور دروازوں پر پلکوں کے پٹ بھیڑ دیئے۔

امیر علائی نے خود آنے کے بجائے بھکشو کو بلا بھیجا، وہ قصر میں واپس آنے سے پہلے اس بھکشو سے کچھ جاننے کا بھی خواہشمند تھا، دوسرے اس کے کانوں میں یہ افواہ بھی پہنچ چکی تھی کہ بھکشو چندا میں کچھ دلچسپی لینے لگا ہے۔ دکن کے نئے تاجدار علاء الدین حسن کی رسم تاجپوشی بھی ادا ہونے والی تھی۔ طبیعت کی ستم ظریفی یہ بھی چاہتی تھی کہ یہ تارک الدنیا

بھی دنیا کی شان و شوکت اور جاہ و حشم اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

بھکشو کے ساتھ چند خواتین کو طلب کیا گیا تھا ان میں ناگلا اور چندا کے نام سرفہرست تھے۔ گلبرگہ تک کا سفر نہایت شان اور اطمینان سے طے ہوا، ان سب کو علاء الدین حسن کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔

جب امیر علائی بیساکھیوں کے سہارے لنگڑاتا ہوا ان کے سامنے آیا تو سب دھک سے رہ گئے۔ بھکشو کمپا نے یہاں بھی اسے معاف نہ کیا، دلبری سے کہا "پچھلی زندگی کے پاپ تجھے ایک بار پھر جنم لینے پر مجبور کر دیں گے!"

امیر نے سنی ان سنی کر دی لیکن وہ اس بھکشو کی عظمت کا قائل ضرور تھا اسے حیرت تھی کہ جس نفس نے اسے بری طرح پچھاڑ رکھا ہے اس پر اس بھکشو نے کس طرح قابو پا لیا ہے، اس نے درشت مزاج اور خشک خو بھکشو کو غور سے دیکھا جس کی صحت تباہ ہو چکی تھی اور جو کسی مُردے کی طرح آنکھیں نکالے سامنے بیٹھا تھا۔

امیر نے تخلیئے میں اس سے ناگلا کی بابت بہت سارے سوالات کئے لیکن بھکشو نے ان سب کا ایک ہی جواب دیا کہ "یہ ساری باتیں یہاں کرنے کی نہیں ہیں قصر واپس چلو ناگلا تمہیں مل جائے گی۔"

امیر مطمئن تو ہو گیا لیکن ایک کانٹا اب بھی چبھ رہا تھا، پوچھا "اب ہم ایک ٹانگ کے رہ گئے ہیں، ناگلا اسے ناپسند تو نہ کرے گی؟"

بھکشو نے کہا "یہ سب کچھ تمہارے کرموں کا پھل ہے، نیک کام، نیک ارادے نیک خیالات اور نیک گفتگو، یہ ہے اچھے کرم کی تعریف۔ ذرا سوچو تو کہ تم خود ان چاروں میں سے کتنوں پر کاربند ہو؟"

امیر نے چندا کے بارے میں اچٹتا سا سوال کیا "کمپا! تم نے چندا کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے، کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ تمہارے بیان کردہ چاروں کرموں میں سے کس کس پر عمل پیرا ہے؟"

بھکشو نے صاف صاف کہہ دیا "ایک پر بھی نہیں، کیونکہ بھیڑیوں میں بکری کس طرح زندہ رہ سکتی ہے، مرد بھیڑیوں میں بھیڑنی ہی بن کر کوئی عورت رہ سکتی ہے!"

امیر نے طیش میں آ کر سوچا کہ اس گستاخ اور زبان دراز بھکشو کو سزا دینی ہی پڑے گی اب یہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد امیر نے چندا سے ملاقات کی۔ چندا نے بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا، امیر سے چمٹ گئی اور آہستہ آہستہ رونے لگی۔

امیر علائی نے چندا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے پوچھا "تم روکیوں رہی ہو چندا؟"
چندا نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "اب امیر کو چلنے پھرنے میں کتنی تکلیف برداشت کرنا پڑیگی، یہی سوچ کر کنیز کو رونا آرہا ہے"
امیر اسکی محبت سے بہت متاثر ہوا، کہنے لگا "چندا! تم اسکی فکر نہ کرو، ہم معمولی آدمی نہیں ہیں، ہماری ایک ٹانگ کٹ گئی تو کیا ہوا' ہمارے لئے ہاتھ پیروں کی کیا کمی ؟"
چندا نے کوئی جواب نہ دیا، آنسوؤں سے امیر علائی کا سینہ تر کرتی رہی۔
امیر نے کہا "چندا یہ بھکشو کیسا آدمی ہے ؟"
چندا نے چونک کر امیر کے سینے سے سر اٹھایا اور بیچارگی اور تشویش سے امیر کی صورت دیکھنے لگی۔
امیر نے مزید کہا "تم گھبراؤ نہیں، معلوم نہیں کیوں بھکشو تمہیں اچھا، نیک اور پارسا عورت نہیں سمجھتا"
چندا دل میں ڈری کہ شاید بھکشو نے سب کچھ امیر کو بتا دیا ہے اور اب وہ نہایت ہوشیاری اور نرمی سے خود چندا سے اسکی تصدیق کرانا چاہتا ہے۔ چندا کے سینے میں انتقام کے جھکڑ چلنے لگے۔ نفرت اور غصے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا' فوراً امیر سے جدا ہوگئی اور غصے میں بولی "یہ بھکشو رنگا سیار ہے' امیر اس کے کرتوت تو یہ کنیز امیر کے گوش گزار کرے گی!"
اس کے بعد وہ اپنے کپڑوں میں سے گریبان چاک اور مسکا ہوا لباس نکال لائی، انہیں امیر کے روبرو پیش کرتی ہوئی بولی "اب امیر خود ہی اس بات کا اندازہ لگالیں کہ کون گناہگار ہے اور کون بے گناہ۔ اس نے کئی بار تنہائی میں اس کنیز کو بے آبرو کرنا چاہا ہے اور کنیز نے اسے ہر بار ناکام بنا دیا ہے۔ ایک مرتبہ تو اس ذلیل بھکشو نے کنیز کا گریبان ہی چاک کر کے رکھ دیا، میں نے بڑی مشکلوں سے جان بچائی اور اس روباہ صفت درندے کو دھکے دے کر دور کیا، اس کے بعد شاید خوفزدہ ہو کر یہ کہیں فرار ہو گیا اور مدتوں غائب رہا پھر جب واپس آیا تو مجھے یہ یقین دلانا چاہا کہ اب وہ اپنے کئے پر پشیمان ہے آئندہ اس قسم کی چوک نہ ہوگی، میں نے اس پر اعتماد کرلیا، لیکن اس بھیڑیے نے موقع پاتے ہی پھر مجھ پر حملہ کیا اور اپنی پوری قوت سے مجھے اپنے سینے سے لگا لینا چاہا، میں نے بچنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں میرا

لباس مسک گیا۔ جو امیر کے سامنے ہے۔"
اتنا کہہ کر چندرا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
امیر مشتعل ہو گیا۔ چندرا نے یہ اشتعال اور بھڑکایا بولی "میں پورے اعتماد اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ناگلا اور بھکشو میں ایک مرد اور عورت کا تعلق ہے، دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس کنیز نے بارہا دونوں کو اس طرح دیکھا ہے کہ کوئی ایک دوسرے کا ہاتھ محبت سے اپنے ہاتھ میں لئے اس طرح باتوں میں مشغول رہے کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں ہے!"
امیر کو اپنی حماقتوں پر افسوس ہوا، بولا "ہم نے تو تمہارے ہی مشورے پر اس ناہنجار بھکشو کو ناگلا کے لئے بلایا تھا!"
چندرا نے جواب دیا "لیکن کنیز کو یہ کیا پتہ تھا کہ امیر ناگلا کے عاشق کو پکڑ لائیں گے!"
امیر نے پوچھا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔؟"
چندرا نے کہا "اس کا فیصلہ قصر میں پہنچ کر فرمایئے گا!"
مشورہ مناسب تھا، امیر نے سکوت اختیار کیا۔
بھکشو نے ناگلا کو سرگوشی میں سمجھایا "ناگلا!" تمہیں لنگڑے امیر کی دلجوئی ہر حال میں کرنی ہے، میری خاطر، اپنی خاطر!"
ناگلا نے دکھ سے کہا "لیکن بات اگر دلجوئی اور باتوں ہی کی حد تک رہے تو کوئی بات نہیں، امیر تو میری نرمی اور بناوٹی لگاوٹ سے کچھ زیادہ ہی جسارت کر بیٹھے گا۔"
بھکشو نے کہا "کوشش کر کے امیر کو پھسلا کر ٹوبا تک واپس لے چلو، وہاں پہنچ کر دیکھا جائے گا!"
ناگلا نے بیچارگی اور عاجزی سے کہا "ہمارے دھرم میں مشکل یہ ہے کہ یہاں دوسرے دھرموں جیسا توبہ یا پرائسچت (کفارہ) نام کی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ انسان سے جو گناہ سرزد ہو جاتا ہے اسے توبہ کر کے یا پرائسچت کے ذریعے دھویا نہیں جا سکتا، تم اس کا کیا جواب دو گے کہ اگر کسی طرح میں کسی پاپ کی مرتکب ہو گئی تو اس کا ازالہ کس طرح ہو گا؟"
بھکشو نے جواب دیا "تم اسکی فکر نہ کرو، ہم ایسے حالات میں گھر گئے ہیں کہ ہم سے کچھ پاپ یقینی سرزد ہوں گے۔ ہم اپنے ان پاپوں کا اگلے جنموں میں ازالہ کر دیں گے!"

ناگلا نے غمزدہ لہجے میں کہا "ہم دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اس لئے ہمیں کچھ پاپ کرنا ہی پڑیں گے اور دوسرے جنہوں کو گوارا کرنا ہی پڑیں گے!"

اس گفتگو کے بعد جب ناگلا امیر کے پاس گئی تو اسے بہت زیادہ خوش اخلاقی اور لگاوٹ کا اظہار کرنا پڑا۔ اس نے امیر کو یہ یقین دلادیا کہ کمپا کے اس درس سے متاثر ہو کر اس نے خود کو بدل دیا ہے کہ بودھ دھرم میں دل آزاری سے بڑا کوئی پاپ نہیں۔ وہ امیر کا دل نہیں توڑے گی؛ امیر کے لئے یہ ایسی خوش خبری تھی کہ اس نے بے ساختہ ناگلا کو سینے سے لگالیا، وہ سرکش لڑکی جو پہلے دو چار قدم پیچھے ہٹ کر اپنا دفاع کرتی تھی اب کمپا کی ہدایت اور تعلیم کے زیر اثر امیر کی آغوش میں جا بیٹھی، جب امیر نے خود کو بے لگام چھوڑنا چاہا تو ناگلا نے ذرا سی مدافعت کی اور امیر کو یہ کہہ کر باز رکھا کہ وہ جلدی کو کام میں نہ لائے قصر واپس چلے اور وہاں اسے باقاعدہ طور پر خود سے وابستہ کرکے جو چاہے کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ درخواست بھی کی کہ اسکی وابستگی کے بعد اسے بودھ دھرم چھوڑ دینے پر مجبور نہ کیا جائے وہ شاکیہ منی کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتی۔ امیر نے اسکی یہ درخواست منظور کرلی۔ اسے ایک بار پھر بھکشو سے عقیدت ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ اگر بھکشو اور ناگلا میں واقعی تعلقاتِ محبت موجود ہیں تو یہ دونوں ایک لنگڑے غیر مذہب امیر کے لئے اتنی بڑی قربانی کیوں دے رہے ہیں؟ اسے چندا کی داستان مشتبہ محسوس ہونے لگی۔ متلون مزاج امیر نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اگر چندا کی روداد درست بھی ہے تو بھی اس عجیب وغریب بھکشو کے ساتھ رواداری اور مخیرانہ سلوک کرنا پڑے گا، اگر یہ سادہ لوح تارک الدنیا واقعی چندا کے حسن کا گھائل ہوگیا ہے تو وہ چندا کو اس شرط پر بھکشو کے حوالے کردے گا کہ پہلے وہ یہ بھکشو کی کفنی اتار پھینکے اور زندہ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرے اسکے بعد چندا اس کے حوالے کردی جائے گی۔

گلبرگہ کے در و دیوار علاء الدین حسن کی تاج پوشی کی خوشی میں سجے ہوئے تھے، منجنیقوں میں پتھروں اور گولوں کی جگہ سونے چاندی کے سکے بھر بھر کر برسائے جا رہے تھے، مٹھائی کی گولیاں برس رہی تھیں، قرب وجوار کے حکمران اور امرا لپوسے کر و فر سے گلبرگہ میں حاضر تھے، عیش و عشرت کا اتنا سامان مہیا تھا کہ بھکشو کے دل میں ہلچل سی مچ گئی جیسے بار بار کوئی یہ پوچھتا ہے "کمپا! زندگی وہ ہے جو تو نے اختیار کی ہے یا یہ جو آس پاس نظر آرہی ہے؟" اس نے گھبرا کر شاکیہ منی کے نام کا ورد کیا اور

شیطانی خیالات سے پیچھا چھڑا لیا۔

سلطان قطب الدین کی مسجد میں رسم تاج پوشی کی ادائیگی سے پہلے ساعتوں کے انتخاب میں کشمکش ہوگئی، ہندو منجموں اور پنڈتوں نے اس رسم کے لئے جو ساعت مقرر کی تھی امیران صدہ میں سے دو امیر صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی کو اس سے اختلاف تھا۔ یہ دونوں امیر خود بھی اعلیٰ درجے کے منجم تھے۔ علاء الدین حسن کا رجحان ہندو منجموں کی طرف تھا۔

امیر علائی نے بھکشو سے پوچھا "کیا تمہیں بھی یہ علم آتا ہے؟"

بھکشو نے جواب دیا "بدھ ترکِ حکومت کی تعلیم دیتا ہے تاجپوشی کی نہیں!"

امیر علائی ہنسنے لگا۔ پوچھا "اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ ہندو اور مسلمان منجموں میں سے کون زیادہ لائق اعتبار ہے تو، تو کس کی تائید کرے گا؟"

"ہندو منجموں کی!" بھکشو نے جواب دیا۔

اس دوران علاء الدین حسن کے سر پر ہندو منجموں کی بتائی ہوئی ساعت میں تاج رکھ دیا گیا اور نئے سلطان نے اپنا پورا نام شاہی فرامین کے لئے یہ طے کیا "کمترین بندہ حضرت سبحانی علاء الدین حسن گانگوئے بہمنی"۔

مسلمان امرا کو اس سے اختلاف ہوا، وہ گانگوئے بہمنی کا مطلب سمجھنا چاہتے تھے۔ سلطان نے لوگوں کو بتایا کہ جب ہم غریب تھے تو ہم نے گانگو برہمن کے پاس ملازمت کی تھی اس برہمن نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہم ایک نہ ایک دن حکمران ہو جائیں گے، اس وقت اس نے ہم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر اسکی پیش گوئی پوری اترے تو یادگار کے طور پر اس کا نام بھی ہمارے نام میں شامل کر لیا جائے آج ہم نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا، اب ہم اسے دہلی سے بلا کر خزانہ کا محکمہ اسکے سپرد کر دیں گے"۔

مسلمان امرا اور منجم چپ ہو رہے۔ امیر علائی خوفزدہ تھا کہ کہیں ہندو منجموں کی مقررہ ساعت نئے سلطان کو نقصان نہ پہنچا جائے اس نے صدر الشریف سمرقندی سے پوچھا "اگر سلطان تمہاری بتائی ساعت میں تاج پہنتا تو اس کے کیا اثرات ہوتے۔؟"

اس کے اس استفسار کو سلطان حسن بھی سن رہا تھا۔ صدر الشریف نے جواب دیا "اگر سلطان ہماری بتائی ہوئی ساعتوں میں تاج پہنتا تو اس کے خاندان میں سات سو سال تک حکومت رہتی اور تقریباً ایک سو پچاس

افراد حکمرانی کرتے لیکن اب سلطان کے خاندان میں دو سو سال سے بھی کم مدت تک حکومت رہے گی اور بیس سے زیادہ بادشاہ اس خاندان میں نہ ہوں گے!"

کمپا کے لئے یہ ساری باتیں نہایت عجیب و غریب تھیں، یہ لوگ اپنے علم کے ذریعے کہاں تک پہنچ چکے ہیں یہ احساس باعثِ رشک تھا۔

امیر علائی نے بیٹھے ہی بیٹھے ادب سے سلطان حسن بہمنی کو مبارکباد پیش کی اور اسے ماضی کی ایک اور بات یاد دلائی، اس نے کہا "شاید سلطان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ دکن کی یہ حکومت اس کو کس شخص نے عطا کی ہے۔ سلطان اپنی زبوں حالی کے دنوں میں جب ایک دن حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کی خدمت میں پہنچا تھا تو اس خادم کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رح نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم اسے دکن کی سلطنت بخش رہے ہیں۔ ہندو برہمن تو حکومت کی پیش گوئی کرتے ہیں اور مسلمان فقراء حکومت عطا کر دیتے ہیں۔"

اس یاد دہانی پر سلطان کی فرطِ عقیدت سے گردن جھک گئی۔ حضرت محبوبِ الٰہی رح کا وصال ہو چکا تھا، سلطان نے ان کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لئے پانچ من سونا اور دس من چاندی غربا میں تقسیم کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

یہ سب کچھ دنیا سے بیزار بھکشو کے سامنے ہو رہا تھا، اگر دنیا کی سچائی کو شاکیہ منی نے پالیا تھا تو پھر یہ کیا ہے کہ نظام الدین نامی ایک مسلمان فقیر نے سلطان علاء الدین بہمنی کو بہت پہلے ہی دکن کی حکومت بخش دی تھی۔ بودھ مذہب کی زبوں حالی اور کسمپرسی اور مسلمانوں کی حکومت، برتری اور اسلام کی پورے ہندوستان پر سایہ گستری۔ بھکشو نے سوچا کہ آخر دنیا اور اس دنیا کی شکل کتنی عجیب ہو جائیگی ساری دلچسپیاں، سارے ہنگامے، ساری رونقیں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ بودھ بھکشوؤں کو کوئی بھیک دینے والا بھی نہ رہ جائے گا۔"

بھکشو کی فکر اور خیالات میں انقلاب آنے لگا، دنیا کے ہنگاموں اور رونقوں نے اس کو فتح کرنا شروع کر دیا، شاید اس نے پہلی بار ذرا آزادی سے سوچا تھا، دوسرے مذاہب اور ان کے بانیان کے بارے میں سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ صداقت کسی ایک مذہب یا بانی مذہب کے پاس نہیں ہو سکتی یہ کہیں اور بھی ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا نظام الدین رح جو دہلی میں رہتا تھا، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ پھر معلوم، کیوں اور کس طرح چندا کا خیال آگیا، اس کا زہد شکن شباب عالم تصور میں کچھ اس طرح

ل و دماغ پر چھایا کہ باقی تمام خیالات اور افکار نکل بھاگے۔ بھکشو نے سوچا جب گوتم
نے دنیا کے مصائب اور آلام سے نجات پانے کے لئے فاقوں کی ریاضت شروع کی تھی تو
بلد ہی جسمانی کمزوری نے غالب آکر شہزادے سدھارتھ کو یہ باور کرا دیا تھا کہ جسم کا
و مطالبہ ہے اسے پورا کئے بغیر مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا، بھکشو نے سوچا کہ یہ چندا
بھی تو ہماری جسمانی ضرورت ہے، مرد اور عورت کیوں پیدا ہوئے ہیں؟ انکے اعضا
کا مخصوص اختلاف کیا ہیں یہ نہیں بتاتا کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے
گئے ہیں۔ بھکشو نے یہ بھی سوچا کہ جس طرح کھانے سے منہ موڑ کر نروان حاصل نہیں کیا
جا سکتا اسی طرح عورت کو نظر انداز کر کے گیان دھیان کے لئے یکسوئی اور اطمینان بھی
نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ فوراً ہی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اسے سکون قلب کے
لئے امیر علائی سے چندا کو مانگ لینا چاہیئے۔ اسے یقین تھا کہ امیر انکار نہ کرے گا اسی
لمحے ناگلا کا خیال آیا۔ بس یہ خیال درد سر بن گیا۔ اس نے سوچا کہ جس طرح وہ خود
سوچ رہا ہے اور فکر کے جس نتیجے پر پہنچا ہے کیا ضروری ہے کہ ناگلا بھی اس کی ہم خیال
ہو جائے۔ وہ کچھ مایوس سا ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ناگلا سختی سے اس کے جدید
خیالات اور افکار مسترد کر دے گی اور اسے کمپا سے نفرت ہو جائے گی۔ اس الجھن سے
اس نے پیچھا چھڑایا کہ سردست ناگلا کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کسی مناسب وقت
پر دلائل اور عملی اقدام سے سب کچھ بتا دیا جائے گا۔
بھکشو شکستہ دلی سے قدم اٹھاتا ہوا جب امیر علائی کے کمرے میں داخل
ہوا، اسی وقت دوسری طرف سے ناگلا بھی آ گئی دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں
بھکشو کے پائے ثبات میں لرزش پیدا ہو گئی اور جی میں آیا کہ اسی وقت واپس ہو جائے
ناگلا اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ بھکشو نظریں ملاتے گھبرا رہا تھا، سرسری نظر سے ناگلا کو دیکھتا
اور فوراً ہی آنکھیں جھکا لیتا۔ دونوں کی ناقابل بیان اور مشکوک کیفیات کو امیر علائی
بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آج اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ ناگلا اور بھکشو کی
بابت چندا نے جو کچھ کہا تھا اس میں صداقت ہے۔
بھکشو امیر علائی کو نظر انداز کر کے ناگلا کی طرف بڑھا اور اسے حکم دیا، "ناگلا!" اس
وقت تم واپس جاؤ، مجھے امیر سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں!"
ناگلا نے کوئی جواب نہ دیا اور اس حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ امیر علائی
کو رشک ہونے لگا۔

جب ناگلا واپس چلی گئی تو بھکشو نے امیر علائی کا رخ کیا، امیر سخت برہم تھا اسے بھکشو سے شدید نفرت ہو گئی تھی امیر نے اس سے ملنے تک کو نہ کہا بھکشو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیر نے دلی نفرت کو چھپاتے ہوئے بھکشو کو مخاطب کیا "جب تجربات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آدمی تجرد کی زندگی نہیں گزار سکتا اور عورت مرد کی لازمی اور بنیادی ضرورت ہے تو اس جسم پر اس کفنی کو لپیٹنے کا فائدہ، ہمیں ریاکاری سے سخت نفرت ہے!"

بھکشو نے امیر کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا، سرد لہجے میں بولا "امیر! تم نے کہا درست ہے، اس وقت میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنے آیا ہوں!"

امیر نے کٹی ہوئی ٹانگ کی نوک کو سہلاتے ہوئے کہا "کہو کیا کہنا ہے؟"

بھکشو نے کہا "مجھے یہ بتاؤ کہ سلطان کی رسم تاجپوشی کے موقع پر جس نظام الدین کا ذکر آیا تھا وہ کون ہے؟

امیر نے مختصر لفظوں میں نظام الدین اولیاؒ کی بابت بتا دیا۔

بھکشو نے پوچھا "کیا یہ بات بھی درست ہے کہ نظام الدین نے نئے سلطان کو دکن کی حکومت بہت پہلے بخش دی تھی۔؟"

امیر نے بے اعتنائی سے جواب دیا "ہاں یہ بالکل صحیح بات ہے۔ کیونکہ اس دن ہم بھی اس بارگاہ سے کچھ لینے گئے تھے لیکن حضرت محبوب الٰہی نے ہمیں نظرانداز کر کے علاء الدین حسن کو دکن کی سلطنت بخش دی تھی"

بھکشو کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے سے تجسس اور تذبذب کے آثار صاف ظاہر ہو رہے تھے۔ امیر علائی اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ سکوت کے بعد بھکشو نے کہا "امیر!" میں کچھ الجھنوں میں گھر گیا اگر ہو سکے تو تم ان کا کوئی علاج بتاؤ!"

امیر کوئی سوال کرنے کے بجائے صرف صورت دیکھتا رہا۔

نوجوان بھکشو نے خود ہی کہنا شروع کیا "وٹوبا سے نکل کر میں نے جو کچھ دیکھا اس نے میرے آبائی عقائد اور خیالات کو ہلا کر رکھ دیا ہے اب مجھے یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ میں غلط راہ پر چل رہا ہوں، آخر ایسے نروان کا حاصل کیا ہو سکتا ہے، جو فطرت کے خلاف جنگ کر کے حاصل کیا جائے، یہ تو ایک ایسا راستہ ہے جس پر سے کوئی گزر ہی نہیں سکتا، جس شے کا نام گناہ ہے وہ سبھی سے ہوتے ہیں ان سے کون بچ سکتا

مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں توبہ اور پراشچت (کفارے) جیسی چیزیں بھی نہیں ہیں گناہ اور زندگی لازم وملزوم ہیں اور توبہ اور پراشچت کوئی چیز نہیں لوگویا ہم اس طرح بار بار جنم لیتے رہیں گے اور جنموں کا یہ چکر اس وقت تک قائم رہے گا تک یہ دنیا قائم ہے، پھر نروان کیا ہے، اسے کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے!" اور بدقت تمام اٹک اٹک کر کہا "یہ سب ڈھونگ — ڈھونگ — لچر اور لامعنی ائد ہیں، اب میں مزید ان عقائد پر نہیں قائم رہ سکتا"

امیر علائی اپنے اشتعال اور غصے پر قائم نہیں رہ سکا، اسے بھکشو کی باتوں ہنسی آنے لگی، نروان نروان نروان!! — اس لفظ کی بار بار تکرار نے اسے پریشان دیا تھا اس نے بھکشو سے پوچھا "یہ نروان کیا ہوتی ہے؟"

بھکشو پژمردہ ہنسی ہنس دیا بولا "سکون ازلی اور جنموں کے چکر سے نجات ہم نروان کہتے ہیں۔ شاکیہ منی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ نروان حاصل کر کے آدمی بدھ ہو جاتا ہے اور بدھ ہو جانے پر پچھلی زندگیوں کے تسلسل اور اس کے اسباب وعلل کا پورا نروان حاصل ہو جاتا ہے اور یہ نروان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کرم (عمل)، کے چار اصولوں کو عملاً نہ اپنا لے نیک کام، نیک ارادے، نیک خیالات اور نیک گفتگو اور نیکی کی یہ چاروں راہیں اتنی دشوار گزار، سنگلاخ یا خاردار ہیں کہ شاید ہی کوئی انسان انہیں طے کر سکے، اتنی مشکل راہیں اور توبہ اور کفارے کے ہمارے مفقود، پھر کوئی کس طرح ان سے صحیح سلامت گزر سکتا ہے اور شاکیا منی یہ کہتا ہے کہ جب تک انسان ان سے صحیح سلامت نہیں گزرے گا، بار بار پیدا ہوتا رہے گا، بار بار جنم لیتا رہے گا!"

امیر علائی ہنسنے لگا، بھکشو کے خیالات اور عقائد کا گورکھ دھندا اس کی سمجھ میں آیا، بولا "زندگی اور دنیا اتنی پیچیدہ نہیں ہے جتنی تو نے بنا رکھی ہے، زندگی ملی ہے تو اس کی نعمتوں اور لذتوں سے ہمیں لطف اندوز بھی ہونا چاہیے، ہمیں تو بس یہی سیدھا سادا فلسفہ آتا ہے!"

اب بھکشو نے وہ بات کہہ دی جس پر فوراً ہی امیر کو یقین نہ آیا۔ بھکشو نے کہا "امیر!" میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں"

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟" علائی چونک کر بے اختیار بولا۔

بھکشو نے نرمی سے کہا "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں!

امیر علائی لنگڑے پن کی وجہ سے خود تو چل نہ سکتا تھا فوراً ہی مسہری پر کھو
تالی بجائی۔ ایک خواجہ سرا حاضر ہوگیا۔ امیر نے اسے حکم دیا" امیر صدر الشریف سمرقند
کو بلاؤ یہ بھکشو مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ اسے مسلمان کرلیں"
بھکشو نے منع کردیا، بولا" میں اسی آستانے پر پہنچ کر اسلام قبول کروں گ
جہاں تمہارے نئے سلطان حسن بہمنی کو دکن کی حکومت بخشی گئی تھی"
علائی نے افسوس سے کہا" افسوس کہ ہم دہلی نہیں جاسکتے، وہاں ظالم محمد
کی حکومت ہے ہم سب کو وہ باغی سمجھتا ہے، وہ ہمیں پاتے ہی قتل کرادے گا!"
بھکشو نے کہا" تب پھر مجھے کسی کے ذریعے بھجوا دو!"
امیر علائی نے کہا" ہم نے زندگی میں بڑے بڑے گناہ کئے ہیں، ہم چاہتے ہیں تم
مسلمان کرنے کا ثواب خود حاصل کریں شاید اس طرح گناہوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجائے"
بھکشو نے جواب دیا" اگر یہ بات ہے تو تم ایک معمولی زائر کا بھیس بدل
دہلی چلو!"
امیر سلطان محمد تغلق سے بہت خوفزدہ تھا۔ بولا" نہیں ہم دہلی نہیں چل سکت
بھکشو نے مایوسی سے کہا" اور میں کسی عام مسلمان کے ہاتھ سے اسلام نہ
قبول کرسکتا!"
امیر علائی نے محسوس کیا کہ شاید وہ ایک بڑے ثواب سے محروم ہوا جا رہا ہے
جس کا اسے دکھ ہو رہا تھا۔ کچھ سوچ کر امیر نے کہا" بھکشو!" اگر ہم تمہیں دہلی سے
بھی بڑے آستانے پر لے چلیں تو؟"
بھکشو نے پوچھا" وہ کہاں ہے؟"
علائی نے جواب دیا" اجمیر، یہاں ہندوستان کا سب سے بڑا روحانی بادشا
آرام کررہا ہے، نظام الدین سے بھی بڑا" اس کے بعد خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زن
اور کرامتوں کی بابت بھکشو کو اتنا کچھ بتادیا کہ وہ اجمیر جانے پر رضامند ہوگیا۔
بالآخر دونوں میں یہ طے پایا کہ وہ دونوں بھکشوؤں کے لباس میں ا
جائیں گے اور وہاں چشتی سجادہ نشین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیں گے۔ امیر
امرا اور حکام سے بچنے کے لئے خود بھی بودھ بھکشو بن کر اجمیر میں داخل ہونا چاہ
تھا اور اسلام قبول کرنے کی فرضی رسم خود بھی ادا کرنا چاہتا تھا۔
امیر علائی نے قصر واپس پہنچ کر اپنی عدم موجودگی کے وقفے کا ضروری انت

۔ اس نے اپنے اس نیک منصوبے کا کسی پر اظہار نہ کیا۔ کیونکہ بھکشو نے اسے یہ یقین بھی دیا تھا کہ ناگلا کو کچھ بتائے بغیر ساتھ لے جایا جائے اور راجمیر پہنچ کر اسے بھی مسلمان کیا جائے اور وہیں امیر کے ساتھ اس کی رسم نکاح ادا کی جائے۔ امیر کو ان باتوں بڑی خوشی حاصل ہو رہی تھی اس کے ذریعے دو بھکشوؤں کا اسلام قبول کر لینا یقیناً نے بڑے ثواب کا حامل ہوگا کہ اسکے سارے گناہ دُھل جائیں گے۔

امیر نے خلوص سے اسے پیش کش کی۔ کہا۔ "کمپا!" "کیا یہ درست ہے کہ تمہیں چندا اچھی لگتی ہے؟"

بھکشو کچھ گھبرا گیا، بولا "ہاں، لیکن میں امیر کی حرم کا احترام کرتا ہوں!"

امیر نے کہا "جب تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں چندا کو بخش دیں گے"

بھکشو نے آہستہ سے کہا "امیر کی مہربانی۔ میں امیر کا یوں ہی بہت زیادہ احسان مند ہوں"

اس کے بعد نہایت حکمت سے چندا کو بھکشو کے حجرے میں بھیج دیا گیا۔ بھکشو اسے دیکھتے ہی احترام سے کھڑا ہو گیا۔ اب بھکشو کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی تھی۔

بھکشو نے شائستگی سے کہا "چندا! بیٹھو!"

چندا نے پوچھا "کیا تم لوگ کہیں جانے والے ہو؟"

"ہاں!" بھکشو نے کہا "جانے سے پہلے میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں!"

"کس بات کی معافی؟" چندا کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں نے کئی بار تمہاری دل آزاری کی ہے!" وہ کہنے لگا "یہ احساس بار بار مجھ کو ستاتا رہتا ہے"

چندا سمجھی بھکشو اسے چھیڑ رہا ہے، جھڑک کر بولی "تم ضرور پاگل ہو گئے ہو، کیسی دل آزاری؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

بھکشو کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ نمودار ہوئی، بولا "مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے، تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو"

چندا تو دنگ رہ گئی اس جسارت پر۔ ایسا لگا جیسے بھکشو اپنے ہوش میں نہیں ہے، سرزنش کرتی ہوئی بولی "تم اپنے ہوش میں تو ہو، کہیں بھنگ تو نہیں پی لی گئی"

بھکشو نے کہا "چندا! میں بالکل اپنے ہوش میں ہوں، میں نے کوئی بھنگ

ونگ نہیں پی رکھی ہے، امیر نے مجھے خود ہی یہ پیش کش کردی ہے کہ اگر مجھے تم واقعی اچھی لگتی ہو تو وہ تمہیں میرے حوالے کردیں گے!"

چندا سمجھی کہ اس میں ضرور امیر کی کوئی سازش چھپی ہے۔ شاید اس طرح وہ چندا کے عائد کردہ الزامات کی تائید خود بھکشو کی زبان سے کرا چکا ہے اور اس اعتراف اور تائید کے بعد بھکشو کا جو حشر ہو سکتا تھا اس کے تصور ہی سے وہ کانپ گئی۔ بولی "ناگلا کا کیا بنے گا؟"

بھکشو کچھ اداس ہو گیا۔ بولا "اسکی تم فکر نہ کرو، وہ میرا معاملہ ہے، میں جانوں اور ناگلا جانے!"

چندا نے اسے ڈانٹ پلائی، بولی "تم تو بڑے چھپے رستم نکلے، کہاں تو دنیا اور عورت سے اتنے بیزار تھے کہ ان سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور خود کو کفنی میں چھپا رکھا تھا اور کہاں اب یہ ارادے ہیں کہ ایک ہی وقت میں دو دو عورتوں سے بیاہ رچانے پر آمادہ!" پھر واپس جاتی ہوئی بولی "تیرا یہ خیال خام ہے کہ امیر مجھے تجھ کو بخش دیں گے، اگر انہوں نے ایسا کرنا بھی چاہا تو ان حالات میں میں خود انکار کردونگی۔ بھلا تم جیسے مُردوں کی شکل والے انسان کو کون عورت پسند کریگی" حجرے سے باہر نکل کر آہستہ سے کہا "وہ جذبہ اور وہ وقت ہی کچھ اور تھا جب میں نے تجھ سے کچھ چاہا تھا، وقت گیا، بات گئی"

ضروری سامان سفر لے کر تینوں اجمیر روانہ ہو گئے۔ امیر علائی، کمیا اور ناگلا کو سر دست اتنا ہی معلوم تھا کہ اس کا یہ سفر مہاتما بدھ کی زیارت گاہوں میں حاضری دینے کی غرض سے کیا جا رہا تھا، جب راستے میں امیر علائی نے اپنا لباس اتار کر بھکشوؤں کی کفنی جسم پر لپیٹ لی تو ناگلا کو یہ شبہ گزرا کہ شاید امیر علائی بودھ دھرم اختیار کرنے والا ہے اس خیال سے اسے بہت خوشی ہوئی۔

بھکشو نے امیر علائی سے یہ درخواست کی تھی کہ ناگلا کو مغالطے میں رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجمیر تک پہنچتے پہنچتے اسے بدھ زیارت گاہوں میں پھرایا جائے اس طرح دل سے پتھروں اور بے جان مورتیوں کی محبت اور احترام کو بآسانی نکالا جاسکے گا۔ انہوں نے دولت آباد پہنچ کر مشعلوں کی روشنی میں ایلورا کے غار، عبادت گاہیں اور مورتیاں دیکھیں پھر اجنٹا کا رخ کیا، پہاڑ کے دامن میں بہت پرے اجنٹا پہنچنے کے لئے انہیں بہت سے پتھروں کو پھلانگنا پڑا۔ جب تینوں وہاں

پہنچ گئے تو امیر علائی نے بھکشو سے پوچھا" بھلا ان دشوار گزار حصوں میں یہ عبادت گاہیں کیوں بنائی گئیں، یہاں تک تو عام انسانوں کا پہنچنا ہی دشوار ہے"۔
بھکشو مسکرایا، وہ بہت خوش تھا، بولا" بودھ گیانیوں نے اسی لیے تو اس دشوار گزار مقام کو اپنے گیان دھیان کے لئے منتخب کیا تھا کہ یہ جگہ شور و شغب اور ہنگاموں کی دنیا سے بہت دور ہے اور یہاں وہ لوگ نہایت سکون اور اطمینان سے عبادت کر سکتے تھے"۔
پہاڑ کے نیچے سے نالے کے زور و شور سے بہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
ایک سو بچاس قبل مسیح اور ساتویں عیسوی صدی کی درمیانی صدیوں پر پھیلا ہوا انسانی دیو زادوں کا یہ کام زائرین کے دلوں پر ہیبت بٹھائے بغیر نہ رہتا تھا، تینوں دیر تک غار کے مندروں اور خانقاہوں میں گھومتے رہے، مندروں سے ملی ہوئی خانقاہیں چھوٹے چھوٹے حجروں کی شکل میں دیوار کی طرح پھیلی ہوئی تھیں، ان حجروں میں بستر کی جگہ ایک ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ دالانوں کے خاتمے پر ان کے گرد یہ خانقاہیں اور حجرے بنے ہوئے تھے شاکیہ منی کی ایک بڑی مورت ضرور موجود تھی، آخر میں گوتم بدھ کی ایک بڑی مورت ملی، اس مورت کے آس پاس بدھ کے دیوتاؤں اور تاروں کی مورتیں تھیں، یہاں کے ستونوں اور چھتوں کو رنگین تصویروں اور آرائشوں سے لیس دیا گیا تھا۔
ناگلا پر جذباتی دباؤ سے رقت طاری ہوگئی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، کمپا بھکشو بھی کچھ کم متاثر نہ تھا اسکی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور دونوں گوشوں سے آنسو بہہ نکلے۔ بیساکھیوں کے سہارے چلنے والا علائی غار کے ہنرمندوں کی محنت اور ذہانت سے ضرور متاثر ہوا تھا لیکن اس عزت نگاہ کا تقدس اسے ذرا بھی متاثر نہ کر سکا، اسے تو یہاں وحشت سی ہو رہی تھی، کیونکہ وہ جس مذہب کا پیرو تھا اس میں عدم تشدد اور تشدد ترک دنیا اور دنیا داری عفو اور انتقام ساتھ ساتھ چلتے تھے۔
بے شمار مورتیوں کے بیچوں بیچ میں شاکیہ منی جھک کر نروان کی طمانیت لئے بیٹھا ہوا تھا، ناگلا اس کے قدموں میں گر گئی بھکشو کمپا نے بھی اسکی پیروی کی اور مہاتما بدھ کے قدموں میں جھک گیا، امیر علائی نے آس پاس دیکھا دوسرے بہت سے زائر بھکشو بھی اسی طرح جھکے ہوئے تھے، خود علائی ان کے دکھاوے کے لئے بھی نہ جھک سکا۔

ناگلا اور کمپا بھکشو دیر تک سر بسجود روتے رہے، علائی حیران تھا کہ یہ بھکشو تو اسلام قبول کرنے والا ہے پھر یہ کیوں رو رہا ہے، یہ بدھ کو سجدہ کیوں کر رہا ہے؟

جب یہ لوگ وہاں سے نکل کر باہر آئے تو امیر علائی نے سرگوشی میں بھکشو سے پوچھا "جب تم اسلام قبول کرنے کا عہد کر چکے ہو تب پھر تم نے گوتم کی مورتی کو سجدہ کیوں کیا، کیونکہ اسلام میں کسی غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے"

بھکشو نے جواب دیا "ابھی میں نے اسلام قبول نہیں کیا، ارادہ کیا ہے اور میرے اس ارادے کی خبر تمہارے سوا کسی کو بھی نہیں، ناگلا اور دوسرے بہت سے بھکشوؤں کی نظر میں وہاں میں بودھ ہی تھا اور وہاں مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو دوسرے بودھ اور بھکشو کر رہے تھے"۔

علائی اس جواب سے مطمئن ہو گیا۔ بھکشو کے چہرے پر کرب اور اذیت چھائی ہوئی تھی۔ علائی کو خیال گزرا کہ اپنے آبائی دین کو چھوڑتے ہوئے بھکشو کو شدید ذہنی کرب اور اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تینوں گجرات کی راہ سے راجپوتانہ میں داخل ہوئے اور رات دن کی صعوبتیں جھیل کر اجمیر پہنچ گئے۔ انہوں نے لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے سرائے میں قیام کیا اور لوگوں نے بھی انہیں بودھ بھکشو سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

اجمیر میں بھکشو کمپا کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ کسی طبیب یا وید کو دکھانے کے لئے آبادی میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دوائیں لے کر واپس آ گیا۔

حضرت خواجہؒ کے مزار پر حاضری دینے سے پہلے بھکشو نے ناگلا کے سامنے اپنے منصوبے کا اعلان کر دیا، سامنے امیر علائی اس مسرت سے ہمکنار بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ ہی وقت جاتا ہے جب دو بودھ اسلام قبول کر کے اس کے ماضی کے گناہوں کو دھو ڈالیں گے۔

ناگلا کمپا کی تجویز پر اچھل پڑی اور سختی سے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بدھ بھکشو دیر تک اپنے دھرم کی برائیاں اس کے سامنے بیان کرتا رہا اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتا رہا لیکن ناگلا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بھکشو اسے سمجھانے کے لئے ایک طرف لے جاتا ہوا امیر علائی سے بولا "امیر! تم فکر نہ کرو، میں اسے الگ لے جا کر سمجھانے کی کوشش کروں گا!"

امیر کا دل دھک دھک کرنے لگا، اس نے سوچا کہ اگر ناگلا نے اسلام قبول کیا تو اسے کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا، ایک تو یہ کہ وہ آدھے ثواب سے محروم ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ ناگلا اس سے جدا ہو جائیگی کیونکہ اجمیر میں وہ بالکل مجبور و بے دست و پا تھا۔ اس نے بھکشو سے عاجزانہ کہا۔ "کمپا! تم کسی بھی طرح سے آمادہ کر لو، یہ مشکل کام تم ہی انجام دے سکتے ہو!"

بھکشو نے امیر کو تسلی دی، بولا' امیر! تم زیادہ فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے اس نادان اور ناسمجھ لڑکی کو ضرور راضی کر لوں گا!"

بھکشو ناگلا کو لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ دیر بعد جب واپس آیا تو دونوں چپ چپ تھے۔ بھکشو نے نظریں چراتے ہوئے آہستہ سے دلی سے کہا" کچھ راستہ آ گئی ہے، ایک دو دن میں کچھ اور آ جائے گی، ہمیں ذرا صبر سے کام لینا پڑے گا!"

امیر علائی نے خوش ہو کر کہا" ایک دو دن کیا، ہم ہفتہ عشرہ صبر کر سکتے ہیں جس کام کی تم نے ذمہ داری قبول کی ہے اسے پورا کرنا ہی پڑے گا تمہیں!"

بھکشو نے تائید میں گردن ہلا دی، آہستہ سے کہا" مجھے اپنے عہد اور وعدے کا پورا پورا خیال ہے اور میں جب تک کامیاب نہ ہوں گا کھانا پینا، سونا جاگنا مجھ پر حرام ہے!"

رات کے پچھلے پہر امیر علائی نے محسوس کیا کہ بھکشو بے چینی سے کروٹیں بدل رہا ہے اور ناگلا سو رہی ہے' امیر نے آہستہ سے آواز دی "کمپا!" کیا جاگ رہے ہو؟"

"ہاں"! بھکشو نے جواب دیا" میں بہت پریشان ہوں، دعا کرو کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں"

امیر نے تسلی دی" زیادہ فکر نہ کرو، کوشش جاری رکھو، خدا تمہیں مایوس نہیں کرے گا"

صبح امیر کی آنکھ دیر سے کھلی، جب جاگا تو دونوں لاپتہ تھے۔ امیر پریشان ہو گیا، کچھ دیر بعد بھکشو اندر داخل ہوا' وہ بھی بہت پریشان دکھائی دیتا تھا اس کا چہرہ غم سے ستا ہوا تھا۔

امیر نے گھبرا کر پوچھا" کیا بات ہے کمپا، تم پریشان کیوں، ناگلا کہاں ہے؟"

بھکشو نے غمزدہ آواز میں جواب دیا" امیر! یہی سوال مجھے دو ساعتوں سے پریشان کر رہا ہے، جب میں سو کر اٹھا تو ناگلا غائب تھی میں نے اسے ادھر اُدھر تلاش کیا، سرائے کے ایک آدمی نے یہ بتایا کہ اس نے اس بھکشو عورت کو پچھمی سڑک

پر جاتے دیکھا ہے!"

امیر نے بے چینی سے پوچھا "پیدل، تنہا یا کسی کے ساتھ؟"

"گھوڑے پر!" بھکشو نے جواب دیا "تنہا۔ وہ شاید مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اسی لئے چوری سے فرار ہو گئی ہے۔!"

لنگڑے امیر نے اٹھنے کی کوشش کی "ہم اس کا پیچھا کریں گے، بھکشو سفر کی تیاری کرو، ہم لوگ تھکنا یا حالات اور مشکلات کے آگے ہتھیار ڈالنا نہیں جانتے، ہم اس کا پیچھا کریں گے!"

جلدی جلدی پانی کی چند چھاگلیں اور کھانے کا سامان لے کر دونوں گھوڑوں کے پاس پہنچ گئے۔ بھکشو نے اپنی دوائی کی پوٹلی بھی ساتھ لے لی۔ بھکشو کی مدد سے امیر گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوسرے گھوڑے پر بھکشو بیٹھ گیا اور پھر دونوں گھوڑوں کو تیز رفتار سے دوڑاتے ہوئے شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی جگہ مسافروں نے بھکشو عورت کے جانے کی سمت کی نشاندھی کی، انہوں نے ایک بھکشو عورت کو تنہا اراولی پہاڑیوں کے سلسلے کو عبور کرتے دیکھا تھا، یہ دونوں اس کے تعاقب میں سلسلہ اراولی کو عبور کر کے دریائے لیونی (سانبھر جھیل) کے اس کنارے تک پہنچ گئے جہاں وہ جنوب مغرب سے آ کر راجستھان کے صحرا میں غائب ہو گیا تھا۔

لیونی کے کنارے امیر نے اپنا گھوڑا روک لیا اور بھکشو سے کہنے لگا "اب کدھر جائیں، آگے صحرا ہے"۔

امیر کی نظریں لق و دق، میلوں پھیلے ہوئے صحرا پر جمی ہوئی تھیں۔

بھکشو نے ریت میں گھوڑے کے سموں کے نشانات دیکھ لئے۔ انکی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "ناگلا آگے گئی ہے، وہ رہے اس کے گھوڑے کے سموں کے نشانات ہم اس کا پیچھا کریں گے"۔

امیر نے لگام کو چند جھٹکے دے کر ایڑ لگا دی۔

ان دونوں کے سامنے حدِ نظر تک تھر کا ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد ان کے گھوڑے تھک گئے اور ان کی رفتار میں کمی پیدا ہو گئی، نشانات انکی رہنمائی کر رہے تھے، ان کے آس پاس اور سامنے چالیس چالیس، پچاس فٹ بلند ریت کے تودے کھڑے ہوئے تھے۔

بھکشو نے امیر علائی کے چہرے پر سستی اور شکست کے آثار جو دیکھے تو کہنے لگا "امیر! میں ناگلا کو پکڑے بغیر واپس نہیں جا سکتا، اگر تمہاری ہمت جواب

دے رہی ہے تو تم واپس جا سکتے ہو۔"
امیر کو شرم آئی بولا "ہمارا تو کام ہی جہاد و جدال ہے ہم مہم جوئی سے نہیں گھبراتے، آگے بڑھو۔"
ریت کے گرم گرم ذرات جسم کے عریاں حصّوں کو جھلسائے دے رہے تھے۔
ایک جگہ انہیں کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی انہوں نے پیاس سے زبانیں نکالے اور تکان سے نڈھال گھوڑوں کا رخ ادھر کر دیا۔ اب گھوڑوں کی رفتار بالکل ختم ہو چکی تھی اور وہ ہر ہر قدم پر لڑکھڑا رہے تھے گھوڑوں کی ٹانگیں بار بار ریت میں دھنس جاتی تھیں۔ کچھ دور چل کر ایک تودے کے پیچھے انہیں ناگلا کا خالی گھوڑا مل گیا، گھوڑا پیاس سے نڈھال زبان نکالے ہانپ رہا تھا اور غصّے میں بار بار پیر پٹک رہا تھا۔ یہ دونوں گھوڑے کے قریب پہنچ گئے اور ناگلا کو اِدھر اُدھر نظروں سے تلاش کرنے لگے۔
کچھ دیر بعد ناگلا کی آواز بھی سنائی دی، اور ناتواں آواز "کہا! ادھر آؤ، میں یہاں ہوں!"
دونوں آواز کی طرف بڑھے، ناگلا ایک تودے کے ڈھلان پر نیم جان پڑی ہانپ رہی تھی۔
بھکشو اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔
امیر نے کہا "کہا! جلدی واپس چلنے کی کوشش کرو، اس صحرا میں زیادہ دیر رکنا خطرناک ہے!"
بھکشو نے لاپرواہی سے کہا "امیر! پانی وانی پی کر ذرا دیر میں چلتے ہیں گھوڑے سے اتر کر ذرا تم بھی اس ضدی لڑکی کو سمجھاؤ کہ یہ ہمارے ساتھ واپس چلے۔"
اس کے بعد وہ ایک چھاگل لے کر ناگلا کے گھوڑے کی طرف چل دیا، کہنے لگا "ناگلا کے گھوڑے کو تھوڑا سا پانی پلا دوں، اسکے بغیر وہ چلے گا کیسے؟"
امیر نے اپنا گھوڑا ناگلا کے قریب کھڑا کر کے نیچے چھلانگ لگا دی، وہ ریت پر بھس سے دھنس گیا۔ اس کی کٹی ہوئی ٹانگ کی نوک ناگلا کی ران میں چبھ گئی، وہ تڑپ کر ایک طرف سرک گئی گرم جلتی بھکتی ریت نے امیر کو بوکھلا دیا۔ اس نے جلدی جلدی ناگلا سے کہا "ناگلا! یہاں سے جلد واپس چلو، تم پر کوئی کسی قسم کا بھی جبر نہ کرے گا، تمہیں اپنے ذاتی معاملات اور عقائد میں پوری آزادی حاصل ہو گی۔"
ناگلا نے اونگھتے ہوئے کہا "اب میں واپس نہیں جاؤں گی!"

ذرا دیر بعد بھکشو بھی گھوڑے کو پانی پلا کر واپس آگیا اور اس نے بقیہ چھاگلوں کا پانی اپنے گھوڑوں کو پلا دیا۔ امیر نے پریشان ہو کر کہا "کمپا! کچھ پانی اپنے لئے بھی تو رکھ لو۔"

کوئی جواب دیئے بغیر بھکشو دونوں گھوڑوں کو پانی پلاتا رہا۔

اتنے میں کسی بھاری چیز کے ریت پر گرنے کی آواز سنائی دی۔ ناگلا کا گھوڑا ریت پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

امیر کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی گھبرا کر پوچھا "اسے کیا ہو گیا ہے؟"

بھکشو نے اطمینان سے جواب دیا "وہ دیر تک پیاسے رہ کر پانی پیا ہے اس کے اثر سے گر گیا ہے؟"

امیر نے پھر کہا "ہمیں بھی پیاس لگ رہی ہے!"

بھکشو نے ایک چھاگل امیر کی طرف بڑھا دی، امیر غٹا غٹ ڈھیر سارا پانی پی گیا، اس کے بعد بولا "کمپا!" اب کسی طرح جلدی سے ناگلا کو ہمارے گھوڑے پر سوار کرا دو اور اس کے پیچھے ہمیں بٹھا کر خود بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، اب یہاں مزید ٹھہرنا خطرناک ہے!"

لیکن اسی لمحے یکے بعد دیگرے دونوں گھوڑے ریت پر گر گئے۔ فرطِ مایوسی میں امیر کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بولا "یہ سب کیا ہو رہا ہے بھکشو، ہمارے گھوڑے بھی گر گئے۔ اب کیا ہوگا؟"

بھکشو نے دم توڑتی ناگلا کا سر اپنی ران پر رکھ لیا، حالات کے شدائد مصیبتوں کی انتہا اور زندگی سے مایوسی نے جذبہ رقابت کو بھی فنا کر کے رکھ دیا تھا ایک بار وہ پھر چلایا "کمپا!" اب کیا ہوگا؟"

بھکشو نے اطمینان سے جواب دیا "اب ہم لوگ یہیں رہیں گے، ناگلا کے ساتھ ہم دونوں بھی یہیں رہیں گے!"

امیر کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بھکشو یہ کیا کہہ رہا ہے لیکن بھکشو نے اسے زیادہ پریشان نہیں کیا کہنے لگا۔

"امیر! اب چونکہ ہم تینوں یہاں سے واپس نہیں جا سکتے اور یکے بعد دیگرے مر جائیں گے، اس لئے مرنے سے پہلے کچھ ضروری باتیں تیرے علم میں لے آئی جائیں تو مناسب رہے گا، اس کے بعد جب تو سسک سسک کر مرے گا میرے جذبہ انتقام کو سکون ملے گا، میری آتما شانت ہو گی!"

امیر نے کفنی کے اندر سے خنجر نکالا کیونکہ خطرے کی لو محسوس ہونے لگی تھی۔
بھکشو نے ہنستے ہوئے کہا "خنجر کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اس کے بغیر بھی مر سکتے ہیں، خنجر کے بغیر بھی مر جائیں گے، پہلے میری کچھ باتیں سن لو، کیونکہ ان کا تمہارے علم میں آنا بہت ضروری ہے۔"
امیر بے بسی سے بھکشو کی صورت دیکھنے لگا، بولا "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"
بھکشو نے ناگلا کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ناگلا میری بہن ہے حقیقی بہن، اور وہ بوڑھا جسے تو نے اپنے رتھ تلے کچل کر ہلاک کر دیا تھا ہم دونوں کا باپ تھا۔"
امیر کا جسم سنسنانے لگا، آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔
بھکشو کچھ رک کر کہنے لگا، جب تو نے ناگلا کو اغوا اور میرے باپ کو ہلاک کیا تھا، میں وٹوبا کے مندر میں تھا، جب مجھے تیرے ظلم کی خبر ملی تھی میں نے اسی وقت یہ عہد کر لیا تھا کہ میں تجھ سے کوئی سخت انتقام لوں گا، پھر جب تو خود اپنی ضرورت سے وٹوبا پہنچا تو مجھے تیری قربت کا ایک بہترین موقع ہاتھ آ گیا۔
بھکشو پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا لیکن اس نے پانی نہیں پیا اور آہستہ آہستہ اپنی بات جاری رکھی۔
"شاکیہ منی نے ہمیں عدم تشدد کا درس دیا ہے لیکن میں تجھے تشدد سے مارنا چاہتا تھا صرف اس لئے کہ اس طرح میں تجھ سے تیرے ظلم کا انتقام لینے کے ساتھ ساتھ بہت سے انسانوں کو تیرے ظلم سے نجات دلا دوں گا۔"
امیر نے مردہ سی آواز میں سوال کیا "اور وہ تیرا اسلام قبول کرنے کا عہد؟ وہ کیا تھا؟"
بھکشو نے کہا "ہاں اب اسکی حقیقت بھی سن لے، تیرے پیچھے تیری چندا نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجھے گناہگار کرنا چاہا لیکن میں ڈر کر قصر سے فرار ہو گیا اور مدتوں مہادیو کی پہاڑیوں میں گیان دھیان میں مشغول رہ کر شاکیہ منی سے استمداد طلب کرتا رہا۔ وہاں مجھے شاکیہ منی نے ظاہر ہو کر یہ ہدایت کی کہ میں قصر میں واپس جاؤں اور جنسی ترغیبات کے آتشِ سمندر سے گزر کر ضبط نفس کا امتحان دوں، میں نے یہ بھی کیا، پھر جب میں نے گلبرگہ میں نظام الدین رح کی کرامت کا ذکر سنا اور وہاں کے دنیاوی شان و شکوہ اور ہنگاموں نے مجھے مغلوب کر لیا تو میں سچ مچ اس پر آمادہ ہو گیا تھا اور میں مسلمان ہو جاؤں لیکن ایلورہ، اجنٹا کی

زیارت گاہوں نے دل پر کچھ اور ہی اثر کیا یہاں تک کہ جب میں شناکیہ منی کی اس مورتی کے سامنے جھکا جس کے چہرے سے نروانی کیفیت عیاں تھی، میں نے آنکھیں بند کئے ہوئے شناکیہ منی کو اپنے روبرو کھڑے دیکھا، گو تم مجھے اسلام کو قبول کرنے سے منع کر رہا تھا، وہ بہت دکھی تھا، شناکیہ منی نے مجھے یہ بات بھی بتائی کہ پہلے جس شناکیہ منی نے مجھے قصر واپس جانے کی ہدایت کی تھی وہ مارا (شیطان) تھا، مارا مجھے گمراہ کرنا چاہتا تھا اور پھر اسی مارا نے گلبرگہ میں جشن تاجپوشی کے موقع پر مجھے پوری طرح مغلوب کر لیا، شناکیہ منی کے نزول اور آزردگی پر میں مسلمان ہونے سے باز آ گیا اور اس کے بعد میں نے یہ عہد کر لیا کہ تم، جو میرے لئے مارا سے کسی طرح کم نہیں، میرے ہاتھوں ہلاک کئے جاؤ گے، میں نے اپنے منصوبے سے ناگلا کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ اور یہ جو کچھ ہوا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت ہوا ہے۔"

امیر کا سب کچھ چھن چکا تھا، گھر، وطن، ملنے والا ثواب اور ناگلا، ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد زندگی کے آخری لمحات میں اسلام کی حمایت اور محبت ہی کو ثواب کی حصولیابی کا ذریعہ بنایا، کہنے لگا "او ذلیل بھکشو! موت برحق ہے، مسلمان موت سے نہیں ڈرتے لیکن چند باتیں ہماری بھی سن لے۔ جس شناکیہ منی کے ہیولے نے تجھے نفس کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی تھی وہ مارا، نہیں حقیقتاً شناکیہ منی ہی تھا لیکن جس شناکیہ منی نے تجھے اجنتا کے غار میں تجھے دین اسلام کو قبول کرنے سے منع کیا وہ شناکیہ منی کے روپ میں شیطان رہا ہوگا، کیونکہ شیطان ہمیشہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کرتا رہتا ہے۔"

بھکشو زور سے قہقہہ مار کر ہنس دیا، بولا "تو آزاد ہے، جو جی میں آئے سوچ،" پھر ریت پر پڑے ہوئے گھوڑوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "انہیں میں نے زہر ملا پانی پلا کر ہلاک کر دیا ہے تاکہ تو کسی طرح بھی یہاں سے واپس نہ جا سکے۔ ناگلا دم توڑ رہی ہے تھوڑی دیر بعد یہ بھی مر جائے گی" قریب رکھی ہوئی چھاگل کو منہ سے لگا کر بھکشو بھی پانی پینے لگا، پانی پی چکنے کے بعد کلائی سے منہ پوچھتا ہوا بولا "تیری چھاگل کے سوا سب میں زہر ملا دیا گیا تھا، اور اس پانی میں بھی جسے میں نے پی لیا ہے، ناگلا کے ساتھ میں بھی جا رہا ہوں، ہم دونوں ایک بار پھر جنم لیں گے، ہمیں اس تشدد اور پاپ کی وجہ سے ایک بار پھر اس دنیا میں آنا پڑے گا۔ کوئی پروا نہیں، تھوڑی دیر بعد ہمارے پیچھے تو بھی مر جائے گا۔ اے کاش تو اپنے اگلے جنم میں کسی بودھ گھرانے میں پیدا ہو، تاکہ پاپ اور ظلم سے بچا رہے!"

ناگلا نے ایک ہلکے سے جھٹکے سے گردن ڈال دی، سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

بھکشو نے جھک کر اس کے سر کو بوسہ دیا، پھر ادھ کھلی حسرتناک آنکھوں کو چومنے لگا چند آنسو ٹپک کر ناگلا کے رخساروں پر ڈھلک گئے، ایسا لگتا تھا جیسے خود ناگلا رو رہی ہو۔

بھکشو نے ناگلا کا سر ہٹا کر خود کو آزاد کیا اور دونوں ہاتھوں سے جلتی تپتی ریت کو ایک طرف ہٹانا شروع کر دیا۔

امیر گھسٹتا ہوا بھکشو کے سر پر پہنچ گیا اور پوری قوت سے اپنا خنجر اس کے پہلو میں اتار دیا، صحرا میں ایک چیخ بلند ہوئی اور بھکشو کے جسم سے خون کا دھارہ جاری ہو گیا، وہ اوندھے منہ ریت پر گر گیا، دونوں ہاتھ اس طرح کانوں کے آس پاس ریت پر ٹک گئے، جیسے بھکشو سجدہ کر رہا ہو۔

خواس باختہ جنون کا شکار امیر بھکشو کی اس کیفیت سے بہت خوش ہوا، معلوم نہیں کس نے اس سے کان میں یہ بات کہہ دی کہ "بھکشو مسلمان ہو چکا ہے اور وہ منہ کے بل پڑا ہوا رب کعبہ کو سجدہ کر رہا ہے۔

امیر پاگلوں کی طرح خوش ہو کر ہنسا اور چیخنے لگا "خدایا! ہم نے اس بھکشو کو اسلام کی حمایت میں قتل کیا ہے اگر اب اس نے دل میں اسلام قبول کر لیا ہے تو اس کار خیر کے ثواب کا یہ بندۂ عاجز پورا پورا مستحق ہے، اسے محروم نہ کیجیو۔"

اس کے بعد امیر گھسٹتا ہوا مردہ گھوڑوں کے پاس پہنچا اور ان کی آڑ میں خود کو چھپانے کی کوشش کی، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا موت کے خوف، صحرا کے ہول اور پیاس کی شدت نے اسے سخت نزع کی کیفیت میں مبتلا رکھا، پھر غنودگی طاری ہوئی، نیند غلبہ کرنے لگی، اس نے آخری بار جب آنکھ کھولی تو رات ہو چکی تھی، گرگٹ اور دوسرے صحرائی کیڑے آزادی سے اس کے آس پاس جمع گردن اٹھائے دیکھ رہے تھے، پھر کوئی گرگٹ اس کے پیروں سے ٹکرایا، امیر کو نیم مدہوشی میں ایسا لگا، جیسے صحرائی سانپ نے انہیں ڈس لیا ہو، پھر آہستہ آہستہ زہر چڑھتا ہوا محسوس ہوا اور پھر اس زہر نے ان کا کام تمام کر دیا۔

★★